DUE DATE

Cl. No. ____________ *Acc. No.* ____________

Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book
Re. 1/- per day, Over night book **Re. 1/-** per day.

محدّث

خصوصی شمارہ سیمینار دار الدعوۃ الہ آباد

دار التألیف والترجمۃ بنارس الہند

★

عدد مسلسل ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۳۴

رجب ، شعبان ، رمضان ۱۴۱۴ ھ ● جنوری ، فروری ، مارچ ۱۹۹۴

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۱،۲،۳ | جنوری، فروری، مارچ ۱۹۹۴ء | رجب، شعبان، رمضان ۱۴۱۴ھ | جلد ۱۲

دارالدعوۃ الٰہ آباد اور جامعہ سلفیہ بنارس

کے اشتراک سے منعقد سیمینار کے مقالات کا

خصوصی شمارہ

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱/۴۹ جی، ریوڑی تالاب، وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۰/ روپئے، فی پرچہ ۴/ روپئے ۔ اس شمارہ کی قیمت ۱۲/ روپئے ۔

اس شمارہ میں

درسِ قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم دین اور تبلیغ

وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون ○ (التوبة) (اور نہ یہ مناسب ہے کہ مسلمان سارے کے سارے ہی نکل پڑیں ایسا کیوں نہ کریں کہ ہر ایک قسم سے چند آدمی آئیں (اور رسول اللہ کی خدمت میں رہیں) تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں جائیں تو ان کو سمجھائیں تاکہ وہ بھی (برے کاموں سے بچتے رہیں) ـــ اسلام میں جہاد کی بڑی فضیلت آئی ہے اس کے باوجود اس آیت کریمہ میں تحصیل علم پر زور دیا گیا ہے اور بیک وقت جمہور مسلمین کو جہاد میں جانے سے روک کر کچھ لوگوں کو طلب علم کے لئے رکنے کا حکم دیا گیا ہے، اور تحصیل علم کے ساتھ اس کو دوسروں کو تعلیم وتبلیغ کرنے کو کہا گیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی ہو جو ہر حالت میں علم دین کے حصول میں منہمک رہے جسکا مقصد یہ ہو کہ وہ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتی جائے کیونکہ جو اہل علم ہیں وہی تعلیم وتبلیغ کر سکتے ہیں اور انہی کو حکم ہے کہ وہ جو کچھ جانتے ہیں وہ دوسروں تک پہونچائیں "بلغوا عني ولو آية" کہ میری بات کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اسے تم دوسروں تک پہونچادو۔ ظاہر بات ہے کہ اس حدیث میں خطاب انہی لوگوں سے ہے جو آیات واحادیث جانتے ہیں کیونکہ جو آیات واحادیث سے خود نابلد ہوگا وہ دوسروں کو کیا پہونچائے گا "فاقد الشئ لا يعطيه" جو خود تہی دامن ہو وہ دوسروں کی جھولی کب بھرنے لگا، اس لئے تبلیغ کے لئے وہ نکلے جو صاحب علم ہو۔

تاریخ کے ہر دور میں اصل دین کے حقیقی مبلغین وہی لوگ رہے ہیں جنہوں نے علم دین کو حاصل کیا ہے، موجودہ دور میں اس کے اصل حاملین وہ لوگ ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر حصول دین کے لئے مدارس اسلامیہ میں تعلیم ودرس وتدریس کا کام کر رہے ہیں وہ ہی لوگ فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين کے مصداق ہیں، اور اس کے تقاضے کو کسی حد تک پورا کر رہے ہیں، ان کو چاہئے کہ پوری دلجمعی اور حقیقت پسندی سے دین کی سمجھ حاصل کریں۔

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب جہاد میں نکلنے کی تاکید بار بار کی گئی تو جب کوئی سریہ جاتا سب مسلمان نکلنے لگتے، مدینہ کو خالی چھوڑ دیتے جس پر آیت نازل کی گئی کہ ہر جماعت سے کچھ لوگ ایسے ہوں جو آپ کی خدمت

میں رہ کر تفقہ فی الدین حاصل کرسکیں اور جو لوگ سریہ وجہاد میں ہونے کی وجہ سے تفقہ فی الدین حاصل نہ کرسکے ہیں ان کو واپسی پر سکھائیں اور اللہ تعالیٰ کے فرائض بجالانے کا حکم دیں اور حدود وعقاب وعذاب سے ڈرائیں، اس آیت میں تحصیل علم اور اس کی تبلیغ دین دونوں عظیم مقاصد کو بیان کردیا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ تحصیلِ علم کا لازمہ اور اصل مقصد یہ ہے کہ اس کو دوسروں کو سکھایا جائے، اور علم حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دینی مدارس میں خالص کتاب وسنت کی تعلیم دینی چاہئے کیونکہ تفقہ فی الدین کا مطلب کتاب وسنت کا سیکھنا اور سمجھنا ہے صحابہ کرام بھی اسی چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ میں سیکھتے اور سمجھتے تھے اس کے علاوہ کوئی اور چیز دین اسلام کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے نہ تھی، لہٰذا اصل دین کتاب وسنت ہی ہے اس کو سیکھنا اور سکھانا فقہ ہے اور وہی قانون شریعت اسلامیہ ہے۔

اس دور میں خاص طور پر برصغیر میں مدارس اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ تبلیغ دین کا کام اپنا فریضہ سمجھ کر انجام دیں ورنہ تحصیل علم دین کا فرض تو ادا ہوگا مگر اس کے حصول کے ساتھ جو عظیم فریضۂ دعوت وتبلیغ ان پر عائد ہوتا ہے وہ فرض ادا نہ ہوگا اور آیت میں تحصیل علم دین کا اہم مقصد اس کی دعوت وتبلیغ کو بتایا گیا ہے، اگر وہ پورا نہ کیا گیا تو کتمان علم اور بے عملی کا الزام بھی عائد ہوگا۔ اس آیت میں علم پر عمل کرنا اس بات کو قرار دیا گیا ہے کہ آدمی علم سیکھنے کے بعد جہاں خود ان سمجھی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہو وہیں دوسروں کو بھی سکھانے کا عمل کرے، ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم میں اسی حکم کو واضح کیا گیا ہے۔

یوں تو ہر مومن کی زندگی ہر حالت میں ایک داعی کی زندگی ہونی چاہئے، اس کے تمام افعال واعمال، کردار و اخلاق ایسے ہونے چاہئے جس سے اسلام کی سچی تصویر دیکھنے والے کے سامنے آجائے، مگر خاص فریضۂ دعوت وتبلیغ کا کام انہی کا فریضہ ہے جو علم دین کے حاملین ہیں کیونکہ ہر فرد مومن کے لئے مشکل ہے کہ وہ علم دین میں دسترس حاصل کرسکے دوسرے تک اسے پہنچانے کا کام بھی کرسکے، دور حاضر میں مدارس اسلامیہ میں اہل علم کا ایک مجموعہ اور جتھا موجود ہے جو اس فریضہ کو کئی ناحیہ سے بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے، اس ٹیم میں کچھ خطابت کے دھنی ہوتے ہیں اور بعض زبان وقلم وصحافت کے مرد میدان ہیں جب کہ بعض کو وعظ ونصیحت کا بہترین ملکہ حاصل ہوتا ہے اور سب کے اندر دینی غیرت بھی ہوتی ہے اور وہ سب سے زیادہ دین کے سمجھنے والے ہوتے ہیں، لہٰذا ان مدارس اسلامیہ کو جو دین کے مضبوط قلعے ہیں ہر طرح سے مسلح ہوکر تبلیغ دین میں جٹ جانا چاہئے۔

(مولانا اصغر علی السلفی)

درسِ حدیث

قطرۂ بارانِ حدیث

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: نضر اللہ امرءًا سمع مناحدیثا محفظہ حتی یبلغہ غیرہ، فرب حامل فقہ إلی من ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ۔ (جامع الترمذی تحفۃ الاحوذی ۳/۳۷۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تروتازہ رکھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو ہماری کسی حدیث کو سنے اور اس کو حفظ رکھے یہاں تک کہ اس کو دوسروں تک پہونچادے کہ بہت سے فقہ کے حامل بسا اوقات اپنے سے زیادہ فقیہ تک دوسروں کی بات پہونچادیتے ہیں اور بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے۔

بندہ کا سب سے افضل ترین عمل کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کا سیکھنا اور اس کی نشرواشاعت اور تبلیغ کرنا ہے، مذکورہ بالا حدیث میں جو عظیم بشارت اور دعا دی گئی ہے اور حدیث پاک "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" (تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآن کو سیکھتے اور اس کی تعلیم دیتے ہیں) میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے اور انبیاء کرام جو سب سے افضل تھے ان کی فضیلت اسی لئے تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو انسانوں میں سے سب سے پہلے حاصل کرتے تھے اور اس کو دوسروں تک پہونچاتے تھے بلکہ اسی کو اپنا مقصد زیست بنائے ہوئے تھے، ان کے بعد یہ کام جو شخص انجام دے گا وہ بھی فضیلت ورفعت کے مقام بلند پر فائز ہوگا، کیونکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام کو حاصل کرکے لوگوں میں عام کرتا ہے، گویا وہ انبیاء کرام کا وارث ہے۔ العلماء ورثۃ الأنبیاء الحدیث: علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کا ترکہ علم دین ہے نہ کہ درہم ودینار۔

اس حدیث پاک میں اہل حدیث کے لئے عظیم خوشخبری اور مژدۂ جانفزا ہے، جو حدیثِ رسول کے حامل وناقل اور اس کے ناشر ومحدث ومبلغ ہیں ان کے لئے سرسبزی وشادابی، تروتازگی اور بشاشت ونضارت کی دعائے مستجاب ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ سب سے بہترین افضل واشرف اور بابرکت حدیث اللہ تعالیٰ کا کلام ہے "فإن خیر

الحدیث کتاب اللہ،، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات جس کا اصل سرچشمہ بھی وحی الٰہی ہے، لہذا کتاب وسنت دونوں کا مصدر ایک ہے اور دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور حدیث شریف قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل اور اس کی حقیقی شرح ہے، اس کے بغیر دین کا صحیح تصور اور اصل ادراک ممکن نہیں ہے بلکہ اس کا انکار صریح کفر اور قرآن کریم سے کھلی بغاوت ہے، چاہے ایسا کرنے والا اپنی نادانی اور کج فہمی کی وجہ سے عاشق قرآن اور اہل قرآن ہونے کا جتنا بڑا بھی بلند بانگ دعوی کرتا ہو۔ اور اس لئے بھی کہ سب سے بہترین حقیقی رہنمائی تمام رہنماؤں اور پیشواؤں کے رہبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی ہے، اور آپ کے واسطے سے جو ہدایت وطریقہ اور اصول انسانیت کو ملا ہے سب سے بلند وبالا اور عظیم وبرتر ہے، اگر کوئی ہے اپنے تمام امور ومعاملات میں افعال واقوال اخلاق وکردار میں کسی کی رہنمائی قبول کرنیوالا تو پھر وخیر الہدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ سب سے بڑی ناکامی اور محرومی وبدقسمتی اور بے بضاعتی اس شخص کے لئے مقدر ہے جو داعی ومبلغ ومدرس ہے، یا دعوتی، تبلیغی وتدریسی اور دینی تعلیم کے کاز کو فروغ دینا چاہتا ہے اس کا منتظم ومشرف ومحرک ہے مگر کتاب وسنت کے ٹھوس اور خالص تعلیمات کو عام کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے بجائے حکایات وملفوظات اور اقوال الناس وآراء الرجال کی نشر واشاعت اور تدریس وتبلیغ وتعلیم کو ہی اپنا مشن اور وظیفہ زندگی بنائے ہوئے ہے حالانکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی طور پر اعراض خواہ "دل" میں اس کے لئے جگہ ہی کیوں نہ ہو، بڑی بدبختی، حرماں نصیبی وخیر کثیر سے دوری کا سبب ہے، فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

حب نبوی کا نہ ہو ذوق میسر اس کو جس نگوں بخت کے دل کو نہیں میلان حدیث

اے کاش کہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت اور درّ ثمین داعیان مبلغین واہل مدارس کو پہونچتی اور اسکے حاصل کرنے محفوظ کرنے اور اس کی تبلیغ وتعلیم کرنے کی توفیق ہوتی اور اس کی اہمیت کو سمجھتے کہ موسم حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام منیٰ کے اندر مسجد خیف میں منبر پر خطبہ کے ذریعہ اس حدیث کو بیان فرمایا اور اسکی اہمیت کے پیش نظر حدیث کی تحدیث وتبلیغ کی ترغیب دلائی اور اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی مجلسوں، کانفرنسوں اور درسگاہوں اور کتب ومجلات کے اندر اس کی تعلیم وترویج وتبلیغ اور تمسک کی دعوت وترغیب دیتے، اور ان کو علماء اہلحدیث ومحدثین طالبین ومبلغین حدیث کی فضیلت وسعادت معلوم ہوتی۔ ان کو یہ معلوم ہوتا کہ قیاسی اور عقلی مشاغل ومباحث سے بدرجہا بہتر حدیث کا سماع وتحدیث ہے۔

(مولانا اصغر علی سلفی)

افتتاحیہ

سیمینار دارالدعوۃ الٰہ آباد

دارالدعوۃ لال گوپال گنج ضلع الٰہ آباد کے صدر مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی استاذ محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کی دعوت پر اور جامعہ سلفیہ بنارس کے اشتراک سے " مدارس اسلامیہ کی دعوتی ذمہ داریاں " کے عنوان سے ایک اہم سیمینار بتاریخ ۷، ۸ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۶، ۲۷ اگست ۱۹۹۳ء بروز جمعرات وجمعہ قصبہ لال گوپال گنج میں منعقد ہوا، سیمینار کی تفصیلی رپورٹ ماہنامہ محدث کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع کی جاچکی ہے ملک کے طول وعرض سے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اور علماء وفضلاء کی ایک بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی، اور اصحاب قلم علماء وفضلاء نے تفصیلی مقالات پیش فرمائے، مقالات سے متعلق ایک ابتدائی خیال یہ تھا کہ انھیں کتابی شکل میں جامعہ سلفیہ سے شائع کردیا جائے یا محدث کے شماروں میں ایک دو مقالات شائع کئے جاتے رہیں، یہ دونوں صورتیں چونکہ دیر طلب تھیں جب کہ اجلاسوں اور سیمیناروں کی تفصیلی رپورٹ، تجاویز وقرارداد اور دیگر امور کو قارئین جلد سے جلد معلوم کرنے کے شائق ہوتے ہیں، اس خیال سے یہ طے کیا گیا کہ وہ تمام مقالات جو ہمارے پاس بروقت موجود ہیں انھیں ماہنامہ محدث کے ماہ جنوری وفروری ومارچ کے مشترک شمارہ میں شائع کردیا جائے، یہ فیصلہ کچھ وجوہات سے ذرا تاخیر سے ہوا اس لئے قارئین محدث کو اس کی پیشگی اطلاع نہ دی جاسکی جس کے لئے معذرت خواہ ہیں، اس مشترک شمارہ کے تمام مقالات اس سیمینار ہی کے ہیں " صحافت کے ذریعہ دعوت إلی اللہ کی خدمت میں جامعات ومدارس کا متوقع کردار " کے موضوع پر جو مقالہ میں نے اس سیمینار میں پیش کیا تھا وہ ماہنامہ محدث کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع کیا جاچکا ہے، اسی طرح کچھ اور مقالہ نگار حضرات کے مقالات بعض معاصر مجلات میں شائع ہوچکے ہیں، سب اسی کے اجزاء ہیں، اس کی تفصیل ماہنامہ محدث کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع شدہ مفصل روداد سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اس سیمینار سے اور اس میں پیش کئے گئے وقیع مقالات سے اہل مدارس و اہل جماعت و اہل جمعیۃ میں کچھ ولولے پیدا ہوں گے، جماعت کی دفاعی لائن شکست و ریخت ہوتی معلوم ہو رہی ہے، دعوتی جوش و جذبات اور اسباب و وسائل ٹھنڈے اور کرم خوردہ ہو رہے ہیں، یہ بات پُر مسرت اسلوب میں کہی جاسکتی ہے کہ عالی شان مساجد، شاندار بلڈنگوں، پرشکوہ کمپلکس اور آراستہ و پیراستہ دفاتر کے حامل مدارس کے اعتبار سے ہماری جماعت کا نشیمن دوسری جماعتوں کے نشیمن سے اب فروتر نہیں رہا، لیکن ؎

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

ہمیں دعوتی ذمہ داریاں ادا کرنے میں مزید کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، جماعت کو اس کی اصل خصوصیات پر باقی رکھنے کے لئے تربیت، دعوت، اصلاح، ارشاد، افتاء اور قضا وغیرہ کا وسیع اور پائدار انتظام کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان، اخلاص اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

مصر کے چیف جسٹس کیا کہہ گئے؟

۱۱ر دسمبر کو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں " اسلامائزیشن کی سیاست " کے موضوع پر لکچر دیتے ہوئے مصر کی فوجداری عدالت کے چیف جسٹس محمد سعید نے قرآن مجید، اسلام اور موجودہ مسلمانوں کے متعلق جو باتیں کہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- " مشرق وسطیٰ میں بڑھتی ہوئی اسلامی انتہا پسندی مذہب کو سیاست زدہ بنا رہی ہے اور اس علاقہ کے لئے یہ مفید نہیں ہے، مذہب میں سیاست کی آمیزش کی وجہ سے اسلامی ملکوں میں اختلافات پیدا ہو رہے ہیں، سیاست میں اسلام کی آمیزش کرنے والے افغانستان اور سوڈان کے حالات سب کے سامنے ہیں، مصر میں بھی کم سے کم ساٹھ اسلامی گروپ ہیں جو مختلف عنوان سے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

۲۔ قرآن مجید محض ایک مذہبی کتاب ہے قانونی دستاویز نہیں، دلیل یہ ہے کہ قرآن کی چھ سوآیات میں سے مشکل سے بیس آیات میں صرف عائلی قوانین ہیں۔

۳۔ اسلام صرف رحم وانصاف کا علم بردار ہے سزا کا نہیں۔

۴۔ جاسوسی، لوٹ مار اور منشیات کی اسمگلنگ جیسے جرائم کے بارے میں قرآن میں کوئی قانون نہیں ہے اس لئے ان کے متعلق مروجہ عام قانون کو ہی اختیار کرنا ہوگا۔"

(روزنامہ قومی مورچہ بنارس ۲۷؍دسمبر ۱۹۹۳ء)

مصری چیف جسٹس کے لکچر پر تبصرہ کرتے ہوئے کلکتہ ہائی کورٹ کے سابق جسٹس خواجہ محمد یوسف نے دیگر باتوں سے قطع نظر دو باتیں بہت صحیح کہی ہیں ایک تو یہ کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، دوسری بات یہ کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہیں تھا، مصری چیف جسٹس نے اپنے لکچر میں جتنے نکات پر گفتگو کی ہے ہر ایک تفصیلی بحث کا متقاضی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں، البتہ مختصر طور پر ان کی حقیقت واضح کی جاتی ہے تاکہ قارئین ان مغرب زدہ بھاری بھرکم شخصیات کے حدود اربعہ سے آگاہ رہیں۔

نمبر ایک کے تحت جو باتیں درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جسٹس موصوف اسلام اور قرآن کی نہیں بلکہ موجودہ مصری حکومت کی نمائندگی کر رہے ہیں جو حکومت کہ غزہ اریحا معاہدہ کی تنفیذ کے سلسلہ میں رابن اور عرفات کی میزبانی کے فرائض انجام دے رہی ہے، کیونکہ موجودہ مصری حکومت خود بڑی حد تک امریکہ اور اسرائیل کے طرز سیاست کی متبع ہے جب کہ فلسطینی مسلم قوم اس معاہدہ کا مطلب قبلۂ اول بیت المقدس سے دست برداری سمجھتی ہے اسی لئے وہ اسے مسترد کرتی ہے اور یہود کے خلاف جہاد کو اسلامی فریضہ سمجھتی ہے، چیف جسٹس موصوف اس جہاد کو انتہا پسندی اور مذہب کی سیاست زدگی سے تعبیر کرتے ہیں، غالبا موصوف یہ فرمادیں گے کہ قبلہ اول کی بازیابی کا قانون قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے، میں عرض کروں گا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جیسا کہ جسٹس یوسف نے کہا اور اسلامی سیاست مذہب اسلام کا ایک اہم جزو لاینفک ہے، اسی حقیقت کو علامہ ڈاکٹر بیرسٹر اقبالؒ نے اس طرح بیان کیا ہے ع "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" اور اسلام کے ابتدائی دور میں مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہ ہونا قیامت تک ہر دور کے لئے آئیڈیل ہے کہ مذہب اور سیاست میں کبھی جدائی نہیں ہوگی، اسلام کے ہر دور میں یہ بات رہی ہے، آج بھی متعدد اسلامی ممالک میں ہے اور کل بھی

رہے گی ان شاء اللہ۔

نمبر دو کے تحت چیف جسٹس موصوف نے جو کہا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اسلامی قانون کی جب بات آتی ہے تو اس کے لئے قرآن مجید، سنت رسولؐ، اجماع صحابہؓ اور قیاس صحیح چاروں کو بنیاد بنایا جاتا ہے، قرآن کے بہت سے مقامات مجمل، عام اور مطلق ہوا کرتے ہیں ان کا بیان اور ان کی تخصیص وتقیید سنت رسول میں ہوتی ہے جو بجائے خود وحی ہے، اسی طرح اجماع صحابہ اور قیاس صحیح بھی کتاب وسنت سے ماخوذ ہوتے ہیں، اس وسعت فکر ونظر کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ یہ قرآن موجودہ اصطلاح کے مطابق صرف مذہبی کتاب نہیں بلکہ سیاست، اقتصاد، تمدن، معاشرت اور تمام شعبہائے حیات کے لئے لطیف قوانین کا مجموعہ بھی ہے۔

نمبر تین کے تحت چیف جسٹس موصوف نے جو فرمایا ہے کہ اسلام صرف رحم وانصاف کا علم بردار ہے سزا کا نہیں، اس کے متعلق عرض ہے کہ بے شبہ یہ بات سو فیصد درست ہے کہ اسلام صرف رحم وانصاف کا علم بردار ہے حتی کہ اسلام میں حدود وقصاص اور تعزیرات کی جو سزائیں ہیں وہ بھی رحم وانصاف ہی کا ایک حصہ ہیں خود اس آدمی پر رحم کہ اگر ایمان واسلام کے ساتھ سزا کو برداشت کرلیتا ہے تو آخرت کے عذاب سے بچ جاتا ہے جس کی شدت کی اس سزا سے کوئی نسبت نہیں، نیز انسانی معاشرہ پر رحم کہ معاشرہ کے جسم سے اس تکلیف دہ پھوڑے کا آپریشن ہوگیا، اس بحث کے لئے نیز اس نوع کے دیگر مباحث کے لئے چیف جسٹس موصوف کو موجودہ دور میں اسلامی قانون کی معروف ترین عالمی شخصیت عبدالقادر عودہ مصریؒ کی مشہور کتاب "التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی" کی طرف خصوصیت سے رجوع کرنا چاہیئے۔

نمبر چار کے تحت چیف جسٹس موصوف نے جو بات کہی ہے کہ قرآن مجید میں ان جرائم کے بارے میں کوئی قانون نہیں ہے، اس کے متعلق عرض ہے کہ مذکورہ بالا اصول اربعہ اور ان کے باہمی ربط کو تسلیم کرلینے کے بعد ہر صاحب ایمان کو یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ کائنات کا کوئی خیر اور اس کا کوئی شر ایسا نہیں جس کے بارے میں قرآن مجید کا کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو۔

چیف جسٹس موصوف کیلئے مشکل یہ ہے کہ انہوں نے مغربی قانون کو مغربی عینک سے پڑھا ہے، اور قانونی خدمات کا موقع انھیں ایسی حکومت کے دور میں ملا ہے جو عیسائیت اور یہودیت کی منصوبہ بند سیاست کی پیروی میں عالم اسلام کے دیگر ممالک کی صف سے آگے نکلی جارہی ہے، ایسے حالات میں اپنی اصل پر قائم

رہ کر زندگی کے فرائض انجام دینا دنیا اور آخرت کے سعادتمند اور باعزیمت مسلمانوں کا کام ہے، کیا ہم یہ توقع کرسکتے ہیں کہ چیف جسٹس موصوف ایسے ہی لوگوں میں ہوں گے۔

شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوری کی وفات حسرت آیات

۲۲ رجب ۱۴۱۴ھ، ۵ جنوری ۱۹۹۴ء بدھ کو جامعہ سلفیہ بنارس میں ہم فجر کی نماز ادا کر کے تلاوتِ قرآن مجید کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ جامعہ کے مائک سے اعلان ہوا کہ مبارکپور سے فون آیا ہے کہ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کا صبح پانچ بج کر پچپن منٹ پر انتقال ہو گیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون، یہ خبر سنتے ہی تمام اساتذہ وطلباء میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی، فون سے اتصال کر کے اس حادثۂ فاجعہ کی خبر شہر بنارس اور ملک کے دور دراز شہروں اور علاقوں تک پہونچائی گئی، نیز بیرون ملک بلاد عرب کے اہم شہروں کو بھی اس حادثہ کی اطلاع دی گئی، جامعہ عملاً بند ہو گئی، طلباء، اساتذہ اور انتظامیہ نیز شہر کے اخوان جماعت سیکڑوں کی تعداد میں موصوف کے جنازہ میں شرکت کے لئے پابہ رکاب ہو گئے، بعد نماز مغرب چھ بج کر تیس منٹ پر نماز جنازہ پڑھی گئی، ساڑھے بارہ گھنٹے کے اس وقفہ میں قرب وجوار کے علاوہ نیپال اور اس سے متصل ہندوستانی اضلاع، اقصاء بہار، دلی، لکھنؤ اور الہ آباد وغیرہ سے بڑی تعداد میں علماء فضلاء اور معتقدین حاضر ہو گئے، اندازہ ہے کہ نماز جنازہ اور تدفین میں دس ہزار سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔

موصوف کی وفات جامعہ سلفیہ کے لئے بے حد اہم حادثہ ہے، آپ جامعہ سلفیہ کے صدر تأسیسی تھے اس ادارہ سے آپ کو نہایت قلبی لگاؤ تھا، اس کے عروج وازدھار کے لئے آپ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، اس کے علمی، تعلیمی، دعوتی اور ثقافتی ندوات ومؤتمرات میں حتی المقدور شرکت فرماتے تھے، جامعہ سلفیہ کی ترقی میں یقینا موصوف کی شخصیت کا بہت بڑا حصہ ہے،

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وفات کے اس عظیم سانحہ پر جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ اس کے اساتذہ اور طلبا اور جملہ متعلقین دل سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے

اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، (آمین)

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا سانحۂ وفات موت العالِم موت العالَم کا مصداق ہے، اللہ تعالیٰ اس خلا کو اپنی رحمت خاص سے پُر فرمائے، موصوف کی ذات جماعت اہل حدیث، ملت اسلامیہ ھندیہ اور عالمِ اسلام کے لئے بڑی بابرکت تھی، آپ عالم اسلام کے ممتاز اور صف اول کے علماء میں تھے، آپ فن حدیث کے امام اور کلام رسول کے خادم تاجور تھے، آپ کا طرز معاشرت سنتِ رسول پر عمل کا دلکش نمونہ تھا، آپ نے پوری زندگی فن حدیث اور کلام رسول کی خدمت میں نہایت سادگی اور قناعت کے ساتھ گذاری۔ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی مفصل عربی شرح لکھی جو گذشتہ تمام شروح کی جامع اور بے نظیر تصنیف ہے، یہ نو جلدیں تک طبع ہو چکی ہے، دسویں جلد نا تمام اور غیر مطبوع ہے، جب کہ مشکوٰۃ کے متن کی ابھی پہلی جلد ختم نہیں ہوئی، اور دوسری جلد مکمل باقی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اتمام کی کوئی سبیل پیدا فرمائے، اس شرح کے لکھنے سے پہلے شارح جامع ترمذی علامہ امام عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کے ضعف بصارت کے زمانہ میں موصوف نے جماعت کے ایک فاضل مولانا عبدالصمد رحمانی کے ساتھ "تحفۃ الاحوذی" کی آخری دو جلدوں اور اس کے مقدمہ کے آخری حصے کی تکمیل میں شارح ترمذی رحمہ اللہ کی صحبت میں دو سال رہ کر ان کا تعاون کیا تھا۔ آپ کے اندر علم حدیث کے ذوق و شوق و مہارت پیدا کرنے میں شیخ الحدیث علامہ امام احمد اللہ پرتاپ گڈھی اور علامہ امام شارح ترمذی کی صحبت کا بہت دخل ہے، غرض شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی شخصیت ماضی قریب اور حال کے درمیان ایسا نقطۂ اتصال اور ایسی کڑی تھی جس کے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد قلب و نظر حیران ہیں کہ علم و عمل کی ایسی جامع و کامل شخصیت کس طرح اور کب نمایاں ہوتی ہے جس کے روئے زیبا کا دیدار، جس کی گفتار، اور جس کا کردار ایمان کی بیداری اور دلوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو۔

اللہم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ جنۃ الفردوس

(آمین)

از دکتور عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی
پروفیسر
جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض

خطبۂ افتتاحیہ

سیمینار لال گوپال گنج الٰہ آباد بتاریخ ۶/۷ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۶/۲۷ اگست ۱۹۹۳ء بعنوان " مدارس اسلامیہ کی دعوتی ذمہ داریاں "

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وبعد!

قال اللہ تعالیٰ: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وقال: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ "

ہمارے لئے یہ انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ ہم آپ حضرات کو یہاں خوش آمدید کہیں، ہم آپ کے انتہائی شکر گذار ہیں کہ آپ نے اپنے قیمتی اوقات اور مشغولیات و مصروفیات میں سے یہ اوقات اس پروگرام کے لئے وقف کیا، وفقکم اللہ لکل خیر، وجزاکم اللہ خیرا۔

حضرات! ہم لوگ یہاں جس موضوع پر فکر و نظر کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں اس کو مختصر الفاظ میں خود احتسابی کے عمل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، دوسرے الفاظ میں یہ مجلس مذاکرہ مجلس تذکیر و نصح و اعتبار اور احتساب و محاسبہ ہے۔

امت محمدیہ صلعم جن حالات سے دوچار ہے اس میں ہر طبقہ اور ہر گروہ کو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ خود احتسابی کے عمل کو اپنانا ہوگا، اس لئے کہ اگر ہم اپنا محاسبہ کرتے اور اپنے اعمال و کردار پر تنقیدی نگاہ ڈالتے چلیں تو ہمارے کام کا قبلہ درست ہو سکتا ہے، مسلسل محاسبہ سے اصلاح نیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یوم حساب سے پہلے اپنے محاسبہ اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

کسی بھی شہر میں بجلی یا پانی کی سپلائی کا نظام خراب ہو جائے، یا امن و امان متاثر ہو جائے تو زندگی مفلوج ہو جاتی ہے، امت محمدیہ کا اگر دل و دماغ متاثر ہو جائے تو پوری امت کا نظام مفلوج ہو جانا یقینی ہے۔

رشد و ہدایت اور اصلاح کے یہ ادارے جو دینی اور عربی و اسلامی مدارس و جامعات کے نام سے معروف ہیں

یہی ہمارے اسلامی پاور ہاؤس ہیں۔ ان کے موجودہ نظام، طاقت، اور امکانات کے مقابلے میں نتائج کا فیصلہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف انداز اور رخ سے لوگ سوچتے اور لکھتے، اور اس پر گفتگو کرتے رہتے ہیں، اگر ہم سب مل کر ان مسائل پر کچھ سوچیں، اور اس کے نتیجہ میں اپنے نظام عمل اور طریقۂ کار میں کچھ تبدیلی لے آئیں، اور اس پر مسلسل کام ہوتا رہے تو توقع ہے کہ ان شاء اللہ موجودہ امکانات سے بہت مفید اور دوررس نتائج نکلیں گے۔

"دینی مدارس کی دعوتی ذمہ داریاں" ایک وسیع موضوع ہے، مدارس کا دائرۂ عمل کتنا وسیع ہے معاشرہ پر اس کی گرفت کتنی مضبوط ہے، مدارس اور اس کے منتظمین، اساتذہ اور طلبہ کی عام مسلم معاشرہ سے تعلق کی نوعیت کیا ہے، خود معاشرہ کو اپنے ان دینی اداروں یا مدرسوں سے کتنا ربط و تعلق ہے، مدارس میں جو نصاب پڑھایا جارہا ہے، عصر حاضر کی تعلیمی و ثقافتی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ صحیح اسلامی تعلیم و ثقافت اور تہذیب کو موجودہ نسلوں تک منتقل کرنے کا جو بیڑا مدارس نے اٹھایا تھا اس میں کتنی کامیابی ہورہی ہے یہ اور اس طرح کے مسائل سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کے مستحق ہیں۔

نظام تعلیم عبارت ہے، مدرس، طالب علم، اور نصاب تعلیم سے، اس واسطے ان تینوں پر مستقل بحث ہونی چاہئے۔

ہمارے یہاں فیشن کے طور پر ہی سہی نصاب تعلیم پر نسبۃً گفتگو زیادہ ہی ہوتی رہتی ہے، لیکن طالب علم اور مدرس کے مسائل پر گفتگو کم ہی سننے میں آتی ہے۔ مدرس، مدرسہ اور نصاب سے تعلق، اسی طرح سے مدرس کا مدرسہ اور نصاب، نیز مدرسہ کے منتظمین کی ان مسائل سے دلچسپی، اور ملی مسائل سے ہم آہنگی وغیرہ مسائل ہماری فوری توجہ کے محتاج ہیں۔

۱ — عربی مدارس کے مدرسین اور فضلاء یا تو مدارس و جامعات میں تدریسی فرائض انجام دیتے ہیں۔

۲ — یا وہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا کام کرتے ہیں۔

۳ — یا وہ صحافت سے متعلق ہوتے ہیں۔

۴ — یا ان کا میدانِ عمل خطابت ہے، چاہے وہ مختلف مؤتمرات و ندوات، اور جلسوں کے اسٹیج سے ہو یا ہر ہفتہ خطبۂ جمعہ سے۔ آخر الذکر کی شریعت اور عرف میں بڑی اہمیت ہے۔

ان میدانوں میں سے ہر میدان مستقل بحث ودراسہ کا محتاج ہے، اور ہر شعبہ میں اصلاح اور ترمیم کی ضرورت ہے۔ ہمارے علماء اور ائمہ نے اسلامی تعلیم وثقافت اور تصنیف وتالیف کے میدان میں اپنی زندگی وقف کرنے والے طالبانِ علم نبوت، وخادمانِ کتاب وسنت کے آداب واخلاق، اور معیاری مدرس و مؤلف کی صفات پر بڑا قیمتی لٹریچر چھوڑا ہے، اصول حدیث کی مختصرات ومطولات میں اس پر کافی مواد موجود ہے۔ اسلاف سے نسبت اور ربط وتعلق کے حوالے سے بھی مدرسہ اور مدرس کے موضوعات زیر بحث آنے چاہئے۔

غرضیکہ یہ اور اس طرح کے بہت سے پہلو ہیں جن پر غور وفکر کئے بغیر مدارس اسلامیہ کے دعوتی کردار یا ذمہ داریوں پر بحث اور گفتگو تشنہ رہے گی، اسی لئے مختصراً ان امور کی طرف اشارات آگئے ہیں۔

اب آئیے مدارس اسلامیہ کے دعوتی کردار کی طرف، ہندوستان کی اسّی کروڑ کی آبادی میں چھ لاکھ سے زیادہ گاؤں ہیں، مسلمان ۱۵ ر تا ۲۰ ر فیصد ہیں جو پورے ہندوستان کے شہروں، قصبات اور دیہاتوں میں منتشر ہیں۔ نیز ۷۲ سے زیادہ فرقوں میں روایتی طور پر بٹنے کے ساتھ سیاسی ونیم سیاسی، اور دینی ونیم دینی تنظیموں کی تقسیم اس پر مستزاد، واللہ المستعان۔

سیکولر ہندوستان کے سیکولر بلکہ دیو مالائی نصاب تعلیم کی یلغار کے اس دور میں، نیز پہلے سے مغربی تہذیب وتمدن، شرک وبدعات، رفض وتشیع اور جہل کے اثراتِ بد کی شکار امت مسلمہ پر ہندو تہذیب وتمدن کی دودھاری تلوار لٹک رہی ہے۔ اور ہر میدان میں پیچھے رہ جانے والی قوم کے لئے ایک مستقل نظام تعلیم کے ٹوٹے پھوٹے نظام کے ساتھ موجودہ مدارس اور علماء کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔

ہماری آبادی ستر فیصد دیہات میں رہتی ہے، تبلیغی جماعت کے علاوہ دوسری مسلم جماعتوں اور تحریکوں کا دیہاتوں میں کام نہ ہونے کے برابر ہے۔

مسلک اہل حدیث کے خادمان نے پورے ہندوستان میں بالعموم اور صوبہ بہار وبنگال اور اضلاع بستی وگونڈہ کے شہروں اور دیہاتوں میں بالخصوص کروڑوں انسانوں کو توحید وسنت سے روشناس کرایا، اور ایسے ایسے علاقوں میں ان کی دعوت پہونچی جس کا ہم اور آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ماضی کے علماء کی درسگاہوں سے فیض یافتہ علماء اور پرجوش مبلغین نے کتاب وسنت کی تعلیم اور عمل بالحدیث کی دعوت کو عام کرنے میں بڑا موثر

کردار ادا کیا ہے ۔

ان کے پاس مادی امکانات نہ ہونے کے برابر تھے لیکن ان پُرجوش مبلغوں نے اپنی زبان، قلم اور عمل سے ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا، کم ازکم تین کروڑ انسانوں تک یہ دعوت پہنچی، یا لوگ اس سے متاثر ہوئے، جامعہ سلفیہ نے ان علماء کی تصانیف اور ان کے اخبارات وجرائد اور مدارس کا جو جائزہ مستقل کتابوں کی شکل میں شائع کیا ہے یا مولانا غلام رسول مہر نے اصلاح وجہاد کی جو تابناک تاریخ مرتب کی ہے اس کے سرسری مطالعہ سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

مادی وسائل کی قلت اور دشوار گذار راستوں کے علی الرغم سلفی دعوت نے شہری آبادی سے زیادہ دیہی علاقوں، یا دور دراز علاقوں میں اثر دکھایا، یہ دعوت حق کی تاثیر اور دُعاۃِ حق کے اخلاص وجد وجہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا محض فضل واحسان تھا ۔

آج ہم یہاں اجتماعی طور پر مدارس عربیہ اسلامیہ کے دعوتی کردار اور ذمہ داریوں پر بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ پر بھی نظر رکھیں کہ عالم اسلام میں اسلامی بیداری کے اثرات واضح طور پر محسوس کئے جارہے ہیں، کیا اس بیداری کا اثر ہمارے مدارس پر بھی ہے ؟ نیز: کیا ہمارے مدارس حقیقی اسلامی بیداری کے مراکز ہیں، یا مستقبل قریب میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گے ۔

ہندوستان میں بعض مخصوص فکر کے حاملین کی انہی افکار پر مبنی تحریکوں اور جماعتوں نے اپنے عقیدہ د مذہب اور نظریہ کی اشاعت میں بہت واضح کامیابی حاصل کی ہے ۔

ماضی میں اہل حدیث علماء اور ان کے مدارس نے یہ فرائض بہت کامیابی سے ادا کئے ہیں، اس لئے اب موجودہ مدارس اور ان کے مدرسین اور طلبہ دوبارہ کس طرح اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں، یہی وہ اصل نقطہ ہے جس پر غور کرکے مستقبل کے لیے منصوبہ تیار کرنا ہوگا ۔

عصر حاضر کی الحادی تنظیموں سے دینی تنظیموں تک کے طریقۂ کار پر اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ :

۱۔ تنظیم کے عمل کے استحکام کا ان تحریکوں کی کامیابی میں بڑا دخل ہے ۔

۲۔ نیز نصاب تعلیم نے ذہن سازی اور فکر کی تعمیر میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے ۔

۳۔ وسائل نشر واشاعت کا صحیح اور مؤثر ڈھنگ سے استعمال بھی ان کی کامیابی کا ضامن رہا ہے ۔

۴۔ داخلی اور خارجی ممکنہ مادی وسائل کا بھی ان تحریکوں نے بہت صحیح استعمال کیا ہے۔ نتیجتہً اذہان وقلوب مسخر ہوتے چلے گئے۔

طائفۂ عاملین بالحدیث کے پاس بھی کم وبیش یہی ارض وسما اور یہی امکانات تھے، لیکن تنظیم کے فقدان، نصاب تعلیم کے غیر مُوَحَّد ہونے، نیز وسائل نشر واشاعت کے صحیح اور موثر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے مطلوبہ نتائج نہ حاصل کئے جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدرسین کے یہاں مسلک اہل حدیث اور منہج اہلحدیث سے ہم آہنگی نہیں، اس کے اثرات طلبہ پر واضح ہیں، اب صورتِ حال یہ ہے کہ مطلوبہ معیار پر نہ مدرس ہیں نہ طلبہ، فضلاء مدارس کی بھیڑ میں خود مدارس کے کام کے آدمی نہیں، تقریبا ہر مدرسہ اچھے مدرسین کی قلت کا شکار ہے مدرسہ کی چہار دیواری سے باہر، مساجد نوحہ خواں ہیں، منبر ومحراب شاکی ہیں تبلیغ کا میدان خالی ہے، صحافت اپنا آئینہ دکھا رہی ہے۔

اس کے علی الرغم بلاد عربیہ بالخصوص سعودیہ عربیہ کے مدارس وجامعات میں بڑی اسلامی بیداری نظر آتی ہے، دعوت وتبلیغ کے اندر عربوں اور غیر عربوں میں تبلیغ کے کامیاب تجربہ کے بعد اب سعودی عرب کے دعاۃ ومبلغین اپنی جد وجہد کا رخ اسلامی وغیر اسلامی ملکوں کی طرف کئے ہوئے ہیں، اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پرجوش مبلغین نے اپنا کام پھیلا لیا ہے جس کے اچھے اثرات بڑی تیزی سے نمودار ہو رہے ہیں

۱۔ ہم اس اجلاس سے یہ گذارش کریں گے کہ پچاس سالہ تعلیمی میدان کا سعودی عرب کا تجربہ ہمارے سامنے ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم وہاں کے جامعات کے، اور وزارت تعلیم کے نصاب تعلیم کی روشنی میں اپنی ملکی اور ملی ضروریات کے مطابق ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کریں جو زندہ قوموں کی ضروریات اور امنگوں سے ہم آہنگ ہو، اس کے لئے ایک آل انڈیا نصاب کمیٹی کی تشکیل کی جائے جو خود مختار ادارہ ہو اور جامعہ سلفیہ اس کا صدر دفتر ہو، یہ کمیٹی نچلے درجات سے اوپر تک کے تمام مراحل تعلیم پر غور کرے، فی الحال ہائی اسکول تک کے نصاب کو منظم ومرتب کرے۔

۲۔ نیز صحافت وخطابت کے میدان میں جو ترقی ہوئی ہے اس کو بھی سامنے رکھیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ مدارس اپنے نشر واشاعت کے پروگرام پر نظر ثانی کریں۔ اور متفقہ طور پر ایسے ماہانہ مجلہ کی اشاعت کا انتظام ہو جو پوری جماعت اور سلفی فکر کا ترجمان ہو، اور اس کی اشاعت اس انداز سے ہو کہ وہ کسی خاص جماعت کا ترجمان

نہ ہو، بلکہ صحیح اسلامی فکر کا ترجمان ہو، اس کے لئے مستقل بجٹ ہو اور ہمہ وقتی کام کرنے والا اسٹاف ہو، اس کا صدر دفتر دہلی ہونا چاہیئے ۔

۳۔ ایک اہم مسئلہ اسلام کی صحیح تعبیر وتفہیم کا ہے، اسلامی عقیدہ دعوت کی سب سے سچی تعبیر سلفی دعوت ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے اصحاب وتلامیذ کی منہج سلف کی واضح تشریح وتفہیم ہے۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ۔ رحمہ اللہ ۔ کی دعوت عصر حاضر کی سب سے سچی دعوت، اور سلفی فکر کی بلا کم وکاست ترجمان ہے، اس لئے میری گذارش ہے کہ سعودی عرب نے علم وثقافت اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں جو کامیاب تجارب کئے ہیں اس کو اردو اور علاقائی زبانوں میں منتقل کرنے کے لئے ایک بورڈ کی تشکیل کی اشد ضرورت ہے، تاکہ منصوبہ بندی کے ساتھ پنج سالہ کے تحت مختلف علماء کے خطبات ومقالات اور کتب کی اردو اور ہندی میں اشاعت کا کام ہو سکے اس سلسلے میں جامعہ سلفیہ کے تجربات سے نہ صرف فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے بلکہ ادارۃ البحوث کو ہی یہ ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی جن وسائل کی ضرورت ہے، اس کی فراہمی کا انتظام ہی اصل مسئلہ ہے جس میں پورے ملک کے اخوان جماعت کو اپنا تعاون دینا ہوگا ۔

۴۔ مدارس کی دعوتی ذمہ داریوں میں ایک اہم کام یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ اور مساجد اور محلوں میں درس قرآن وحدیث کو منظم و مؤثر طور پر استعمال کیا جائے ۔ نیز ہر ہفتہ اپنے اپنے علاقوں میں دعوتی ٹولیاں بھیج کر لوگوں تک اپنا پیغام پہنچایا اس میں مدرسین کے علاوہ اونچی جماعتوں کے طلبہ، نیز شہر کے صالح نوجوان بھی مؤثر رول ادا کر سکتے ہیں ۔اس کام میں شہری اور علاقائی جمعیتیں مؤثر تعاون پیش کر سکتی ہیں، اس لئے مدارس کا فلاحی تنظیموں اور جمعیتوں سے اشتراک عمل ضروری ہے

مدارس عربیہ کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہونی چاہیئے کہ ہر مدرسہ اپنی بساط کے مطابق اپنے علاقہ اور حلقہ میں شہر کے محلوں اور دیہات کے گاؤں میں پرائمری دینی مکاتب کا انتظام کرے جس کے مفید نتائج برآمد ہونگے، ان شاء اللہ

افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ ہم مختلف جگہ یونیورسٹیوں کی تعمیر اور پروپیگنڈہ میں مشغول ہیں اور بیشمار علاقوں میں بنیادی تعلیم کا کوئی معقول تو کیا غیر معقول انتظام بھی نہیں ہے، مغل حکمرانوں نے لال قلعہ اور تاج محل جیسی عمارتیں بنائیں، لگتا ہے کہ ہم بھی اسی عمل میں مصروف ہیں، عقول وقلوب کی تسخیر کا کام دوسروں کیلئے چھوڑ دیا ہے، واللہ المستعان ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو قول وعمل میں اخلاص وللّٰہیت کی توفیق دے اور ہمکو اور ہماری جد وجہد کو قوم وملت کے حق میں مفید بنائے ۔

انہی گذارشات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس سیمینار کو کامیاب بنائے ۔ والسلام ..

لال گوپال گنج کے سیمینار کیلئے

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی حفظہ اللہ

کا پیغام

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ، وبعد!

مجھے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ عزیز القدر دکتور عبد الرحمن پریوائی صاحب کی دعوت پر ایک مجلس مذاکرہ بعنوان "مدارس اسلامیہ کی دعوتی ذمہ داریاں" ان کے قصبہ لال گوپال گنج میں منعقد ہو رہی ہے، اس مجلس میں شرکت کا دعوت نامہ مجھے بھی ملا تھا، میں کچھ بھی لکھنے پڑھنے یا املاء کرانے سے بھی معذور ہو رہا ہوں مگر اس مجلس کی اہمیت اور دکتور عبد الرحمن سلمہ کے اصرار کے پیش نظر چند کلمات کسی طرح املا کرا رہا ہوں۔

مجلس مذاکرہ کا موضوع ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک اہم اور حساس موضوع ہے۔ یہ مدارس، مسلمانان ہند کے لئے دینی وفکری غذا کی فراہمی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، ماضی میں بالخصوص آزادیٔ ہند سے پہلے ان مدارس نے صرف مسلم نسل ہی کی نہیں بلکہ ایک حد تک غیر مسلموں کی بھی جس انداز سے فکری نشو ونما اور تربیت کی تھی افسوس ہے کہ آزادی کے بعد مختلف وجوہات سے ان کی وہ افادیت بھی محدود بلکہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔

مدارس اسلامیہ کی دعوتی ذمہ داریاں خواہ وہ عقیدہ وعمل سے تعلق رکھتی ہوں یا منہج سلف کی تبلیغ سے

اور اعلیٰ تعلیم سے لیس طبقہ سے تعلق رکھتی ہوں یا شہروں سے دور دیہی علاقہ کے ناخواندہ یا کم تعلیم یافتہ طبقہ میں دعوت وتبلیغ سے متعلق ہوں، اسی وقت بروئے کار آسکتی ہیں اور ان کی افادیت پورے طور پر محسوس کی جاسکتی ہے جب کہ ان مذکورالصدر طبقات سے مسلسل ربط ہو اور اس کی متابعت کی جاتی رہے۔

مدارسِ اسلامیہ کا فائدہ وہ بھی " جزوی طور پر " ایک خاص طبقہ۔ طلباء۔ تک محدود ہوتا جارہا ہے اور تبلیغ ودعوت کا جذبہ ان سے مفقود ہوتا جارہا ہے۔

عوام الناس تک ان مدارس کی کارکردگی کی افادیت بہت کم ہوگئی ہے، اس لئے ان مدارس میں جو طلباء زیر تعلیم ہیں ان کی تعلیم کے ساتھ اخلاقی وعملی تربیت، نیز ان کے اندر دعوتی جذبہ کو پروان چڑھانے کی اشد ضرورت ہے، اور نصابِ تعلیم میں بحیثیت لازمی مادہ کے " الدعوۃ وطرقہا " کا اضافہ زیادہ مناسب ہے۔

امید ہے کہ شرکاء مجلس مذاکرہ کسی اچھے نتیجہ پر پہونچیں گے، اور جو توصیات وتجاویز اس میں پاس ہوں گی ان کو روبہ کار لانے کے لئے کوئی مستقل اور ٹھوس لائحۂ عمل تیار کیا جائے گا اور اس پر درآمد کی برابر متابعت کی جاتی رہے گی۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد۔

املاہ
عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری
۶ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
۲۵ اگست ۱۹۹۳ء

اسلامی دعوت میں منہج سلف کی اہمیت

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی جمیع الأنبیاء والمرسلین خصوصًا
لیٰ خاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ واھل بیتہ واتباعہ إلی یوم الدین، اما بعد! فاعوذ باللّٰہ
ن الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم أولٰئِک الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ (پ۷۔ سورۃ الانعام: ۹۱)
حضرات! اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبیوں و رسولوں پر درود وسلام کے بعد عرض ہے کہ کسی بھی دینی اور اسلامی
ام کو کرنے اور انجام دینے کے لئے شریعت اسلامیہ نے اہل اسلام کو اپنی طرف سے اپنی عقل و سمجھ اور اپنے فہم و قیاس
سے کوئی اختراعی طریق کار اور منہج ایجاد کرنے کے بجائے اسلاف کا طور طریق اختیار کرنے اور اسلاف کے طرز عمل کو اسوہ و
ونہ قرار دیتے ہوئے اسلاف کے چھوڑے ہوئے موروثی علمی و دینی سرمایہ و ذخیرہ کے مواد و میٹر سے راہ عمل متعین کرنے
اہدایت کی ہے حتی کہ آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس بات کی طرف
جہ دلائی کہ:

أولٰئِک الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ "یعنی اے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کی بعثت سے پہلے ہمارے مبعوث کئے ہوئے سارے رسولوں و نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے بہرہ ور اور سرفراز کیا تھا لہذا آپؐ انھیں سابق انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریق ہدایت کی اقتداء پیروی کیجئے۔

اپنے اس فرمان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیائے سابقین مثلاً حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، ذکریا، یحییٰ، الیاس، عیسیٰ، اسماعیل، الیسع، یونس، لوط اور ان کے ہم مذہب و ہم عقیدہ آباء و اجداد و ذریات و اخوان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ :

"اولئك الذين آتيناهم الكتاب والحكم والنبوة" "یعنی ان سارے حضرات کو ہم نے کتاب شریعت اور حکمت و نبوت عنایت کی"۔

اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں تمام انبیائے سابقین اور ان کے متبعین بھی داخل و شامل ہیں جن کے طریق ہدایت اور اسوۂ حسنہ پر چلنے اور کاربند ہونے کا ہم کو منجانب اللہ حکم دیا گیا ہے اور مذکورہ بالا فقرہ قرآنی کے ساتھ یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ :

"فان يكفر بها هؤلاء فقد وكلنا بها قوما ليسوا بها بكافرين - یعنی اگر یہ کفار مکہ اور معاملۂ کفر میں ان کی ہمنوائی کرنے والے ہماری عنایت کردہ کتاب شریعت و حکمت و نبوت کو ماننے اور ایمان لانے سے انکار کر کے راہ کفر اختیار کریں تو ان کے بالمقابل ایسے لوگوں کو مقرر کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے جو کتاب شریعت و حکمت و نبوت کا انکار کرنے والے نہ ہوں گے بلکہ ان پر ایمان و اعتقاد رکھیں گے"۔

اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کر دی ہے کہ طریق انبیاء اور راہ مرسلین پر چلنے والے کفار و مشرکین کے طور و طریق سے مختلف دوسرے طور و طریق کے پیرو ہوا کرتے ہیں ظاہر ہے کہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان پر ایمان رکھنے والے اور ان کے متبعین کے طریق و لائحہ عمل میں "اسلامی دعوت" بھی شامل ہے بلکہ اسلامی دعوت دین اسلام کے بنیادی اصول میں سے ہے اس کے بغیر اسلام کا اپنی جگہ پر برقرار و قائم رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسلامی دعوت کو اپنا شیوہ و شعار بنایا تھا۔ اور تمام انبیاء کرام کے طریق کی اقتدا کو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے۔

ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی متابعت میں آپ کی امت کو عمومی طور پر انبیاء علیہم السلام کے اتباع کا منجانب اللہ حکم دئے جانے کے ساتھ خصوصی طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین و مذہب کے اتباع کا فرمان بھی صادر ہوا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ :

"ثم اوحينا اليك ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين" (سورۃ النحل : ۱۲۳)

اے ہمارے نبی محمدؐ! ہم نے آپؐ کی طرف یہ وحی کر رکھی ہے کہ آپ یکسو ہو کر ملت ابراہیم کا اتباع کیجیے، حضرت ابراہیم مشرکین میں سے نہیں تھے۔"

اس آیت میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کی متابعت میں آپ کی امت کو ملت ابراہیم کا حکم دیا گیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اتباع ملت میں دعوت و تبلیغ و ارشاد بھی شامل ہے۔ ایک اور آیت میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

" قد كانت لكم اسوة حسنة فى ابراهيم والذين معه اذ قالوا لقومهم انا برآؤا منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء ابدا حتى تؤمنوا بالله وحده الا قول ابراهيم لابيه لاستغفرن لك وما املك لك من الله من شئ ربنا عليك توكلنا واليك انبنا ربنا لا تجعلنا فتنة للذين كفروا واغفرلنا ربنا انك انت العزيز الحكيم، لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة. (پ۲۸ سورۃ الممتحنۃ: ۴ و ۶)

یعنی اے لوگو! تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی سیرت میں بہترین نمونۂ عمل ہے جب کہ ان لوگوں نے (ابراہیم اور ان کے ساتھیوں نے) اپنی مشرک و کافر قوم سے کہا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے بھی جنہیں تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو ہم تمہارے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت و کینہ پروری ظاہر رہے گی الا یہ کہ تم واحد و لاشریک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ ابراہیم کی صرف یہ بات اسوہ بنانے کے لائق نہیں کہ انہوں نے بت پرست مشرک باپ سے کہا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اور میں اللہ تعالیٰ کے بالمقابل کوئی قدرت و ملک نہیں رکھتا۔ اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر توکل کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا تو ہمیں کافروں کے لئے آزمانے کی چیز نہ بنا اور ہمیں بخش دے بے شک تو عزیز حکیم ہے یقیناً تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی سیرت میں بہترین نمونۂ عمل ہے۔"

مذکورہ بالا تین آیات میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بشمول خاتم النبیینؐ تمام اہل ایمان کے لئے حضرت ابراہیم اور ان پر ایمان لانے والوں کی سیرت کو نمونۂ زندگی اور لائحۂ عمل بتلایا ہے اس سے آپؐ کے پہلے مبعوث ہونے والے نبی اور اہل ایمان کے طریق کار کی پیروی کی اہمیت صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے اور ان آیات سے حضرت ابراہیم اور ان پر ایمان لانے والوں کے طریق دعوت و طرز عمل کا بھی علم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو غیر مومنین کے طور و طریق اور معبودان باطل اور طریق عبادت سے احتراز ہونا چاہئے اور ان کے دینی امور و مذہبی شعار کو بدل و جان ناپسند کرنا چاہئے اور اللہ کے علاوہ کسی کو نہ

قدرت والا سمجھنا چاہیئے نہ قابل پرستش صرف اسی پر مومنوں کو توکل ہونا چاہیئے اور مشرکین کے لئے استغفار کا روادار نہ ہونا چاہیئے اور انھیں امور کی دعوت و تبلیغ بھی کرتے رہنا چاہیئے ۔

اتباع ملت ابراہیمی کا حکم دیتے ہوئے قرآن مجید نے ایک اور جگہ کہا کہ :

"قل صدق اللہ فاتبعوا ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین۔ (پ۴ سورہ آل عمران: ۹۵)

مذکورہ بالا آیات اور انکی ہم معنی دوسری آیات سے صاف ظاہر ہے کہ تمام بنیادی اور اصول دینی و شرعی امور میں انبیائے سابقین اور ان کے متبعین کا اتباع ہونا چاہیئے ۔

ظلماً وجوراً بے خطا و گناہ محض دھاندلی کی بنیاد پر جیل خانہ میں پڑے ہوئے اہل ایمان خصوصاً اہل علم کو دعوت اسلامی کے لئے اسوۂ یوسفی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے ۔

یہ معلوم ہے کہ توحید اسلام کا بنیادی شعار ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی نقطۂ دعوت توحید ہی ہے ——— توحید کی ضد شرک و کفر ہے اور توحید کی اشاعت اور شرک کی بیخ کنی داعیان اسلام کی دعوت و تبلیغ کا اصل نصب العین اور مطمح نظر رہا ہے ۔ قرآن مجید نے جو یہ فرمایا ہے کہ :۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (پ۲۷ سورۃ الذاریات: ۵۶) میں نے انسانوں اور جنات کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا "

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کو تمام امور میں ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ واحد کی عبادت کی جائے اور اسی آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے طریق عبادت بتلانے اور سکھلانے کے لئے تخلیق انسانی کے وقت ہی سے بعثت نبی و رسول کا سلسلہ جاری ہوا کیونکہ عبادت ایک توقیفی چیز ہے اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر ہم کو عبادت اور طریق عبادت کی معرفت نہیں حاصل ہو سکتی جس سے لازم آتا ہے کہ عبادت اور طریق عبادت کے سلسلے میں دعوت و تبلیغ اور تعلیم و توقیف تخلیق انسانی کے وقت سے جاری ہے اس لئے کہ سب سے پہلے پیدا کیا جانے والا انسان بھی مذکورہ بالا فرمان الٰہی کا مکلف رہا ہے اور بشمول عبادت جملہ تکلیفات شرعیہ کی تعلیم بذریعہ نبی و رسول ہی ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام منصب نبوت سے سرفراز تھے تاکہ انھیں بذریعہ وحی الٰہی عبادت اور طریق عبادت نیز اس شریعت کی تعلیم دی جائے جس کی پابندی کے موصوف مکلف تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی منجانب اللہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شریعت کی پیروی کی دعوت دی گئی تھی یعنی کہ دعوت کا سلسلہ

انوں کے مورث اعلیٰ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے جاری ہے یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰ
سلام ایک نبی و رسول کی حیثیت سے اپنی اہلیہ اور ان سے پیدا ہونے والی اپنی اولاد کو اسلامی دعوت دینے کے
لف تھے۔

مندرجہ ذیل آیت سے بشمول آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریق دعوت
ریق عمل پر روشنی پڑتی ہے :۔

" ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلّمون الکتاب و بما کنتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکۃ والنبیین اربابا ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون۔ (پ۳ سورۃ آل عمران : ۷۹، ۸۰)

یعنی جس انسان کو اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت و نبوت سے بہرہ ور کرے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے علاوہ میرے عباد یعنی عبادت گذار بن جاؤ بلکہ وہ لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ تم اس کے مطابق "ربانی" بن جاؤ جو تم کتاب کی تعلیم و تدریس کرتے ہو اور وہ تمہیں اس کا حکم نہیں دیگا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب قرار دے لو کیا وہ اس کے بعد بھی تمہیں کفر کرنے کا حکم دے گا کہ تم مسلمان ہو"

سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی دعوت میں یہ بات شامل تھی کہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں اسکے علاوہ کسی اور کی حتی
ت و رسالت کے منصب پر فائز نبی و رسول کی عبادت بھی اللہ کے علاوہ نہ کریں اور یہ کہ لوگ ربانی بن کر رہیں
ربانی کے اوصاف میں کتاب و حکمت کی تعلیم و تدریس بنیادی چیز ہے ظاہر ہے کہ تعلیم و تدریس کے بغیر عبادت و
عبادت اور دیگر شرعی تکالیف کی معرفت ممکن نہیں ہے اس سے اسلامی دعوت کے لئے دینی تعلیم کی اہمیت
ہوتی ہے کیونکہ دینی تعلیم کے بغیر انسان نہ تو خود تکالیف شرعیہ کا پابند رہ سکتا ہے نہ دوسروں کو انکی پابندی کا
بوت دے سکتا ہے نیز ان دونوں آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اسلامی دعوت میں اس بات کا لحاظ رکھنا از
حد ضروری ہے کہ جملہ امور میں لوگ توحید کو پیش نظر رکھیں اور کسی بھی معاملہ میں منافی توحید یعنی شرک و کفر کی ذرہ
بھی آمیزش نہ ہونے دیں اور اس کی تاکید کرتے رہیں کہ نبی و رسول اور فرشتوں جیسے عالی مرتبت مخلوق کو
جب عبادت الٰہی میں شریک نہیں کیا جاسکتا جن سے بڑھ کر اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کو مقام و مرتبہ نہیں حاصل

تو رسول و نبی و فرشتوں کے علاوہ کسی اور کو بدرجہ اولی کسی بھی عبادت میں شریک نہیں کیا جاسکتا۔

معلوم ہوا کہ اسلامی دعوت میں تمام انبیائے کرام اور ان کے طریق پر چلنے والے جملہ اسلاف کا مرکزی نقطۂ نظر توحید پرستی کی دعوت اور اسکی ضد شرک کفر سے دور رہنے کی دعوت رہا ہے اس لئے اسلامی دعوت سے شغف و لگاؤ رکھنے والوں پر اس بنیادی بات کا ہر حال میں لحاظ رکھنا لازم ہے۔ توحید اور دوسرے تمام امور کی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ہمیں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص طور سے ہمارے اپنے رسول و نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کا اچھی طرح مطالعہ کرکے اپنا طریق عمل مقرر کرنا چاہئے۔

انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے متبعین کے طریق دعوت و تبلیغ کی زیادہ تفصیل تو ہمیں معلوم نہیں ہو سکی مگر جتنی باتوں کا ذکر نصوص کتاب و سنت میں ہے وہ ہمارے لئے چراغ راہ بننے کے لئے کافی ہیں پھر ہمارے رسول خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اتباع انبیائے سابقین کے منجانب اللہ مکلف بنائے گئے تھے انکی سیرت پوری تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے آپ پر اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتاب اور آپ کی بیان کردہ احادیث اور آپ کے احوال نیز آپ کے صحابہ کے حالات ہمارے سامنے ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں پورے عزم و حوصلہ اور محنت و جدوجہد کے ساتھ دعوت اسلامی کا کام کرنا چاہئے۔ سب سے پہلے تبلیغ و دعوت دین کے لئے تعلیم و تربیت کا اچھے اور اعلیٰ معیار پر ہونا ضروری ہے ہم کو سب سے پہلے مبعوث ہونیوالے نبی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ تعلیم سے آراستہ ہو کر موصوف کو فوقیت و فضیلت و برتری حاصل ہوئی کہ مسجود ملائک بنے اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے بغیر اسلامی دعوت کا کام نہیں ہو سکے گا یہی وجہ ہے کہ خاتم النبین و سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا تو آپ پر نزول وحی کا سلسلہ تعلیم کے ذریعہ شروع ہوا اور وحی الٰہی کا پہلا لفظ جو پہلا حکم الٰہی ہے "اقراء" نازل ہوا یعنی آپ کو پڑھنے کے لئے کہا گیا ظاہر ہے کہ آپ کی بعثت کا بہتر مقصد دعوت و تبلیغ تھا لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے آپ کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا گیا۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت آدم سے لے کر بعثت نوح کے پہلے تک کے سبھی لوگ توحید پر قائم تھے۔ بعض لوگوں میں کچھ ایسے غلط کام تو پائے جاتے تھے جو منافی توحید نہ ہوں مگر دوسرے قسم کے معاصی کا صدور ہو جایا کرتا تھا اور انکی اصلاح و سدھار کی طرف انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام توجہ دیا کرتے تھے مگر طویل زمانہ تک نسل انسانی کفر و شرک سے محفوظ رہنے کے باوجود آخر شیطان کے بہکا دینے میں آکر توحید سے منحرف ہونے لگی اور شرک و کفر

میں گرفتار ہونے لگی یہ کام ظاہر ہے کہ شرک وکفر اور منافی اسلام چیزوں کی دعوت و تبلیغ سے ظہور پذیر ہوا اس سے دعوت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ دعوت خواہ باطل پرستی کی ہو بہر حال اثر انداز اور نتیجہ خیز ہوا کرتی ہے حتی کہ شیطانی دعوت کے شکار ہو جانے والے لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت اور ان کے دین کے عیوب میں یہ بات کہنے لگے کہ یہ ایک نئی دعوت ہے جس سے ہمارے آباو اجداد آشنا و واقف نہیں تھے یعنی جو لوگ تخلیق آدم کے ہزاروں سال بعد ایک خود ساختہ واختراعی مذہب کے پیروکار ہے انھیں کے متبعین دعوت اسلام اور مذہب اسلام کو نئی بات قرار دینے لگے ہمیں سوچنا چاہئے کہ جب باطل پرست لوگ اپنے عقائد باطلہ کے تحفظ کے لئے آباو اجداد اور قدیم طور وطریق کی دہائی دیتے رہے ہیں اور آج بھی کررہے ہیں تو ہم کیوں نہ تخلیق آدم ہی کے زمانہ سے مروج دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں اس بنیادی بات کو پیش نظر رکھیں اور لوگوں کے سامنے اس حقیقت کو واضح کریں قدیم اور آبائی دین و مذہب اسلام ہے اور یہ محض مغالطہ وغلط فہمی ہے کہ اسلام سے مختلف دوسرا کوئی مذہب قدیم انسانی مذہب ہے بلکہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذہب کا جدید اور اختراعی ونوایجاد مذہب ہونا ہمیں مدلل طریقہ سے اس انداز میں واضح کرنا چاہئے کہ لوگ ہماری ان باتوں کو توجہ سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(مولانا) محمد رئیس ندوی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

دعوت میں منہج سلف کی اہمیت

الحمد للہ رب العلمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعہم باحسان الیٰ یوم الدین۔ امابعد !

دعوت و تبلیغ شریعت اسلامیہ کا لازمی عنصر، دین متین کا اہم ترین مطالبہ، جملہ انبیاء، ورسل بالخصوص سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص وظیفہ، امت محمدیہ کے برپا کرنے کا مقصد اساسی اور انسانیت کو اس کے اصلی مقصد سے روشناس کرانے کا بنیادی ذریعہ ہے، اس کی طرف انسانیت کی ضرورت و احتیاج دیگر تمام ضروریات سے بڑھ کر ہے، اسی بنیاد پر رب کائنات نے اپنی مقدس کتاب میں مختلف مقامات پر مختلف اسلوب وبیان میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور اولین مقاصد حیات میں شامل کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے، چنانچہ کہیں پر امت محمدیہ کے خیر امت ہونے کی شرط اساسی اسی کو قرار دیتے ہوئے امت کے ہر ہر فرد پر بقدر استطاعت دعوت و تبلیغ کو واجب قرار دیا ہے، جیساکہ ارشاد ہے: "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ"[1] (اے مسلمانو!) تم نیک جماعت ہو جو لوگوں (کی بھلائی) کے لئے پیدا کئے گئے ہو، نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔ اور کہیں دعوت سے متعلق اس عمومی حکم سے دو قدم آگے بڑھ کر اس فن کے متخصصین کو مخاطب کیا، اور تبلیغ کے احکام و معانی اور اس کی تفصیلات پر عبور، نیز ان کی وسعت علمی اور کلیات سے نکل کر جزئیات تک ان کی رسائی کی بنیاد پر ان سے اس معاملہ میں امتیازی کردار کا مطالبہ کیا، یعنی اس میدان کے آخری حصے میں قدم رکھ کر دعوت کے ان تمام مناہج و طرق اور اصول و ضوابط کو برتنے کا حکم دیا جنہیں قرآن نے بیان فرمایا اور جن پر انبیاء و رسل بالخصوص سیدنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری حیات طیبہ میں کاربند رہے نیز جنہیں اپنا کر سلف صالحین نے دعوت علی منہاج النبوۃ کی عمدہ مثال پیش کی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

---

[1] آل عمران : ۱۱۰ ۔

"ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واُولٰئك هم المفلحون"[1] تم میں سے ایک جماعت (علماء کی ہمیشہ) موجود رہے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کام کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ باعزاز واکرام نجات پاویں گے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر[2] میں یوں رقمطراز ہیں:

"والمقصود من هذه الآية أن تكون فرقة من هذه الامة متصدية لهذا الشان وان كان ذلك واجبا على كل فرد من الامة بحسبه، كما ثبت فى صحيح مسلم عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من راى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه، فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان"[3] (آیت کا مقصود یہ ہے کہ امت کی ایک جماعت اس فریضہ کو اپنا خاص مشغلہ بنالے، اگرچہ یہ حسب استطاعت امت کے ہر ہر فرد پر واجب ہے، جیساکہ صحیح مسلم کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے: "تم میں سے جو کوئی برا کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹادے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی قباحت بیان کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم دل میں اس کو برا جانے۔ لیکن یہ کمزور درجے کا ایمان ہے۔"

تفسیر کبیر میں آیت کی تفسیر حسب ذیل انداز میں ہے:

"اللہ تعالیٰ کے قول "منکم" کے سلسلہ میں علماء کے دو[2] اقوال ہیں:

(اس مقام پر "من" حسب ذیل دو مبررات کی بناء پر تبعیض کے لئے نہیں ہے)

پہلا یہ کہ: اللہ رب العالمین نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو پوری امت پر واجب قرار دیا ہے، جیساکہ ارشاد ہے: "كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر الخ۔"

دوسرا یہ کہ: ہر مکلف پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خواہ بالید ہو یا باللسان یا بالقلب واجب ہے، اسی طرح ہر شخص پر اپنی ذات سے ضرر کا دفعیہ بھی واجب ہے، اتنی بات ثابت ہو جانے کے بعد آیت کا مفہوم حسب ذیل

---

[1] آل عمران ۴: ۱۰۴ ۔ [2] ۱/۳۹۰

[3] صحیح مسلم بشرح النووی ۲/۲۲ تا ۲۵، جامع الترمذی مع التحفۃ ۳/۲۰۹ ۔

طریقے پر ہوا :

" کونوا امة دعاة الی الخیر آمرین بالمعروف وناھین عن المنکر " تم داعی الی الخیر معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے والی امت ہوجاؤ ۔

بلکہ " من " یہاں پر تبیین کے لئے ہے ، جیسا کہ قول الٰہی : " فاجتنبوا الرجس من الأوثان [۵] " میں ہے پھر علامہ موصوف نے دوسرا قول ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ : " من " یہاں پر تبعیض کے لئے ہے اس لئے کہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی طاقت ہی نہیں رکھتے " اس موقف کے حاملین کی ترجمانی کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ : " یہ ذمہ داری علماء کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ خیر کی طرف دعوت خیر اور معروف ومنکر کے علم کے ساتھ مشروط ہے ، لہٰذا یہ ذمہ داری مکمل طور پر علماء کے سر ہوگی نہ کہ جہال کے ، اور علماء امت کا ایک حصہ ہیں نہ کہ امت ۔ " [۶]

اسی مفہوم کی تفسیر تفسیر قرطبی [۷] اور تفسیر جصاص [۸] میں بھی آئی ہوئی ہے ۔

اسی دوسرے قول پر آیت کو محمول کرتے ہوئے بعض لوگ اپنے آپ کو فریضہ دعوت وتبلیغ سے بری الذمہ سمجھتے ہیں ، اس لئے کہ آیت کی روشنی میں دعوت فرض کفایہ ہے جو صرف علماء پر واجب ہے تمام لوگوں پر نہیں ۔

اس شبہ کے لئے اصلی داعی اور اس کے لئے حقیقی محرک دراصل کلمہ " علماء " اور " فرض کفایہ " کی حقیقت سے دوری اور اس کے اصلی مفہوم سے جہالت یا تجاہل ہے ، اس لئے ان دونوں امروں کی وضاحت ازحد ضروری ہے ۔

بلاشبہ دعوت الی الخیر بالخصوص اس کی اعلیٰ ترین صورت دعوت الی اللہ کے لئے علم شرط اساسی ہے ، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ علم کوئی ناقابل تقسیم شئی نہیں ، وہ تو طبعی طور پر اجزاء کو قبول کرتا ہے کسی شئی کی واقفیت رکھنے والا شخص اس شئی کے اعتبار سے عالم اور دوسری شئی جس کا اسے علم نہیں ہے کے اعتبار سے جاہل ہوتا ہے ، لہٰذا اول الذکر کے اعتبار سے اس کا شمار زمرۂ علماء میں ہوا ، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ جس امر کا اسے علم ہے اس کی طرف دعوت دینے کے وجوبی شرائط اس کے اندر متوفر ہوئے ۔ معلوم ہوا کہ بقدر علم اللہ کی طرف دعوت ہر مسلمان دے گا ، یہی مفہوم فقہاء کے قول : " ان الدعوة تجب علی العلماء لا علی

---

[۵] الحج : ۳۰ [۶] تفسیر رازی (۷/۱۷۷-۱۷۸) [۷] ۴/۱۶۵ [۸] ۲/۲۹

غیرھم " کا ہے، یعنی جو آدمی شریعت کے جس حصے کا علم رکھتا ہو اس کی طرف دعوت دینا اس پر واجب ہے، خواہ اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو یا علم میں وافر حصہ رکھنے والوں سے۔

دوسرا امر جس کی وجہ سے مسئلہ کی نوعیت میں اشتباہ ہوا وہ " فرض کفایہ " کے مفہوم سے متعلق ہے، فرضِ کفایہ کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے کہ وہ چیز صرف بعض امت پر واجب ہے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب بعض لوگ اس نوعیت کی فرض شئی کو انجام دے لیں تو دوسرے افراد سے اس کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے اگرچہ وہ تمام پر واجب ہے۔ علامہ رازی فرماتے ہیں:

" ثم قالوا: وان کلمة " من " للتبیین ولیست للتبعیض۔ ان ذلك وان کان واجبا علی الکل الا انه متی قام قوم سقط التکلیف عن الباقین، ونظیرہ قوله تعالیٰ: "انفروا خفافا وثقالا "(۱) وقوله: "الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما "(۲) فالامر عام ثم اذا قامت به طائفة وقعت الکفایة وزال التکلیف علی الباقین "(۳)

بلا تقیید قائلین وجوب نے مزید فرمایا کہ: کلمۂ " من " تبیین کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے۔ یہ چیز اگرچہ تمام لوگوں پر واجب ہے، لیکن جب کچھ لوگ اس شئی کو انجام دے لیں تو بقیہ لوگوں سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے، اس کی نظیر قرآن مقدس میں فرمان ربانی: " انفروا خفافا وثقالا " اور " الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما " کی شکل میں موجود ہے، چنانچہ یہاں پر جہاد کی طرف کوچ کرنے کا عمومی حکم موجود ہے لیکن اس کے باوجود ایک جماعت کی طرف سے اس فریضے کی ادائیگی کے بعد بقیہ لوگوں سے اس کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ دعوت وتبلیغ ہر مسلمان پر بقدر استطاعت واجب ہے، اس لئے کہ یہ دعوت مؤمنین کے اوصاف میں سے ہے جیسا کہ آل عمران کی آیت ۱۱۰ سے واضح ہے، نیز ہر مسلم ومسلمہ پر حسب استطاعت منکر کا ازالہ واجب ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث سے واضح ہے، ہاں اگر بعض افراد کے ذریعہ مقصود حاصل ہو جائے تو دوسرے لوگوں سے اس کا اعادہ مطلوب نہیں ہوگا، اور نہ ہی اس کے عدم ازالہ پر وہ قابلِ گرفت ہوں گے، تاہم ایک مومن کی شان یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلا انتظار غیرے سبقت

(۱) التوبہ: ۴۱ (۲) التوبہ: ۳۹ (۳) تفسیر رازی (۱۷۷/۷)

کرے، کیونکہ اگر کسی نے اس فریضے کی ادائیگی کی سعادت حاصل نہ کی تو یہ گناہ کے دلدل میں جا پھنسے گا۔

لیکن واضح رہے کہ دعوت وتبلیغ کا وجوب داعی کی حالت وقدرت کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ قدرت واستطاعت ہی دعوت کے وجوب اور مقدار وجوب کا معیار ہے۔ چنانچہ جس نوعیت کی دعوت اہل علم پر واجب ہے اس کا مکلف جاہلوں کو قطعا نہیں کیا جاسکتا، اسی بنیاد پر اللہ رب العالمین نے اہل علم پر خاص طور سے وعید فرمائی ہے اور کتمان علم سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتب اولٰئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون، الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولٰئک اتوب علیھم وانا التواب الرحیم" (۱)

اس آیت کے اندر اللہ رب العالمین نے اہل علم کو اسلام کے معانی ومفاہیم کے نشر واشاعت کا حکم دیا ہے، یہ بات تو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ جسے شریعت کے کسی حصے کا علم ہو وہ اس شئی کے اعتبار سے عالم ہوا، اور اس کی تبلیغ اس پر واجب ہے، ظاہر ہے کہ کلمہ توحید کا علم ہر مسلمان کو حاصل ہے، قیامت کے روز حساب و کتاب کا، قرآن کے کلام اللہ ہونے کا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا ہر مسلمان کو علم ہے، نیز نماز روزہ حج، زکوٰۃ، کے ارکان اسلام ہونے کا ہر شخص کو علم ہے، لہذا اس پر ان کی تبلیغ واجب ہے، یعنی ہر مسلمان پر بقدر علم تبلیغ واجب ہے۔

قدرت کی دوسری قسم زمین پر غلبہ وتسلط سے متعلق ہے، قرآن مقدس میں اللہ رب العزت نے اس قسم کی طرف نہایت صریح انداز میں اشارہ کرتے ہوئے غلبہ وتسلط رکھنے والے افراد کو دعوت وتبلیغ کے میدان میں اپنے اس عظیم ترین عطیہ کو بروئے کار لانے کا اور پوری سرزمین کو عبادات الہی اور اعمال خیر سے بھر دینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلٰوۃ وآتوا الزکٰوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور" (۲) یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو (ملک پر) حکومت دیں گے تو نماز

---

(۱) البقرۃ: ۱۵۹-۱۶۰

(۲) الحج: ۴۱

قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور برے کاموں سے روکیں گے (اور اس بات پر ایمان رکھیں گے) کہ سب چیزوں کا انجام خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ امراء وحکام کا دعوت وتبلیغ سے اشتغال کافی مؤثر ثابت ہوگا، اس کے دور رس اثرات مرتب ہوں گے، اس لئے کہ اللہ رب العالمین نے انھیں حکومت وسلطنت سے نوازا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی بہ نسبت نفاذ شریعت پر زیادہ قادر ہیں، لہذا اس قسم کے حضرات کا بنیادی فریضہ ہے کہ اس کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہیں، البتہ علم کی طرح قدرت وطاقت میں بھی فرق مراتب ملحوظ ہے، اگر امراء وحکام کو اپنی پوری رعایا پر غلبہ وتمکین حاصل ہے تو دوسرے افراد کو بھی عموماً کچھ اشخاص کی سرپرستی حاصل ہوا کرتی ہے، اس لئے ہر مسلمان پر بقدر قدرت دعوت وتبلیغ واجب ہے۔

ساتھ ہی ساتھ واضح رہے کہ داعی کا یہ عمل مخصوص احوال وظروف اور مخصوص اوقات کے ساتھ مختص نہیں ہوگا، بلکہ تمام احوال وظروف میں جب جب دعوتی سہولیات میسر ہوجائیں وہ اس کو انجام دے گا، چنانچہ نوح علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ رب العالمین نے فرمایا: "رب انی دعوت قومی لیلا ونہارا ...... ثم انی اعلنت لہم واسررت لہم اسرارا" (۱) میرے خدایا! میں اپنی قوم کو رات دن دین کی طرف بلایا ...... پھر میں نے ان کو کھلا اور مخفی بلایا (یعنی جلوت وخلوت میں توحید کی دعوت دی)، یہی حالت سیدنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تھی، آپ لوگوں کو شب و روز اعلانیہ اور خفیہ طور پر دعوت دیا کرتے تھے، دعوت الی اللہ سے کوئی بھی چیز آپ کو مشغول نہ کرسکی (۲)

حقیقت تو یہ ہے کہ داعی اگر واقعۃً اپنے اس عمل میں مخلص ہے تو اس کی فکر وعمل پر اسی کی چھاپ ہوگی اور وہ اس معاملہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گا، حتی کہ ناموافق حالات میں بھی اس کا اہم ترین وظیفہ یہی ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت تھی، چنانچہ ہجرت کے موقع پر جب کہ آپ اور آپ کے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کی نظروں سے بچتے ہوئے راستہ طے کررہے ہیں۔

---

(۱) نوح: ۵-۵ (۲) امتاع الاسماع للمقریزی ص: ۱۸

اور مشرکین مکہ آپ کے تعاقب میں ہیں، اس حالت میں بھی جب بریدہ بن حصیب اسلمی اپنی قوم کے چند سواروں کے ساتھ مکہ کے راستے میں ملتے ہیں تو آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور سب کے سب اسلام لے آئے۔(۱)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام جب بحالت مظلومیت قید خانے میں داخل ہوتے ہیں تو قید و بند کی زندگی بھی ان کے فریضۂ دعوت کی راہ میں حائل نہ ہو سکی، چنانچہ خواب سے متعلق دو قیدیوں کے سوال پر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے سوال کے جواب سے پہلے انھیں توحید کی دعوت دی، جس کا نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے: " یا صاحبی السجن أأرباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار، ما تعبدون من دون اللہ الا اسماء سمیتموھا أنتم وآباؤکم ما انزل اللہ بہا من سلطٰن، ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ، ذلک الدین القیم ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون "(۲) یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے قید خانے کے دونوں دوستو! بتلاؤ تو جدا جدا کئی ایک معبود اچھے ہیں یا اکیلا اللہ جو سب پر زبردست ہے (اگر غور کرو) تو تم لوگ اللہ کے سوا نرے مصنوعی ناموں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے تجویز کر رکھا ہے، اللہ نے اس پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی (اور ایسے مسائل میں جو ذات وصفات سے متعلق ہوں) اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں (چل سکتا) اس نے تو یہی حکم دیا ہے کہ اسی کی عبادت کیا کرو، یہی مضبوط مذہب ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

مُقدّس رسُول کی مقدّس دعوت

شریعت اسلامیہ تمام شعبہائے حیات سے بحث کرتی ہے، حیات انسانی کا کوئی ایسا موڑ نہیں جس پر شریعت کی روشنی نہ پڑتی ہو، قرآن کے متعلق خود رب کائنات کا بیان ہے: " ونزلنا علیک الکتاب

---

(۱) مصدر سابق ص: ۴۲

(۲) یوسف: ۳۹ ـ ۴۰ ماخوذ از اصول الدعوۃ، للدکتور عبدالکریم زیدان (۳۱۰ تا ۳۲۰)

تبیانا لکل شیئ "(۱) تعلیمات نبویہ کی جامعیت وشمولیت کا یہ عالم ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں کو بھی علمکم بینکم کل شیئ کا اعتراف تھا، ان دونوں مصادر پر نظر ڈالنے کے بعد یہی حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھنے والے انسان کو ان دونوں مصادر نے تشنہ کام نہیں چھوڑا ہے، ان دونوں مصادر میں دعوت وتبلیغ سے متعلق بھی وافر مقدار میں مواد موجود ہے، اس اہم ترین فریضے کو واجب کرنے کے ساتھ اس کے لئے طریقہ کار کی بھی مفصل وضاحت کردی گئی ہے، آیئے اس چشمۂ صافی سے چند قطرات لے کر دعاۃ کے لئے توشہ تیار کریں، اور بدعات وخرافات کے غلبہ وتسلط اختلاف وانار کی کے ظہور وشیوع اور دنیاوی معاملات کی طرح دینی امور میں بھی مطلب پرستی ومفاد برآری کے اس پر آشوب دور میں دعاۃ ومبلغین کے لئے کتاب وسنت سے مستفاد صحیح دعوتی منہج پیش کریں، نیز دور حاضر کی ان تحریکات وتنظیمات کی نقاب کشائی کریں جو اسلامی دعوت کا لبادہ اوڑھ کر کسی سیاسی مقصد کے استحصال میں لگی ہوئی ہیں یا شخص معین کے افکار وخیالات کا التزام اپنا دین وایمان سمجھتی ہیں۔

داعی کی شخصیت کتاب وسنت کے آئینے میں

کتاب وسنت کی ضیا بارشعائیں جس طرح دعوتی اسلوب اور اس کے طریقہ کار پر بدرجہ اتم روشنی ڈالتی ہیں، اسی طرح وہ داعی کی شخصیت وکردار کے لئے بھی ظلمت شب میں نشان راہ کا کام کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ دعوت کو دعوت علی منہاج النبوۃ بنانے اور اسے سلف صالحین کے ڈگر پر ڈالنے کے لئے مذکورہ دونوں ہی چیزوں میں منہج صحیح کا التزام لازم وضروری ہے، اس لئے داعی کو اولا اپنی شخصیت کتاب وسنت کے آئینے میں ڈھالنی ہوگی، پھر سلفی اسلوب میں دعوت کے کاز کو آگے بڑھانا ہوگا، اور اپنی شخصیت کو صحیح ڈگر پر ڈالنے کے لئے اور اس کو دعوت کا اہل بنانے کے لئے ہر داعی کو داعی اول امام الانبیاء والمرسلین کی شخصیت مقدسہ کو نمونہ بنانا ہوگا، خالق کائنات کے اس سچے داعی کی شخصیت قرآنی بیان، خود اپنی بلند تعلیمات اور شریعت اسلامیہ کے اولین مخاطبین کے بیان کی روشنی میں اتھاہ سمندر کے مانند ہے جس کی تہ تک پہونچنا ممکن نہیں، اس لئے اس کے صرف چند چھینٹے ذیل کے سطور میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

---

(۱) النحل : ۸۹

داعی اور علم

دعوت کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے داعی کا زیورِ علم سے آراستہ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ جو بات بھی کہے علی وجہ البصیرۃ کہے، اور علمی میدان میں اترتے وقت عروہ وثقی اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہو۔ اس اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: " فاعلم انه لا اله الا انا واستغفر لذنبك "(۱) اس آیت میں اللہ رب العلمین نے ہر عمل پر حتی کہ کلمۂ توحید پر بھی علم کو مقدم کیا ہے، نیز سیرت طیبہ پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی اس میں نہ توحید کا بیان ہے نہ رسالت کا، نہ ارکان اسلام کا ذکر ہے نہ حقوق العباد وحقوق اللہ کا، بلکہ اس میں صرف علم کا بیان ہے(۲) معلوم ہوا کہ علم تمام چیزوں پر مقدم ہے، اور کیوں نہ مقدم ہو جب کہ وہ تخبط واختلاط میں پڑنے سے داعی کا محافظ اور اللہ ورسول کے خلاف بلا علم کوئی بات کہنے سے روکنے والا ہے۔ سلف کا موقف ہے کہ علم وہدایت کی اصل اصیل خاتم الانبیاء والمرسلین پر منجانب اللہ نازل کردہ وحی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: " انا اوحینا الیك کما اوحینا إلی نوح والنبیین من بعده "(۳) بے شک ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے ہم نے وحی بھیجی نوح اور اس کے بعد دوسرے پیغمبروں کی طرف۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: " ما من الأنبياء الا اعطي من ما مثله آمن علیه البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحاه الله الی فارجوان اکون اکثرهم تابعا یوم القیامة "(۴) ہر نبی کو کچھ ایسے معجزات دیئے گئے جو ان پر ایمان کا باعث ہے، مجھے منجانب اللہ نازل کردہ وحی کی شکل میں معجزہ دیا گیا ہے، تو مجھے امید ہے کہ بروز قیامت میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔

---

(۱) محمد: ۱۹۔ (۲) مختصر السیرۃ، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب النجدی ص: ۲۲۔ سیرۃ النبی تالیف علامہ شبلی نعمانی وعلامہ سید سلیمان ندوی ص: ۱/۱۳۲، رحمۃ للعالمین ۱/۴۸-۴۹۔ الرحیق المختوم ص: ۱۰۴۔
(۳) النساء: ۱۶۳۔ (۴) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن: باب کیف نزل الوحی الفتح ۳/۹، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم الفتح ۱۳/۲۴۷، مسند احمد ۲/۳۴۱، ۴۵۱۔

اور وحی قرآن کریم اور سنت نبویہ دونوں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی"[1] اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے نہیں بولتے (بلکہ) وہ خدا کی طرف سے وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی گئی ہے، لہذا داعی کے لئے ان چیزوں کی معرفت حاصل کرنی ضروری ہے جن پر کتاب وسنت یا دوسری ادلہ شرعیہ میں سے کوئی دلیل قائم ہو۔

ایمان کامل

ایمان کامل سے میری مراد یہ کہ مسلم داعی کا اسلام کے متعلق صمیم قلب سے یہ اذعان واعتقاد ہو کہ صرف یہی مذہب حق ہے، اور اس کے علاوہ جتنے بھی مذاہب عالم ہیں سب قطعی طور پر باطل وگمراہی ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "قل ان هدی الله هو الهدی"[2] اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ ہدایت تو اصل وہی ہے جو اللہ کے یہاں سے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا: "فماذا بعد الحق الا الضلال"[3] پس حق (کو چھوڑنے) کے بعد (گمراہی کے سوا کیا ہو سکتا) ہے۔ اور اسلام کے حق ہونے کا یہ اعتقاد داعی کے دل میں ایسا راسخ ہو کہ کسی بھی قسم کا جدال ومناقشہ یا تشکیک اس کے اندر لالچ تک نہ کر سکے۔ اس کے اس پختہ اعتقاد کی بنیاد ایسے قطعی علم اور ایسے ٹھوس دلائل پر ہو کہ گمراہ باطل پرست عناصر کی تکذیب کے باوجود اپنی دعوت کے سلسلہ میں وہ شک تک نہ کر سکے، جیسے ایک آنکھ والا اندھوں کے بیچ اپنی آنکھ پر شبہ نہیں کرتا۔ داعی کا یہ پختہ ایمان ایسے مضبوط پہاڑ کی مانند ہو جسے تیز وتند آندھیاں اور سخت سے سخت تر طوفان جنبش تک نہیں دے سکتے، جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان کی حالت تھی، چنانچہ نہ تو مکی زندگی میں کفار کی طرف سے زندگی سے بیزار کر دینے والا عذاب ان کے ایمان کو متزلزل کر سکا اور نہ ہی ہجرت کے موقع پر مال واولاد سے محرومی، نہ تو احد کی جانگسل پسپائی سے ان کے پائے استقامت میں لغزش ہوئی اور نہ ہی خندق کے جانکاہ محاصرہ سے، اسی طرح کا ایمان کامل اور اعتقاد راسخ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے، دور حاضر میں داعی کے لئے اس کی ضرورت دوچند ہو جاتی ہے۔

---

(۱) النجم: ۳، ۴
(۲) البقرۃ: ۱۲۰
(۳) یونس: ۳۲

داعی اور اخلاقِ حسنہ

اچھے اخلاق کو اسلام بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس کے سچے پیغامبر نے مختلف پیرائے میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، چنانچہ کہیں پر اصلاح اخلاق نیز مکارمِ اخلاق کی اشاعت کو سبب رسالت قرار دیا ہے، جیساکہ ارشاد ہے: " بعثت لاتمم حسن الاخلاق "(۱) حسن اخلاق کی تکمیل کی خاطر میری بعثت ہوئی، اور کہیں مؤمنین کے تفاضل فی الایمان کو بیان کرتے ہوئے اخلاق حسنہ کو افضل ایمان کا معیار قرار دیا، جیساکہ ارشاد ہے: " اکمل المؤمنین ایمانا احسنہم خلقا "(۲) کامل درجے کے مومن وہ ہیں جو اخلاق کے مومن ہوں۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم عملی طور پر ایسے عمدہ اخلاق کے مالک تھے کہ اس وصف کی مدح سرائی اصدق القائلین نے اصدق الکتب میں کی: " وانك لعلى خلق عظيم "(۳) اور اے نبی آپ اعلی خلق پر قائم ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کی اہمیت اس پہلو سے بھی ہے کہ اس موضوع پر قرآنی آیات بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ اچھے اخلاق کے التزام کا حکم دیا گیا ہے، اس سے متصف نفوس قدسیہ کی تعریف بھی کی گئی ہے اور ثواب کا وعدہ بھی کیا گیا ہے، گھٹیا اخلاق سے منع کیا گیا ہے اور اس کے مرتکبین کی مذمت بھی کی گئی ہے اور سزا کی دھمکی بھی دی گئی ہے، بلاشبہ اس موضوع پر آیات قرآنیہ کی کثرت اس کی اہمیت کی دلیل ہے۔ مزید برآں یہ کہ ان آیات میں سے بعض کا نزول مکہ میں ہوا جہاں اصلاح عقائد پر تقریباً پوری توجہ تھی، اور بعض کا نزول مدینہ میں ہوا، تو یہ مکی مدنی دونوں ہی قسم کی صورتوں میں یکساں طور پر قرآن کا مرکز توجہ ہونے کی وجہ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہوا، اخلاق حسنہ کی اہمیت اس پہلو سے بھی ہے کہ سید الدعاۃ سے لے کر اب تک کے جملہ دعاۃ و مبلغین کی دعوت کی کامیابی کے متعدد اسباب میں یہ سبب سرفہرست ہے، اس لئے ہر داعی کو " لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة " پر عمل کرتے ہوئے میدان عمل میں اترنے سے قبل اس بنیادی ہتھیار سے لیس ہونا ہوگا، اور تمام اخلاقی اوصاف مثلاً: سچائی وامانت داری، صبر وتحمل، اسراف وتبذیر اسی

---

(۱) مسند احمد (۳۸۱/۲) موطا امام مالک: باب حسن الخلق ص: ۳۶۴ (اشرفی بک ڈپو دیوبند)

(۲) سنن ابی داود، کتاب السنۃ: باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ ۲۲۰/۴ - مسند احمد ۹۹-۸۹-۵/۲-۲۵۰-۴۷۲-۵۲۷-۴۷/۶-۹۹ - (۳) القلم: ۴ -

رح بخل وتقتیر سے اجتناب ، بدزبانی وفحش کلامی سے گریز، شرم وحیاء، عفت وعصمت، ریاء ونمود سے
وری اور اخلاص سے اتصاف میں مثالی کردار پیش کرنا ہوگا، تاکہ اس کی ذاتی کمزوریوں کی بنیاد پر
سلامی دعوت مجروح نہ ہو۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ دعوت وتبلیغ

ان ضروری مقدمات سے فراغت کے بعد یعنی اپنی شخصیت کو کتاب وسنت کے سانچے میں ڈھال لینے
ے بعد فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لئے داعی میدان عمل میں اترے گا، چونکہ یہ میدان نہایت پرخطر و پر مشقت
ہے، قدم قدم پر رکاوٹوں اور مایوس کن حالات کا سامنا کرنا ہوتا ہے، ایسے نازک مراحل سے بھی گذرنا
پڑتا ہے کہ اگر ایمان کامل واعتقاد راسخ دل میں جاگزیں نہ ہو اور داعی کے سامنے کوئی واضح لائحۂ عمل اور
صحیح طریقۂ کار نہ ہو تو وہ اس سخت کوش زندگی کی تاب نہ لاسکے، لہذا اس سلسلہ میں طریقۂ نبوی اور منہجِ
سلف کو نمونہ بنانا داعی کے لئے ازحد ضروری ہے، سید الدعاۃ والمبلغین کی داعیانہ زندگی پر نظر ڈالنے
کے بعد دعوت وتبلیغ کے چند رہنما اصول سامنے آتے ہیں، جن کا التزام دعوت کے میدان میں دوررس
ثمرات کا ضامن اور باعث سعادت ہے۔

دعوت کے آغاز وتوسیع میں طریقۂ نبوی

جب داعی میدان عمل میں اترے تو اسے چاہئے کہ
سب سے پہلے اپنے اقرباء واہل خاندان پر اپنی دعوت
پیش کرے، پھر حسب ضرورت وسہولت اسے وسیع سے وسیع تر کرتا جائے، جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ
وسلم نے منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جن سے آپ کا
سب سے گہرا ربط وتعلق تھا، یعنی سب سے پہلے اپنے گھر والوں اور دوستوں پر اسلام کو پیش کیا، پھر آپ نے
انہیں اسلام کی دعوت دی ان میں سے ایک ایسی جماعت نے جسے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
جلالت نفس اور سچائی پر شبہ نہ گذرا تھا، آپ کی دعوت قبول کرلی۔ یہ اسلامی تاریخ میں سابقین اولین کے
لقب سے مشہور ہیں، ان میں سرفہرست آپ کی بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد، آپ کے آزاد کردہ
غلام حضرت زید بن ثابت بن شرحبیل کلبی، آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی بن ابی طالب جو ابھی آپ

کے زیر کفالت بچے تھے، اور آپ کے یار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، یہ سب کے سب پہلے دن مسلمان ہو گئے تھے۔ (۱)

نیز جب قرآنی آیت: " وانذر عشیرتك الاقربین " (۲) کا نزول ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام یہ کیا کہ بنی ہاشم کو جمع کیا، ان کے ساتھ بنی مطلب بن عبد مناف کی بھی ایک جماعت تھی، کل پینتالیس آدمی تھے، لیکن ابولہب کی شرارت کے باعث آپ اس مجلس میں ان پر دعوت پیش نہ کر سکے، اس کے بعد آپ نے انھیں دوبارہ جمع کیا اور اللہ کی تعریف کے بعد انہیں توحید کی دعوت دی، اپنی رسالت ان پر واضح کی اور عذاب الہی سے انہیں ڈرایا، اسی مجلس میں ابو طالب نے تاحیات آپ کی مسلسل حفاظت واعانت کا وعدہ کیا۔ (۳)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطمینان کر لیا کہ اللہ کے دین کی تبلیغ کے دوران ابو طالب ان کی حمایت کریں گے تو ایک روز آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی " یا صباحاہ " (ہائے صبح) یہ پکار سن کر قریش کے قبائل آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے انہیں خدا کی توحید، اپنی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی، اس واقعہ کا ایک ٹکڑا امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب آیت " وأنذر عشیرتك الأقربین " نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار لگائی، یہ پکار عام بھی تھی اور خاص بھی۔ آپ نے کہا: اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ! اے بنی کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ! اے محمد کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچا! کیونکہ تم لوگوں کو اللہ کی گرفت سے بچانے کا میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا، البتہ تم لوگوں سے نسب و قرابت کے تعلقات ہیں جسے میں اس کی تری کے مطابق تر کروں گا۔ (۴)

---

(۱) رحمۃ للعالمین ۱/۵۰، الرحیق المختوم: ۱۱۶ - (۲) الرحیق المختوم ص: ۱۲۱ بحوالہ فقہ السیرۃ ص۷۷، ۷۸، از ابن الأثیر۔ (۳) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب من مات علی الکفر لاتلحقہ الشفاعۃ ۳/۷۹، ۸۰۔ نیز صحیح بخاری: کتاب الوصایا: باب یدخل النساء والولد فی الاقارب الفتح ۵/۳۸۲۔
(۴) الرحیق المختوم ص: ۱۲۲

یہ بانگ درا غایت تبلیغ تھی، رسول اللہ صلی اللہ نے اپنے قریب ترین لوگوں پر واضح کردیا تھا کہ اب رسالت کی تصدیق ہی پر تعلقات موقوف ہیں، اور جس نسلی اور قبائلی عصبیت پر عرب قائم ہیں وہ اس خدائی انداز کی حرارت میں پگھل کر ختم ہو چکی ہے (۱)

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی تبلیغ شروع کردی، میلوں اور بازاروں، گلی کوچوں میں جاجاکر لوگوں کو توحید کی خوبی بتاتے، بتوں، پتھروں اور درختوں کی پوجا سے روکتے (۲) موسم حج میں خارج مکہ سے آئے ہوئے عرب وفود سے فرداً فرداً ملاقات کرکے اسلام کی دعوت دیتے، یہ سلسلہ از آغاز نبوت تا ہجرت مدینہ جاری رہا۔

نبوت کے ابتدائی ۹ سالوں تک آپ کی دعوت کا مرکز مکہ ہی رہا، اس مدت میں آپ مکہ ہی میں رہ کر بے مثال دعوتی سرگرمیوں میں مصروف ومنہمک رہے، شوال ۱۰ھ نبوی میں جب کہ آپ اہل مکہ تک کما حقہ پیغام ربانی پہونچا چکے تھے، جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ہوئے ورنہ بقیہ لوگوں پر حجت تمام ہو چکی تھی آپ نے اپنے اس دعوتی سلسلہ میں مزید وسعت دی، مکہ سے تقریباً ساٹھ میل دور طائف کا قصد کیا، راستے میں مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے آپ طائف پہونچے، اور وہاں کے باشندوں تک اللہ کی آواز پہونچائی (۳)

سنہ ۶ھ تک آپ کی دعوت جزیرۃ العرب ہی میں اپنی نادر تاثیر کا مظاہرہ کرتی رہی، آپ انہیں عربوں کی کردار سازی میں مصروف رہے جو مستقبل میں معمار قوم بننے والے تھے، اسی سنہ میں صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے خارج عرب مختلف بادشاہوں کے نام خطوط بھیج کر انہیں اسلام کی دعوت دی، ان خطوط کے ذریعہ آپ نے اپنی دعوت روئے زمین کے بیشتر بادشاہوں تک پہونچا دی (۴)

---

(۱) الرحیق المختوم ص: ۱۲۲

(۲) رحمۃ للعالمین ۱/۵۳

(۳) الرحیق المختوم ص: ۱۹۹، وعام کتب سیرت

(۴) مصدر سابق ص: ۵۶۷، وعام کتب سیرت

اسلام میں عقائد کی وہی حیثیت ہے جو جسم انسانی

دعوت کی ابتداء عقائد سے اور تمام دعوتی مراحل میں اسکی ترکیز

میں دل کی ہے، تمام شرعی امور پر انہیں تقدم حاصل ہے اور ان میں مداہنت ناقابل معافی جرم ہے، جیساکہ ارشاد ہے: " ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء "[1] اللہ شرک ہرگز نہ بخشے گا (ہاں) اس کے سوا جس کو چاہے بخش دے گا۔ اور عقائد کی روح اور اس کا مغز توحید باری تعالیٰ ہے، اس کی تینوں قسموں[2] میں توحید الوھیت سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، اس لئے کہ یہی اصل دین ہے، اسی کے ساتھ انبیاء کی بعثت ہوئی ہے، اور انہی کے لئے کتب سماویہ کا نزول ہوا ہے، نیز یہی وہ توحید ہے جس سے آدمی داخل اسلام ہو سکتا ہے۔

یہی توحید جملہ انبیاء و رسل کی دعوت کا نقطۂ آغاز تھی، اور اسی دعوت توحید پر انہوں نے اس دار فانی سے رحلت بھی فرمائی، جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت"[3] ہم نے ہر ایک امت میں رسول بھیجے ہیں (کہ لوگوں سے کہو کہ) اللہ کی عبادت کرو اور ماسوا اللہ کی عبادت سے بچو۔ " وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون "[4] جتنے رسول ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں، ان سب کی طرف یہی پیغام ہم بھیجا کرتے تھے کہ بس میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔

---

(۱) النساء: ۴۸

(۲) توحید کی قسمیں یہ ہیں: الوھیت: یعنی ہر قسم کی عبادت اللہ کے ساتھ مخصوص کر دی جائے، کسی بھی ذات کو خواہ وہ کتنی ہی مقرب بارگاہ ایزدی کیوں نہ ہو، عبادت میں اللہ کا شریک نہ کیا جائے۔

ربوبیت: یعنی صرف اللہ ہی کو خالق مطلق و کارساز مطلق تسلیم کیا جائے۔

اسماء و صفات: یعنی اسماء حسنیٰ و صفات علیا کو ویسے ہی تسلیم کیا جائے جیسے وہ کتاب و سنت میں وارد ہوئی ہیں نہ اس میں تمثیل ہو نہ تعطیل، نہ تحریف ہو نہ تکییف۔

(۳) النحل: ۳۶۔ (۴) الانبیاء: ۲۵۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری بار جو وحی نازل ہوئی، جس میں آپ پہ تبلیغ رسالت کا بار گراں ڈالا گیا اس میں دعوت و تبلیغ کے مواد کا خلاصہ اس طرح ہے :

الف) توحید، (ب) یوم آخرت پر ایمان، (ج) تزکیہ نفس کا اہتمام، یعنی انجام بد تک لے جانے والے گندے اور فحش کاموں سے پرہیز، (د) اپنے سارے معاملات کی اللہ کو حوالگی اور سپردگی، (ھ) پھر اس سلسلہ کی آخری کڑی یہ ہے کہ یہ سب کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاکر آپ کی باعظمت قیادت اور رشد و ہدایت سے لبریز فرمودات کی روشنی میں انجام دیا جائے۔ (۱)

کتب سیرت سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرار و حکم سے پر اسی پر تقدس منہج پر اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہونچایا جس منہج کو خالق کائنات نے متعین کیا تھا، تمام شرعی امور سے بیشتر آپ نے توحید الوہیت کا ببانگ دھل اعلان کیا، اور شرک کی سخت مذمت کی، اس سلسلے میں ذرا بھی مداہنت سے کام نہیں لیا، بلکہ حزم و احتیاط کا پہلو اختیار کرکے ہر اس قول و فعل کا انکار کیا جس میں شرک باللہ کا احتمال ہو، خواہ اس کا صدور ایسے شخص ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو جس میں قوت ایمانی کا گمان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کے مجمع میں ایک شخص کے اس قول: "ماشاء اللہ وشئت" کا انکار کرتے ہوئے فرمایا: "اجعلني لله ندا" (۲) اسی طرح ایک خطیب کے اس قول: "ومن يعصهما فقد غوى" کا انکار کرتے ہوئے فرمایا: "بئس خطيب القوم أنت .... قل ومن يعص الله ورسوله" (۳)

تقریبا پورا مکی دور آپ نے اصلاح عقائد ہی میں لگا دیا، نماز جیسی اہم ترین عبادت (جو شہادتین کے بعد سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے) کی اوقات و تعداد رکعات کی تعیین کے ساتھ باقاعدہ فرضیت مکی زندگی کے بالکل آخری دور میں ہوئی (۴) مدنی زندگی میں بھی آپ نے اس سلسلہ میں کوئی کسر نہیں

---

(۱) الرحیق المختوم ص: ۱۱۳ ۔ (۲) مسند احمد ۱/۲۱۴، ۲۲۴، ۲۸۳، ۳۴۷، المعجم الکبیر للطبرانی: (۱۲/۲۴۴)، البیہقی (۳/۲۱۷) البانی نے حدیث کی تحسین کی ہے " الصحیحۃ " (۱۳۹)

(۳) صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ: باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ ۔

(۴) الرحیق المختوم ص: ۲۱۹ ۔

اظہار کی، حتی کہ حیاۃ طیبۃ کے آخری ایام میں آپ فرمارہے ہیں: " الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد ..... الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انہاکم عن ذلک"(۱)
سنو! تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء وصالحین کی قبروں کو مساجد بنایا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو مساجد مت بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

نیز آپ نے اپنے دعاۃ ومبلغین کے سامنے دعوت کے طریقہ کار کو واضح کرتے ہوئے سب سے پہلے توحید کا حکم دیا، اس کے بعد بقیہ اور شرائع اسلام کا حکم فرمایا، جیساکہ ابن عباس فرماتے ہیں: " ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث معاذا الی الیمن قال لہ: انک تاتی قوما من اہل الکتاب فلیکن اول ماتدعوھم الیہ شہادۃ ان لا الہ الا اللہ، وفی روایۃ الی ان یوحدوا اللہ"(۲)
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس سو تم انھیں پہلے توحید کی دعوت دینا۔

دعوت بذریعۂ حکمت وموعظ حسنہ

داعی کے لئے ضروری ہے کہ دعوت میں بہترین حکمتِ عملی اپنائے، یعنی مدعوئین کے احوال وکیفیات کے اعتبار سے دعوتی اسلوب اختیار کرے، اگر مدعوئین کا تعلق خواص امت سے ہے، ان کے اندر معانی ومفاہیم کے ادراک کی استعداد ہے اور علم ویقین کی طرف ان کا میلان ہے تو ایسے لوگوں کو دعوت ایسے قطعی دلائل سے دی جائے گی جس سے شکوک وشبہات کے سارے چور دروازے بند ہوجائیں، اور اگر وہ عام قسم کے لوگ ہیں معمولی استعداد کے مالک ہیں، اس کے مقابلہ میں رسوم وعادات سے گہرا تعلق رکھنے والے ہیں، لیکن عناد

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ: باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔
مصنف ابن ابی شیبہ (۳۷۶/۲)

(۲) صحیح بخاری، کتاب التوحید: باب ماجاء فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ الی توحید اللہ تبارک وتعالی۔
(الفتح: ۳۴۷/۱۳) صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب الایمان: باب الدعاء الی الشہادتین: ۱۹۶/۱۔
۱۹۸ ودعاء کتہ حدیث

سے دور ہیں، ایسے لوگوں کو دعوت، اطمینان بخش خطابات اور مفید صحیح عبرت آمیز واقعات سے دی جائیگی اور اگر مدعوئین اپنے اسلاف کی تقلید اور عقائد باطلہ میں پختہ کار ہونے کی وجہ سے معاند و مجادل ہیں تو ان سے بہترین انداز میں نرمی و آسانی کے ساتھ مجادلہ و مناظرہ کیا جائے گا، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو حکم فرمایا: " ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن[1] " اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دانائی اور عمدہ عمدہ نصائح سے لوگوں کو بلا تا رہ اور (مباحثہ کی نوبت آئے تو) نہایت ہی عمدہ طریقے سے ان کے ساتھ مباحثہ کیا کر۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے پورے دعوتی مراحل میں یہی روح کارفرما رہی، جس کی مثالیں کتب سیرت میں بے شمار ہیں، نیز حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی دعوت کا یہی قرآنی اسلوب اپناتے ہوئے اپنے دعوتی کاز کو آگے بڑھایا۔ (۲)

برملا اعلانِ حق

لیکن دعوت کے سلسلے میں نرم پہلو اختیار کرنے کا یہ مفہوم نہیں کہ حق کے سلسلہ میں مداھنت سے کام لیا جائے، اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ اندازِ بیان میں ترشروئی و سختی کے بجائے نرمی و آسانی ہو، حق بات کا، اللہ رب العالمین کے احکام و فرامین کا بہرحال برملا اعلان کیا جائے گا، کسی جابر کے جبر، کسی ظالم کے ظلم اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر، یہی تمام انبیاء و رسل کا طریقہ رہا ہے۔ چنانچہ سبھوں نے توحید باری تعالیٰ جو مشرکین پر نہایت گراں ہے کا برملا اعلان کیا، امام الانبیاء کی تو اس سلسلہ میں شان ہی نرالی ہے، مکی دور میں قرآنی آیات مشرکین کے عقائد و عادات اور تقلید پرستی پر برق سماوی بن کر اترتی ہیں، اور آپ ہیں کہ ان کے حد درجہ ظلم و جور کے باوجود بڑی جرأت مندی کے ساتھ ان آیات کا برملا اعلان کرتے جاتے ہیں، ایسی آیات کا بھی نزول ہوتا ہے جن میں زعمائے قریش اور ان کی باا ثر شخصیات کی نہایت سخت انداز میں تردید کی گئی ہے، لیکن آپ نے ان کے اعلان میں بھی ذرا سی جھجھک محسوس نہیں کی، قرآن مقدس کی حسب ذیل آیات اُس کے لئے شاہدِ عدل

(۱) النحل: ۱۲۵

(۲) [illegible]

ہیں: "انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم انتم لھا واردون"(۱)، تم اور تمہارے معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہو تم لوگ اس میں داخل ہوگے۔ "کلا لئن لم ینتہ لنسفعا بالناصیۃ، ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ، فلیدع نادیہ"(۲) اسے ہرگز ایسا نہ (کرنا) چاہئے اور اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے جھوٹی بدکار پیشانی سے پکڑ کر کھینچیں گے، پس وہ ممبرانِ مجلس کو بلالے۔

"ولا تطع کل حلاف مھین، ھمّاز مشاء بنمیم، مناع للخیر معتد اثیم، ان کان ذا مال وبنین، اذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین، سنسمہ علی الخرطوم۔"(۳) قسمیں کھانے والے، ذلیل، اکسانے والے، ادھر ادھر لگانے والے، کار خیر کو روکنے والے، حد سے تجاوز کرنیوالے بدکار (طبیعت کے) اکھڑ اور علاوہ ازیں بدضمیر کی مت مانیو، جب اس کو ہمارے احکام سنائے جاتے ہیں تو بوجہ مالدار اور صاحب اولاد ہونے کے کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، ایسے شخص کو ہم اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔ "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ، الذی جمع مالا وعددہ، یحسب ان مالہ اخلدہ، کلا لینبذن فی الحطمۃ"(۴)۔ ہر عیب جو طعنہ زن کے لئے افسوس ہے، جس نے مال جمع کیا اور اس کو بڑے فخر سے شمار کرتا رہتا ہے، سمجھتا ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا، (یہ خیال اس کا) ہرگز (صحیح) نہیں، وہ بھسم کرنے والی آگ میں ڈالا جائے گا۔

دعوت قبول کرنیوالوں کی تعلیم و تربیت

داعی کا فریضہ بنتا ہے کہ اپنی پکار پر لبیک کہنے والوں اور حلقہ بگوشان اسلام کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دے، ان کے لئے دینی تعلیم کا خصوصی انتظام کرے، انہیں دین کے در و بست سکھلائے،

(۱) الانبیاء: ۹۸

(۲) العلق: ۱۵-۱۷

(۳) القلم: ۱۰-۱۶

(۴) الھمزہ: ۱-۴

ان کا تزکیہ فرمائے، اور ان کی جسمانی و روحانی طہارت میں ہمہ وقت مصروف رہے، اسلام قبول کرنے کے بعد بھی انھیں اندھیرے میں حیران و ششدر نہ چھوڑے، خالق کائنات نے اپنے حبیب کو جن ذمہ داریوں کا متحمل کیا ان میں ایک نہایت ہی اہم ذمہ داری تعلیم و تربیت کی تھی، چنانچہ ارشاد ہوا: "ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوعلیھم آیاتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین "(۱) وہی وہ ذات ہے جس نے ان (قریش) کے ناخواندہ لوگوں میں رسول بھیجا ہے، جو ان کے احکام پڑھ ان کو سناتا ہے، اور ان کو پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور علم حکمت سکھاتا ہے ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

فخر موجودات نے یہ ذمہ داری بحسن و خوبی نبھائی تھی، آپ ایمان لانے والوں کی تعلیم و تربیت، ان کی جسمانی و روحانی طہارت اور اسلام کے معانی و مفاہیم سے ان کی واقفیت پر خصوصی توجہ فرماتے، اس کی طرف سے کسی لمحہ بے اعتنائی نہیں برتتے تھے، حتی کہ جب مشرکین کی ایذار رسانی کا سلسلہ اس حد تک بڑھا کہ اعلانیہ طور پر تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت کے کام میں رکاوٹ پڑنے کی امید کی جانے لگی تو آپ ارقم بن ابی ارقم کے مکان کو جو کوہ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی خفیہ مجلسوں سے دور الگ تھلگ واقع تھا، اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ خفیہ اجتماع کا مرکز بنایا، جس میں نومسلم صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کا اہتمام کیا جاتا تھا(۲) چنانچہ یہ اسلام میں پہلا مدرسہ ہے جو اسلامی تعلیم کا سب سے پہلے باقاعدہ مرکز بنا، یہ اور بات ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بغرض تعلیم بعض صحابہ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

اسی طرح جب عمیر بن وھب مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "فقھوا اخاکم فی الدین واقرئوہ القرآن "(۳) اپنے بھائی کو دین سمجھاؤ اور قرآن پڑھاؤ۔

نیز نبوت کے بارہویں سال بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرنے والوں کے ہمراہ

---

(۱) الجمعہ : ۲

(۲) الرحیق المختوم ص : (۱۴۱)

(۳) سیرت ابن ھشام (۲/۳۰۸)

یثرب میں اپنا پہلا سفیر بھیجا، تاکہ وہ مسلمانوں کو اسلامی احکام کی تعلیم دے، اور انھیں دین کے دروبست سکھلائے، اور جو لوگ اب تک شرک پر چلے آرہے ہیں ان میں اسلام کی اشاعت کرے، نبی صلی اللہ علیہ نے اس سفارت کے لئے سابقین اولین میں سے ایک جوان کا انتخاب فرمایا جن کا نام نامی اور اسم گرامی مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ ہے۔ (۱) وہ برابر انہیں قرآن کی تعلیم دیتے رہے اور اسلام کی طرف بلاتے رہے، یہاں تک کہ انصار کے تمام گھرانے سایۂ اسلام میں آگئے۔ (۲)

نیز صفر ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عضل وقارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور کہا: کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ چرچا ہے، لہذا آپ ان کے ہمراہ کچھ لوگوں کو دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لئے روانہ فرمادیں، آپ نے ابن اسحاق کے بقول چھ افراد کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق دس افراد کو روانہ فرمادیا، اور ابن اسحاق کے بقول مرثد بن ابی مرثد غنوی کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا حضرت عاصم بن ثابت کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ (۳)

ان تمام واقعات سے داخلین اسلام کے لئے تعلیم و تربیت کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ بات بھی کلی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ جسے دینی امور کا علم ہے اسے چاہیئے کہ ناآشنا لوگوں کو سکھائے، لہذا ہر داعی پر یہ واجب ہے کہ اسلامی احکام، منجانب اللہ نازل شدہ حدود اور عقائد وعبادات نیز حقوق و معاملات پر مشتمل پورے دین کی تعلیم مخاطب کو اس کی حالت کی رعایت کرتے ہوئے دے، چند اختلافی مسائل یا بعض مروجہ عناوین ہی کو تعلیم و تقریر کا محور نہ بنائے، نیز دینی تعلیم میں کسی خاص مکتب فکر یا کسی مخصوص شخصیت کے افکار و آراء کا التزام نہ ہو، بلکہ سلف کی روش پر خالص کتاب وسنت کی تعلیم دی جائے۔

اسلافِ کرام کا دعوتی اسلوب

یہ ہے مقدس رسول کی مقدس دعوت جو دعوت قرآنی کی آئینہ دار اور جمیع انبیاء ورسل کی دعوت کا خلاصہ تھی کا اجمالی خاکہ،

---

(۱) الرحیق المختوم ص : ۲۳۰

(۲) سیرت ابن ھشام ۲/ ۳۰۸

(۳) الرحیق المختوم ص : ۴۵۳

اسی دعوت حقہ اور منہج دعوت وتبلیغ کو لے کر شیدائیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلاف کرام اکناف ارضی میں پھیل گئے، اور اپنے پورے دعوتی تسلسل میں کہیں بھی اس منہج قویم سے سرمو انحراف نہیں کیا، بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلاف کرام کا دعوتی منہج منہج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا، دعوتی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے انہوں نے علمی ایمانی اور اخلاقی حیثیت سے اپنی شخصیت کو معراج کمال تک پہونچایا، جو بات بھی کہی علی وجہ البصیرۃ کہی اور اپنے پیچھے بے مثال علمی ذخیرہ چھوڑا، قوت ایمانی ایسے ٹھوس چٹان کی مانند تھی کہ باد صرصر کے تیز و تند جھونکے ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے تھے، اخلاقی پہلو سے اتنی اونچی حیثیت کے مالک تھے کہ مخاطب پہلی ملاقات میں حد درجہ مانوس ہو کر دعوت سے قریب ہوجایا کرتا تھا، جب میدان عمل میں اترے تو انبیاء ورسل کے طریقے کو اپناتے ہوئے دعوت کا آغاز توحید باری تعالیٰ سے کیا، شرک وبدعات کی کھلی تردید کی، اس سلسلے میں ذرا بھی نرم پہلو کے لئے روادار نہ ہوئے، اعلانِ حق کے سلسلہ میں بڑی سے بڑی طاقت کو خاطر میں نہ لائے، اور نہ ہی اس سلسلہ میں لاحق ہونے والے عظیم ترین مصائب وآلام کی فکر کی، مدعوئین کی رعایت کرتے ہوئے دعوتی اسلوب اختیار کیا، چنانچہ دین متین کے معاند ومخالف خواہ اس کا تعلق فرق اسلامیہ سے ہو یا غیر اسلامی فرقوں سے کے سامنے نقل و عقل پر مشتمل ایسے واضح وقوی دلائل وبراھین رکھے کہ اس کے سامنے شکوک وشبہات کو دم دبا کے بھاگتے بنی، ساتھ ہی ساتھ عوام کے لئے آسان قسم کا واعظانہ طریقہ بھی اپنایا، نیز ان کی دعوت زبان یا ہاتھ سے ازالہ منکر ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ضرورت پڑنے پر سنت نبوی کے مطابق انہوں نے تلوار کا استعمال بھی کیا، دعوت کے راستے میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کی دیوار منہدم کرنے کے لئے اپنی بہترین حکمتِ عملی سے مستقل اسلامی حکومت کی تشکیل بھی دی، اور بہتوں نے ارکان سلطنت تک اپنے اثر ورسوخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس میدان میں اہم اقدامات کئے، دعوت قبول کرنے والوں نیز دینی تعلیم سے ناآشنا مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کی خاطر درس وتدریس کا طویل وعریض جال بچھا دیا، جس میں بنیادی طور پر عقیدے کی تعلیم پھر شریعت کے جملہ احکام ومسائل پر سیر حاصل بحث پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔

اگر تاریخ اسلام کے مختلف ادوار اور سلسلہ دعوت سلف پر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو جو کچھ کہا گیا ہے اس کی تصدیق ہر دور کے واقعات پیش کریں گے، مگر یہ موقع تفصیل کا نہیں، وقت اور مراجع ان صدیوں کے علماء

پر صرف ایک طائرانہ نظر کی اجازت دیتے ہیں۔

اتباعِ سنت

صحابہ کرام اتباع سنت کے پیکر، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کے بیحد حریص تھے، دین میں بدعت سازی سے کوسوں دور بھاگنے والے تھے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضؓ نے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں انتہائی موکد انداز میں فرمایا: "میں صرف متبع ہوں بدعتی نہیں ہوں۔" (۱)

صحابہ ہی پر کیا موقوف ہر دور کے علماء سلف کے یہاں یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بیعت خلافت کے بعد پہلے خطبہ میں فرمایا: "میں مبتدع نہیں ہوں متبع ہوں۔" (۲)

ازالہ منکر کی اعلیٰ ترین صورت

حضرت عمر رضؓ نے زمام حکومت سنبھالتے ہی وسیع وعریض پیمانے پر نئے انداز کی دعوت واصلاح کا سلسلہ شروع کردیا، بیشتر مقامات پر آپ نے ازالہ منکر کی اعلیٰ ترین صورت اپنائی۔

چنانچہ ابن سعد کا بیان ہے کہ لوگ شجرۂ رضوان کے پاس آکر بغرض تبرک نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع موصول ہوئی تو آپ نے انھیں سخت دھمکی دی اور دربار خلافت سے اس درخت کے کاٹنے کا حکم صادر فرماکر اس کو کٹوا دیا۔ (۳)

یہ سلسلہ صحابہ کے دور تک ہی محدود نہ رہا بلکہ بعد کے ادوار میں بھی اس پر بوجہ اتم عمل ہوا، علامہ ذھبی کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں غیلان نے عقیدہ قدر ظاہر کیا تو آپ نے اس سے توبہ کرائی، اور کہا کہ اگر یہ سچا ہے تو ٹھیک، ورنہ اسے سولی دے دوں گا، اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ لونگا

---

(۱) تاریخ الخلفاء للسیوطی ص: ۵۴

(۲) مصدر سابق ص: ۱۸۵

(۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۲/ ۱۰۰ - حافظ نے سند کی تصحیح کی ہے، ملاحظہ ہو: (فتح الباری ۷/ ۴۴۲) نیز اس واقعے کے لئے ملاحظہ ہو: (البدع والنہی عنہا لمحمد بن وضاح القرطبی ص: ۴۲)

اعلانِ حق جرائت وہمت کے ساتھ

سابقہ سطور میں دعوت سے متعلق ایک اہم طریقہ نبوی (یعنی بلاخوف اعلان حق) کا بیان ہو چکا ہے، اسلافِ کرام بھی اس طریقہ نبوی پر گامزن رہے، چنانچہ جب فتنہ خلق قرآن مامون ومعتصم اور واثق باللہ کے حفظ و امان میں پروان چڑھ رہا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ فتنہ ان تینوں حکمرانوں کی تلوار سے سنت کو نیست و نابود کرنے کی ناپاک سعی میں پیہم مصروف تھا تو اس وقت امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبلؒ پوری قوتِ ایمانی کے ساتھ باطل کے سامنے ڈٹ گئے، اور حمایت سنت ورد بدعت کے سلسلہ میں سخت ترین کوڑے برداشت کئے، حافظ ابن الجوزی کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل کو اسی کوڑے ایسے سخت مارے گئے کہ اگر ہاتھی کو مارا جاتا تو وہ چیخ اٹھتا۔(۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت

ابن تیمیہ کا زمانہ اور ان کا کارنامہ

علامہ ابن تیمیہ کا زمانہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت ہی نازک اور پرآشوب زمانہ تھا، داخلی طور پر فکری جمود اور اندھی تقلید نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، عقائد و فروع میں طریقہ سلف مخالف فرقے: شیعہ، صوفیاء، قدریہ، قبوریین اور منکرین صفات باری تعالیٰ کا ظہور اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا، فلسفہ وعلم کلام کی گرفت اتنی مضبوط ہو گئی تھی کہ بیشتر علماء کے یہاں استدلال میں انھوں نے کتاب وسنت کی جگہ لے لی تھی، خارجی طور پر حالت بایں جارسید کہ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں پر پل پڑی تھیں، تاتاری لشکر نے عالم اسلام پر دھاوا بول دیا تھا۔

ابن تیمیہ نے ان فرقہائے باطلہ اور ان کے مشرکانہ اعمال ورسوم وعقائد واہیہ کے خلاف علم تجدید بلند کیا، اور عوام کی رضامندی وناراضگی، نیز خواص کالعوام کے قہر وعتاب سے بالکل بے نیاز ہو کر مروجہ اعمال ورسوم اور مشرکانہ عقائد وخیالات کی تردید کی، اسلامی عقائد وعبادات کے اثبات اور

---

(۱) تذکرہ، ابوالکلام آزاد ص: ۱۵

اس کے نشرواشاعت اور شرک وبدعات نیز غیر اسلامی رسوم ورواج کی بیخ کنی کے لئے تمام ممکنہ وسائل وذرائع کا استعمال کیا، انکار منکر اور اثبات حق کے سلسلے میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، افتاء اور مناظرہ کا متحدہ محاذ کھولا یا، شیعہ، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، متکلمین، فلاسفہ، صوفیاء اور قبوریین واہل بدعت کی مدلل تردید کی، فقہی جمود اور فکری تعطل کو صحیح فقہی اصول کی طرف لوٹایا، بیشتر مقامات پر ازالہ منکر کی اعلیٰ ترین صورت پر عمل کیا، چنانچہ علامہ ابن قیم اپنے اس یکتائے زمانہ استاذ کے متعلق رقم طراز ہیں: " کہ دمشق میں بہت سے بت پائے جاتے تھے، مثلاً مسجد نارنج کا بت جو مصلی کے پاس تھا اور جہال اس کی عبادت کرتے تھے، طاحون کے نیچے کا بت جو مقابر نصاری کے پاس تھا جس کے پاس لوگ تبرک کے لئے آیا کرتے تھے، ان تمام کا ھدم وکسر شیخ الاسلام اور ان کی موحدین پارٹی کے ہاتھوں عمل میں آیا (۱) "

اپنے ان تجدیدی واصلاحی کارناموں کے سلسلے میں مخالفین کی ایذاء رسانیاں بھی برداشت کیں، حتی کہ قید وبند کی زندگی گذارنے پر بھی مجبور کئے گئے، لیکن قربان جائیے علامہ کے جذبہ اصلاح پر کہ قید خانے میں بھی سلسلہ دعوت وتبلیغ منقطع نہیں ہوا، اور اخلاقی بلندی دیکھئے کہ جیل سے باہر آتے ہی اپنے تمام مخالفین کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے ایذاء رسانی کی کوشش کی تھی بلا استثناء معاف کر دیا۔

ان تمام عظیم ترین اصلاحی کوششوں کے ساتھ جہاد بالسیف کی بھی سعادت حاصل کی، بیشتر معرکوں میں تاتاریوں سے برسرپیکار ہوئے (۲)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا زمانہ اور ان کا کارنامہ

شیخ محمد بن عبدالوہاب نے ایسے وقت میں آنکھیں کھولیں جب عالم اسلام میں بالعموم اور نجد میں بالخصوص مشرکانہ عقائد ورسوم اور بدعات وخرافات کی گرم بازاری تھی، درخت، پتھر اور قبروں کی مختلف انداز سے عبادت کی جاتی تھی، جن وشیاطین کی پناہ طلب کی جاتی تھی، کتاب اللہ کو محض زینت طاق

(۱) اغاثۃ اللھفان من مصائد الشیطان (۱/۱۸۳)

(۲) ماخوذ از " من مشاھیر المحدثین فی الاسلام "

بنادیاگیا تھا، یا تبرکاً اس کی تلاوت کرلی جاتی تھی، حکام اپنے فیصلوں میں اس کی طرف رجوع کرنے کے بجائے کسی دوسرے در پر دستک دیا کرتے تھے۔

دین متین کا گہرا علم حاصل کر لینے کے بعد شیخ نے ان جاہلی اعمال ورسوم پر یلغار کردی، لوگوں پر واضح کردیا کہ ان کے اندر دین کی رمق تک باقی نہیں ہے، انھیں حقیقی معنوں میں اسلام کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی: یعنی بلا شرکت غیر سے تنہا اللہ کی عبادت، اس کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت، بدعت سازی سے دور رہ کر طریقہ نبوی پر عبادت الٰہی اور بلا واسطہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے احکام اخذ کرنے کی طرف دعوت دی۔

دعوت کے دو بنیادی پہلو

شیخ کے دعوتی مشن کے اسباب ومحرکات، اسی طرح آپ اور آپ کے تلامذہ کی تالیفات پر نظر ڈالنے کے بعد قطعی طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ شیخ کی دعوت حسب ذیل دو اہم نکتوں پر مرکوز تھی۔

۱۔ اللہ کے لئے عبادت کو اس طرح مخصوص کردینا کہ اسے چھوڑ کر یا اس کے ساتھ کوئی مخلوق کسی مخلوق کی عبادت نہ کرے، اور رسول ؐ کے لئے متابعت کو اس طرح مخصوص کردینا کہ کسی بھی شخص کی رائے قول رسول پر مقدم نہ کی جائے۔

۲۔ حکام کا شریعت الٰہیہ کو اس طرح فیصل مان لینا کہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں، "ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ" (۱) (۲)

تحریک شہیدین کی دعوت کے بنیادی نکات ومسائل

یہ تحریک عبارت ہے ہندوستان کے دو عظیم مجاہدوں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اور ان کے

(۱) یوسف: ۴۰۔

(۲) ماخوذ از "اضواء علی طریقۃ الدعوۃ الی الاسلام"، تالیف: محمد امان بن علی الجامی، مراجعہ وتخریج عبدالرحمن عبدالجبار الفریوائی ص: ۲۳۰ تا ۲۳۲۔

رفقاء کار کی عظیم ترین اصلاحی کوششوں سے ۔

اس تحریک کی دعوت خالص کتاب و سنت کی دعوت تھی، شرک و بدعات کو مٹانا ان کا مشن تھا، وہ دین محمدی میں عہد فاروقی کی پاکیزگی اور شوکت پیدا کرنا چاہتے تھے ، توحید خالص کی تبلیغ، قبر پرستی کا استیصال، مراسم تعزیہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا، اور نکاح بیوگان کی ترویج ان کی دعوت کے اہم اجزاء تھے ۔ مولانا مسعود عالم ندوی فرماتے ہیں :

" مولانا عبدالحئی اور مولانا شہید کی معیت میں آپ (سید صاحب) نے ملک کے اطراف واکناف کے دورے کئے، جہاں گئے ان کے دم قدم سے توحید کی تعلیم پھیلی، اور شرک و بدعات کی اندھیاری کافور ہوئی ۔" (۱)

یہ ہے دعوت وتبلیغ کا وہ منہج صحیح جس کے التزام کا اللہ رب العالمین نے جمیع انبیاء و رسل کو حکم دیا ہے، اور جسے قدوۃ الدعاۃ والمبلغین امام الانبیاء والمرسلین نے اختیار فرما کر پیغام خدا کو خلق خدا تک پہونچایا ہے، نیز اسی منہج پر اسلاف کرام اپنی پوری زندگی میں کاربند رہے ہیں ۔

مذکورہ منہج صحیح کی اہمیت وضرورت

منہج مذکور کی تشریح وتوضیح سے اس کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے، اس لئے کہ سابقہ سطور سے یہ واضح ہے کہ یہ ایسا منہج ہے جس کا حکم خالق کائنات نے اہل کائنات کو دیا ہے، جس ذات کی حکم عدولی دینی و دنیاوی شقاوت و بدبختی کو مستوجب ہے، اسی طرح یہ منہج ایسی ذات کے اقوال وافعال کا خلاصہ ہے جس کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے ۔

یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ فخر موجودات کی دعوت نے فوز و فلاح کے آخری منازل طے کی ، روئے زمین کا چپہ چپہ نور اسلام سے منور ہوا، شاید ہی زمین کا کوئی خطہ ایسا ہو جہاں اسلام کی روشنی نہ پہونچی ہو، اسی طرح ہمارے اسلاف کرام نے جب اس منہج صحیح کو اپنایا تو شرک و بدعت کی اندھیاری

(۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ، ص : ۲۵

کا فور ہوئی، اور توحید و اتباع سنت کی روشنی دور دور تک پھیل گئی، ہر چہار جانب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، جس بستی کو بھی ان کے قدوم میمنت کا شرف حاصل ہوگیا وہ توحید و اتباع سنت کا مرکز اور اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ بن گئی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی دعوت کی کامیابی سے متعلق مولانا ابوالحسن ندوی یوں رقمطراز ہیں:

" امام ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ میں نیابت انبیاء کا فرض انجام دیا، اور " فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين " پر عمل کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان عقائد و رسوم میں جو جہالت، غیر مسلموں کے اختلاط و صحبت اور فرق ضالہ اور اہل غرض کے اثر سے پیدا ہوگئی تھی، ایک عام تزلزل پیدا ہوگیا، اسلام کا عقیدۂ توحید جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اور ان کی دعوت کا نقطۂ مرکزی ہے ایک بار پھر نکھر کر اور منقح ہو کر سامنے آگیا " يهلك من هلك عن بينة ويحيي من حيّ عن بينة "

مزید فرماتے ہیں:

" ان کی کتابوں کے اثر سے ان کے بعد وقتاً فوقتاً ایسے ارباب دعوت و عزیمت پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے مشرکانہ عقائد و رسوم اور جاہلیت وثنیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور " الا لله الدين الخالص " کا آوازہ اس بلند آہنگی سے بلند کیا کہ عالم اسلام کے دشت و جبل اس سے گونج اٹھے " (۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

" ان کی اس دعوت سے ان فقہی دائروں اور امت کے علمی حلقوں میں جن میں عرصہ سے نئے غور و فکر اور احکام و مسائل کے کتاب و سنت سے مقابلہ کرنے کا کام بند ہوگیا تھا اور اجتہاد و استنباط کا سلسلہ عرصہ سے مسدود تھا، نئی علمی و فکری حرکت اور براہ راست کتاب

---

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت (۲/۲۱۸)

وسنت کی طرف رجوع کی تحریک پیدا ہوئی ، اس طرح سے انہوں نے اس صحیح اسلامی فکر کا احیاء کیا جو قرون اولیٰ میں پائی جاتی تھی ، اور مسلمانوں کی زندگی کی بنیاد تھی " (۱)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کو جس عظیم ترین کامیابی کی سعادت حاصل ہوئی وہ تمام لوگوں کے سامنے ہے :

نجد سے شرک وبدعات کا کلی صفایا ہوا ، اور توحید خالص نیز تمام معاملات میں اتباع کتاب وسنت کی گرم بازاری ہوئی ، اسی دعوت کے باقیماندہ آثار میں موجودہ سعودی حکومت ہے جو مشرق میں خلیج عربی سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک پھیلی ہوئی ہے ۔ کتاب وسنت اور توحید خالص کی حکومت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حکومت ۔

ایسی حکومت جس نے عدل وانصاف اور امن وسلامتی کو عام کیا ۔ نجد وسعودیہ ہی پر کیا منحصر ہے ، افریقہ میں سوڈان ، ایشیا میں سوماترا اور ہندوستان ، اسی طرح عراق ، شام ، مصر ، الجزائر ، عمان اور فارس ۔ اس چشمۂ کتاب وسنت کے سوتے کہاں نہیں پھوٹے ۔ (۲)

تحریک شہیدین کے متعلق مولانا مسعود ندوی یوں رقمطراز ہیں :

" اس وقت اسلامی ہند میں جو کچھ اصلاح وتجدید ہو سکی ہے ، سب کی سب سیدین شہید اور ان کے کفش برداروں کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے ، کم سے کم پورب کے علاقوں میں روشنی کی جھلک سراسر اسی آفتاب عمل کا فیض ہے ، صادق پور (عظیم آباد) کا مشہور خاندان سید شہید اور ان کے ایک مرید مولانا ولایت صادق پوری (ت ۱۲۶۹) کی بدولت دنیائے عمل میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکا ، اور ایک پورب پر کیا منحصر ہے ، دلی ، رامپور ، روہیلکھنڈ مدراس ۔ اس آفتاب تجدید کی شعائیں کہاں نہیں پہونچیں " (۳)

---

(۱) مصدر سابق (۲۴۳/۲) ۔ (۲) ماخوذ از " تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب " : تالیف شیخ احمد بن حجر ، ترجمہ وتنقیح : شیخ صفی الرحمن مبارکپوری ، ص ۱۴۷ تا ۱۵۱ ۔

(۳) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص : ۲۹ ۔ ۳۰ ۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ منہج صحیح شرعی منہج ہونے کے ساتھ دعوتی میدان میں فوز وفلاح کا مجرب نسخہ بھی ہے، نیز اس منہج سے انحراف واعراض دعوت کے میدان میں موجب ناکامی ونامرادی ہے، خواہ داعی کی نیت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ اعمال کے نتائج ان کے اسباب ومقدمات پر مرتب ہوا کرتے ہیں، محض حسن نیت اور اخلاص عمل پر نہیں، مثلاً اگر داعی اخلاق حسنہ جو منہج صحیح کا ایک اہم جز ہے کا مالک نہ ہو، بلکہ وہ سخت کلام اور سخت دل ہو تو لوگ اس کی دعوت پر کان نہیں دیں گے، خواہ وہ اپنی اس دعوت میں کتنا ہی زیادہ حق بجانب اور اپنے اس عمل میں کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو، اس لئے کہ اس کی حالت بہرحال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی نہیں ہوسکتی جن سے رب کائنات نے ان الفاظ میں خطاب کیا ہے: " ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولك "(۱) اور اگر آپ بدخو سخت دل ہوتے تو آپ کے پاس سے (بوجہ سخت کلامی فوراً یہ لوگ) بھاگ جاتے۔

آج ہند وبیرون ہند کے اس پرآشوب فضا میں اس منہج صحیح کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے، جہاں دین بیزاری، اسلامی تعلیمات سے دوری، فکری انحراف اور اعتقادی وعملی بدعات وخرافات کا عام ماحول ہے، ایسی جماعتیں اور تنظیمات اپنا دعوتی نطاق وسیع سے وسیع تر کرتی جارہی ہیں، جن کی خشت اول عقائد واعمال میں غیر سلفی طریقے سے تیار ہوئی ہے اور ان کا طریقۂ دعوت وتبلیغ صرف یہی نہیں کہ منہج سلف کے موافق نہیں بلکہ بہت سی صورتوں میں اس سے متصادم بھی ہے، برسبیل مثال تبلیغی جماعت کو لے لیجئے:

یہ جماعت اسلام کے مغز وروح سے کنارہ کش ہوکر محض چھلکے سے چمٹی ہوئی ہے، پورے دین میں سے صرف فضائل اعمال کی تبلیغ واشاعت انہوں نے اپنا منہج بنا رکھا ہے، "تبلیغی نصاب" جیسی لغو کتاب جو جھوٹے واقعات، ضعیف وموضوع احادیث اور امور شرکیہ وبدعیہ سے پُر ہے کا بالالتزام مطالعہ ان کی دعوت کا اساسی پہلو ہے، ان کے یہاں خود عقائد واعمال کے تعلق سے ایسا انحراف ہے کہ یہ خود ایسے محتاج اصلاح ہیں جن کی اصلاح کافی محنت کے بعد ہوسکتی ہے۔

(۱) آل عمران: ۱۵۹۔

یہی حال بیرون ہند سے تعلق رکھنے والی جماعت "الاخوان المسلمون" کا بھی ہے۔
اس تحریک نے منہج سلف کے التزام کا اور شرک و بدعات کے ازالہ کا دعوی تو ضرور کیا، لیکن ع
میدان میں اس کی ایک جھلک تک نہیں دیکھی جا سکتی، اس کے موسس نے اصلاح مجتمع کے سلسلے
جماعت کے واسطے جو عملی پروگرام تیار کیا وہ تقریبا ۳۸ فرائض پر مشتمل ہے، جس میں مشروبات
عدم اسراف تک کا ذکر ہے، لیکن قربان جائیے موصوف کے احتیاط پر کہ اصلاح عقائد و عبادات
کھلی وثنیت کا ازالہ اور اتباع سنت اور انکار بدعت کی طرف دعوت کا اشارہ تک نہیں ہے
اس کے برخلاف بعض بدعتوں مثلاً: "ذکر قلبی"، "ورد الدعاء"، "ورد الرابطہ"، ا
"ورد المحاسبہ" کے التزام کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔
بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس تحریک نے دعوت کے میدان میں سیاسی منہج یعنی حا
کے خلاف خروج اور عوام کے ساتھ صلح کل والی پالیسی کا پابندی سے اہتمام کیا، لیکن دینی
منہج سے یکسر دور رہی، قوم کے سپوتوں کو ارکان حکومت کے خلاف بھڑکا کر حاکم و محکوم کے درم
دشمنی کی بنیاد ضرور ڈال دی، لیکن عقائد و عبادات میں ان کے انحراف پر ادنی توجہ بھی نہیں د
اس لئے یہ دینی تحریک کے بجائے سیاسی تحریک کہلانے کی زیادہ مستحق ہے۔ (۱)
اسی طرح اور بہت سی تحریکات ہیں جو منہج سلف سے واضح طور پر ہٹی ہوئی ہیں۔
ان تمام کو مذکورہ شرعی منہج کی طرف رجوع کی دعوت دینے، اور خود اسی منہج کو اپنا کر مل
اسلامیہ کو عقائد و عبادات میں انحراف، اخلاقی و عملی گراوٹ اور مشرکانہ وغیر اسلامی رسوم و
کے دلدل سے نکال کر کتاب و سنت کی صحیح تعلیم ان میں عام کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ صحیح ا
فکر کی حامل اور طریقہ سلف پر گامزن جماعت اہل حدیث اپنی سرد مہری و سہولت پسندی کو چھو
پورے طور پر میدان عمل میں اتر پڑے، اور "کنتم خیر امة اخرجت للناس تا

(۱) ماخوذ از "حقیقة الدعوة الی اللہ تعالیٰ و ما اختصت بہ جزیرة العرب"
تالیف: سعید بن عبد الرحمن الحصین۔

بالمعروف وتنهون عن المنكر " کی عملی تصویر بن کرامت کے لئے صاف شفاف پانی مہیا کرے، جو اس کے فقدان کے باعث گندے پانی کے سہارے منازل حیات طے کر رہی ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وبارك وسلم

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

...

(مولانا) ریاض احمد السلفی
استاذ جامعہ ابن تیمیہ، مدینۃ السلام
چندن بارہ، مشرقی چمپارن
بہار - الہند

مدارسِ اسلامیہ میں عقیدۂ سلف کی تدریس

اہمیت اور جائزہ

چونکہ عنوان کے اندر مدارس اور تعلیم وتعلم کا ذکر ہوا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں ربط و تسلسل پیدا کرنے کے لئے پہلے مدارس کی اہمیت اور تعلیم وتدریس کے سب سے اہم عنصر نصاب تعلیم کی جانب بھی سرسری طور پر اشارہ کردیا جائے۔

درحقیقت مدارس اسلامیہ پورے عالم میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص اور ہندوستان جیسے ملک میں بالاخص اسلام اور مسلمانوں کے لئے مضبوط ترین قلعے جیسی اہمیت رکھتے ہیں، ان کی حیثیت بعینہ ان کارخانوں جیسی ہے جو خام مال حاصل کرکے ضروریات زندگی کے مختلف لوازمات اچھے اور عمدہ پیمانے پر تیار کرتے ہیں اور سپلائی کرکے ان کے ذریعہ ملک کے عوام کی ضروریات اور ان کے احتیاجات کو پورا کرتے ہیں، اسی طرح طالبان علوم نبویہ جو خام مال کی طرح ہوتے ہیں، ان مدارس میں تعلیم وتربیت حاصل کرکے دین اسلام کی حفاظت و مدافعت، مسلمانوں کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے اور ان کی دینی ضروریات کی تکمیل کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اگر واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ برصغیر میں خصوصاً ہندوستان میں اسلام کو جو دوام حاصل ہے یا مسلمانوں کو جو بقاء ملی ہوئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے بعد انہی مدارس کا بہت بڑا دخل ہے، اس حقیقت کا اعتراف نباض ملک وملت برصغیر میں مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے علمبردار علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے بھی نہایت واضح الفاظ میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں: "مدارس: اسلام کے وہ قلعے ہیں جہاں سے اسلام کے سپاہی تربیت وتعلیم پاکر ہندوستان کے انتہائی نازک دور میں اسلام کی حفاظت ومدافعت کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، انہی چھاؤنیوں میں فرزندان اسلام نے سود وزیاں سے بے پروا ہوکر اپنے مادی مستقبل کو بظاہر تاریک بناکر نامساعد حالات میں علوم دینیہ کی تعلیم

حاصل کی، اور قوم میں ان کی اشاعت وتبلیغ کا کام انجام دیا، بلکہ آج اس برصغیر میں دین کا جو فروغ نظر آتا ہے اور ہندوپاکستان کو عالم میں جو موقف وامتیاز حاصل ہے اور جسے دیکھ کر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں وہ سب انھیں بوریانشینوں، علم دین کے متوالوں، اور دنیا سے بے نیاز ہو کر اجر آخرت کی خاطر فریضۂ تبلیغ ادا کرنے والوں کے طفیل ہے۔(۱)"

یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اسلامی تشخص خواہ وہ حد درجہ ناقص اور بگڑی ہوئی شکل ہی میں کیوں نہ ہو، کو برقرار رکھنے میں ان مدارس اسلامیہ نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن عناصر کی نظر میں ان کی حیثیت حلق کے کانٹے کی سی ہے، چنانچہ آزادی کے بعد سے ہی ان کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی سازشیں ہو رہی ہیں اور ان کے بعض حربے کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہوئے بھی نظر آرہے ہیں، اگر چھوٹا منہ بڑی بات نہ تصور کیا جائے، تو اکابرین ملت، ذمہ داران مدارس اور ہمدردان قوم سے درخواست کروں گا کہ وہ مدارس اسلامیہ کی بگڑی ہوئی صورت حال پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں اور انھیں مضبوط سے مضبوط ترین قلعہ بنانے کی بھرپور کوشش کریں۔ میرا مقصد مدارس کی کثرت یا عمارتی ڈھانچوں کی مضبوطی نہیں بلکہ کم سے ہٹ کر کیف کی جانب توجہ مبذول کرانا ہے کہ انہیں تمام ممکنہ طرق ووسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے معنوی طور پر اتنا مضبوط بنا دیا جائے کہ وہاں سے نکلنے والا ہر طالب علم بجائے خود ایک مستقل اسلامی مدرسہ کی حیثیت رکھتا ہو جس کے اندر قوم وملت کی محبت اور دین کی برتری کا جذبہ بدرجۂ اتم کارفرما ہو، اگر ہم نے اس جانب توجہ نہیں کی، اور بکثرت عمارتی ڈھانچہ کھڑا کرنے، اور انہیں دنیاوی اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے آلۂ کار بنانے میں لگے رہے تو مستقبل قریب میں امت کا کیا حال ہوگا؟ اور یہ عمارتیں کس مصرف میں استعمال ہوں گی؟ زبان سے کچھ کہنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے اندلس یا سابقہ سوویت یونین کا صرف حوالہ دینا ہی کافی سمجھتا ہوں۔

رہا نصاب کا مسئلہ تو میرے خیال میں اس حقیقت سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ نظام تعلیم وتعلم میں نصاب جسم انسانی میں ریڑھ کی ہڈی کے مساوی یا اس سے بالاتر حیثیت واہمیت کا حامل ہے جس طرح ریڑھ کی ہڈی کو

---

(۱) " دینی تعلیم اور دور حاضر کے تقاضے " از سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ۔ تعمیر حیات لکھنؤ: جلد ۳۱، شمارہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ (ص ۵)

کسی قسم کا عارضہ لاحق ہو جائے تو وہ پورے جسم کو ناکارہ اور مشلول بنا دیتا ہے، اور صحیح قد و قامت کے اندر کجی اور ٹیڑھا پن پیدا کر دیتا ہے، بالکل بعینہ اگر نصاب میں زمان و مکان یا معاشرے کی دینی و سماجی ضروریات و تقاضوں کے اعتبار سے کوئی کمی یا نقص رہا تو پورا نصاب ناقص اور پورا نظام تعلیم عملی طور پر ناکام ہو کر رہ جائے گا، اس ناقص نصاب کے منفی اثرات سے نہ صرف طلبہ ہی متاثر ہوں گے بلکہ پوری ملت، پورا معاشرہ اور پوری نسل تباہی و بربادی کا شکار ہو جائے گی، اس لئے کچھ عجب نہیں کہ عقائد کے تعلق سے ہندستانی مسلمانوں کا جو حال ہم دیکھ رہے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ وہ نصاب تعلیم ہے جو عرصہ دراز سے یہاں رائج ہے جس میں صحیح اسلامی عقائد کی نمائندگی بالکل نہیں کے برابر ہے، اور علم الکلام کے نام سے جو چند کتابیں داخل نصاب ہیں مسلم فلاسفہ و متکلمین کے عقائد کی نمائندگی تو کرتی ہیں لیکن صحیح اسلامی عقائد کی نمائندگی بالکل نہیں کرتیں، اسماء و صفات کے باب کو تو چھوڑ دیئے توحید الالوھیہ جس کے لئے اللہ رب العزت نے جن و انس کو وجود بخشا اور جس کے لئے انبیاء و رسل بھیجے گئے اور جس کی خاطر انہوں نے ہر طرح کے مصائب جھیلے، اذیتیں برداشت کیں حتی کہ موت کو بھی گلے لگایا اس سے یہ کتابیں یکسر خالی نظر آتی ہیں، ان میں ساری توجہ توحید الربوبیۃ کے اثبات پر مرکوز کی گئی ہے، حالانکہ توحید الربوبیۃ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تمام فطر سلیمہ واقف ہیں، اس کا انکار وہی انسان کر سکتا ہے جس کی فطرت فساد کا شکار ہو گئی ہو۔

یہ تصور کرنا کہ نصاب تعلیم سے صرف وہی طلبہ متاثر ہوتے ہیں جو مدرسہ کی چہار دیواری میں ایک مخصوص مدت گذار کر چلے جاتے ہیں، واقع اور حقیقت کے بالکل خلاف اور منافی بات ہے بلکہ اس کا اثر پورے ماحول اور معاشرے اور پوری نسل پر مرتب ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے اہل دانش و بینش و ماہرین تعلیم کی نظر میں نصاب تعلیم کو غیر معمولی اہمیت و حیثیت دی جاتی رہی ہے کیونکہ بقول کسے: "نصاب تعلیم کسی قوم کے فکری ارتقاء اس کے علمی تجربوں اس کے طریقۂ فکر اور اس کی ذہنی صلاحیت کی ہانڈی کا سر جوش ہوا کرتا ہے، نصاب تعلیم کسی قوم کے مطالعے، اس کی فکری سطح اور اس کی ذہنی صلاحیت کا نقطۂ عروج ہوتا ہے ...... نصاب تعلیم کچھ بے جوڑ چیزوں کے جمع کر دینے اور پڑھائی جانے والی چند کتابوں کے بے جان مجموعے کا نام نہیں، نصاب تعلیم کسی ملت یا کسی علمی گروہ کی اپنی ضروریات کے احساس، اپنے زمانے کے تقاضوں کے سمجھنے اور پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کا ماحصل ہوتا ہے"۔(۱)

(۱) "نصاب تعلیم قوم کے فکری ارتقاء اور ذھنی صلاحیت کا آئینہ دار ہوتا ہے" از سید ابوالحسن ندوی۔ تعمیر حیات لکھنؤ، ص،

آج ہم تمام مدارس وجامعات کے سلسلے میں جس افراتفری کا مشاہدہ کر رہے ہیں، ہر شخص ایک مکتب کی بلکہ جامعہ کے قیام میں ضرورت اور تقاضے سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن مصروف نظر آرہا ہے، اسی طرح نصاب کی تشکیل میں بھی افراط و تفریط اور غیر ہم آہنگی کا ثبوت دیا جارہا ہے، ہر صاحب مدرسہ چھوٹا ہو یا بڑا، بنین کا ہو یا بنات کا، بقلم خود نصاب تشکیل دے کر اپنی جگہ مگن دکھائی دے رہا ہے کہ میں نے اپنے اس مدرسہ اور تشکیل کردہ نصاب کے ذریعہ امت مسلمہ کی ایک بڑی ضرورت پوری کردی ہے، حالانکہ نصاب کی تشکیل اس سے کہیں بالاتر ہے کہ اسے ایک یا دو آدمی چلتے پھرتے رواروی میں انجام دیدیں، یہ تو نونہالان امت بلکہ معاشرے اور پوری نسل کے ساتھ حد درجہ زیادتی اور ناانصافی ہے اور اگر یہی رویہ برقرار رہا اور اسی روش پر اصحاب مدارس گامزن رہے تو تاریخ شاید ہی ان کو معاف کرے۔ نصاب یا منہج کی تشکیل کے لئے ضرورت ہے کہ سنجیدہ دماغ، تجربہ کار حضرات اور مخلص اہل علم جمع ہو کر ملت کی ضروریات کا زمان ومکان کے اعتبار سے بنظر غائر مطالعہ کریں اس کے بعد کوئی خاکہ تیار کریں، اسی طرح کا نصاب مفید اور قابل قبول ہوسکتا ہے، انفرادی کوشش نہ تو مفید ہوسکتی ہے اور نہ بارآور اور نہ مؤثر۔

عقیدۂ سلف کی تدریس: اہمیت وضرورت

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ عقیدۂ سلف کی تدریس کیوں ضروری ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے؟ تو اس سوال کا جواب میرے خیال میں چنداں مشکل نہیں اور نہ اس کے لئے بہت زیادہ صغری وکبری قائم کر کے نتیجہ نکالنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس حقیقت سے سبھی آشنا ہیں، کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا یا انکار کرنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے کہ عقیدہ کو اسلام میں غیر معمولی اہمیت وخصوصیت حاصل ہے، اور کیوں نہ ہو اسی عقیدہ پر سارے اعمال کا دارومدار ہے، اس کی صحت یا عدم صحت پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال صالحہ کی مقبولیت وعدم مقبولیت موقوف ہے اگر کسی شخص کے عقیدہ میں انحراف یا کجی پائی گئی یا اس میں کسی طرح کی آمیزش رہی تو اس کا کوئی بھی عمل صالح عنداللہ مقبول نہ ہوگا خواہ وہ زندگی بھر نیکیاں ہی نیکیاں کرتا رہے، غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام میں عقیدہ کو وہی حیثیت واہمیت حاصل ہے جو اہمیت وحیثیت انسانی جسم میں سر کو حاصل ہے (سر سے میری مراد مافوق العنق ہے) جسطرح سر کے بغیر کسی جسم کا تصور ناممکن اور محال ہے اسی طرح بغیر عقیدہ کے دین اسلام کا تصور محال وناممکن ہے، اور اگر انسانی سر میں بدصورتی یا ناہمواری پائی گئی تو پورے کا پورا جسم ناقابل التفات سمجھا جائے گا خواہ بقیہ حصہ حسن وجمال کا پیکر ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے برخلاف یہی سر اگر حسن وزیبائش سے آراستہ ہو تو ہر ایک کی توجہ کا مرکز ہوگا خواہ اس کے بقیہ جسم

میں تھوڑی بہت ناہمواری ہی کیوں نہ پائی جائے، مزید برآں یہ کہ جو ربط و تعلق انسانی سر اور جسم کے بقیہ حصہ میں پایا جاتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر عقیدہ و عمل میں ربط و تعلق قائم ہے اور اسی مضبوط ترین ربط و تعلق کی بناء پر قرآن پاک کی بے شمار آیتوں میں ایمان (جو کہ عقیدہ کا صحیح اور اصلی نام ہے) و عمل صالح کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس رعایت کے ساتھ کہ ایمان کا ذکر عمل پر مقدم ہے ایمان و عقیدہ کی اہمیت کو جتانے، اور واضح کرنے کے لئے کہ عمل خواہ کتنا ہی صالح کیوں نہ ہو، ایمان و عقیدہ کی صحت کے بغیر عند اللہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وبشر الذین آمنوا وعملوا الصالحات أن لهم جنت تجري من تحتها الأنهار" (سورۃ البقرہ آیت ۲۵) "والذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئك اصحاب الجنة هم فيها خالدون" (سورہ بقرہ آیت ۸۲) "ولو أنهم آمنوا واتقوا لمثوبة من عند الله خير لو كانوا يعلمون" (سورہ بقرہ آیت ۱۰۳) "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمان ودا" (سورہ مریم آیت ۹۶)۔

جب عقیدہ و عمل کے مابین اس درجہ ربط و تعلق پایا جاتا ہے تو ان لوگوں کا خیال کہاں تک درست ہو سکتا ہے جو عملی احکام اور عقیدہ کے درمیان تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عقیدہ کے ساتھ عمل کا کوئی تعلق نہیں اور نہ عمل کے ساتھ عقیدہ کا کوئی تعلق، اور اسی تفریق کی بنیاد پر ان کے مآخذ و مصادر میں بھی تفریق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عقیدہ قطعی دلائل کی بنیاد پر قائم کیا جا سکتا ہے، اور دلائل قطعیہ وہی ہو سکتے ہیں جو عقل صریح یا کتاب اللہ یا سنت نبویہ متواترہ سے ثابت ہوں، اور احکام کے سلسلے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ دلائل ظنیہ کی بنیاد پر بھی قائم ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان کا ثبوت احادیث غیر متواترہ یعنی آحاد سے بھی ہو سکتا ہے جو کہ ظنی ہوتی ہیں، ان کا یہ نظریہ فلسفہ یونان کی یلغار اور اسی کے نوزائیدہ "علم الکلام" سے اشتغال کا نتیجہ ہے ورنہ کتاب و سنت میں اس قسم کی بات دور دور تک ہمیں کہیں نظر نہیں آتی بلکہ اس کے برخلاف ہی بے شمار دلائل ملتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ شریعت کا کوئی بھی حکم اگر اس کا تعلق عمل سے ہے تو اس کے ساتھ عقیدہ کا پایا جانا ضروری ہے اور اگر اس کا تعلق عقیدہ سے ہے تو اس کے ساتھ بھی عمل کا پایا جانا بعینہ اسی طرح ضروری ہے کیونکہ شریعت نے انسانوں کو عمل کے باب میں تصدیق و یقین کو چھوڑ کر مجرد عمل ہی کا مکلف نہیں بنایا ہے، اسی طرح عقیدہ کے باب میں عمل سے قطع نظر

صرف علم ویقین کا مکلف نہیں بنایا ہے اس کو مثال کے ذریعہ یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص جسمانی ریاضت کے پیش نظر پنج وقتہ نماز ادا کرتا ہے، یا حفظان صحت کی خاطر روزے رکھتا ہے، یا سیر و تفریح کی غرض سے حج پر جاتا ہے، دل میں یہ اعتقاد یا یقین رکھے بغیر کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے اوپر عائد کردہ فرائض ہیں، ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے تو اس کے یہ اعمال کچھ بھی مفید ہو سکتے ہیں ؟؟؟

اسی طرح اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت والوہیت کی معرفت دل میں حاصل ہے لیکن اس معرفت کے مطابق وہ عمل نہیں کرتا تو کیا اس کی یہ معرفت مفید ہو سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں (۱)

یہی وجہ ہے کہ بعض معاصر محققین نے دین کی اس ثنائی تقسیم کی سخت مخالفت کی ہے، اور امت کے لئے اسے ایک سنگین خطرہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے نہایت برے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور ان میں سب سے واضح اثر کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس تقسیم کی بناء پر بہت سے مسلمانوں کے دل و دماغ میں اعتقاد جازم کی حد تک یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ دعوت اسلامی اور رجال سازی کی نبوی تحریک دو مرحلوں میں منقسم ہے، پہلا مرحلہ صحیح عقیدے کی تشکیل اور اس کی تکوین کا مرحلہ قرار دیا جاتا ہے، اور اس مرحلے کی مکی زندگی میں تکمیل ہوئی ہے دوسرا مرحلہ شریعت اسلامیہ کی تنفیذ و تطبیق کا مرحلہ کہا جاتا ہے اور اس مرحلہ کی تکمیل مدنی زندگی میں ہوئی، حالانکہ جو دعوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دی، اور قرآن کریم کا جس طرح نزول ہوا اس کے یہ بالکل برعکس اور مخالف بات ہے، چنانچہ ہمیں قرآن میں ایسی متعدد آیتیں ملتی ہیں جو احکام سے تعلق رکھنے کے باوجود مکہ میں نازل ہوئیں، اسی طرح دوسری متعدد آیتیں ایسی بھی ملتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا عقائد سے تعلق رکھنے کے باوجود مدنی زندگی میں نازل ہوئیں، اس کے لئے موصوف نے سورۂ اسراء کی چھبیسویں آیت سے لے کر پینتیسویں آیت تک، اور سورۂ شعراء کی اڑتیسویں آیت سے بیالیسویں آیت تک، اور سورۂ حدید کی ابتدائی آیتیں بطور مثال کے پیش کی ہیں (۲)

میرے خیال میں اس سے کہیں برا اثر اس تقسیم سے یہ مرتب ہوا کہ بہت سے لوگوں میں خصوصاً برصغیر کے

---

(۱) اس مسئلہ کی تفصیلی بحث کے لئے مختصر الصواعق المرسلۃ، مؤلفہ: علامہ ابن القیم ۲/ ۴۲۰، اور وجوب الاخذ بحدیث الآحاد فی العقیدۃ، مؤلفہ شیخ ناصر الدین البانی کا مراجعہ مفید ہوگا۔

(۲) فی مجال العقیدۃ (نقد و عرض)، مؤلفہ: غازی التوبہ ص ۲۷-۲۹۔

ایک طبقہ کے یہاں یہ بات ذہنوں میں جاگزیں ہوگئی کہ عقیدہ درست ہونا چاہیے عمل چاہے جیسا ہو کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی غفور رحیم ہے، عقیدہ درست ہونے کی بنا پر تمام گناہ معاف کر دیگا یا ہم اس سے معاف کرالیں گے، اس سلسلہ میں بعض نصوص سے استدلال بھی کرتے نظر آتے ہیں، تو ایسا عقیدہ جو نماز سے خالی ہو، زکوٰۃ سے خالی ہو اور ہر طرح کی اخلاقی برائیوں سے آلودہ ہو وہ کہاں تک مفید ہوسکتا ہے؟ میری سمجھ میں اس کی افادیت تو نہیں آتی، ہوسکتا ہے خلود فی النار سے نجات کا باعث بن جائے لیکن دخول فی النار سے ہرگز نہیں نجات دلاسکتا۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک دین کی اس ثنائی تقسیم کی مخالفت اور اس پر برے اثرات مرتب ہونے کی بات ہے، تو ہوسکتا ہے محقق موصوف کسی حد تک اپنی مخالفت میں حق بجانب ہوں کیونکہ اس طرح کی تقسیم عہد نبوی یا عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم میں صراحت کے ساتھ نہیں ملتی۔ لیکن کچھ نصوص ایسے ہیں جن میں اس تقسیم کی جانب اشارہ ضرور ملتا ہے، مثال کے طور پر مشہور و معروف حدیث، حدیث جبریل میں ایمان و اسلام کی جو تعریف و تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اسی طرح دوسری معروف و مشہور حدیث جس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مبلغ و داعی بنا کر یمن بھیجنے کا ذکر ہے، اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین میں جو اسلوب و طریقہ اپنانے کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی۔ اس سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ دین ایمانیات و عملیات یا بالفاظ دیگر عقیدہ و عمل پر مشتمل ہے اور عقیدہ کو بہ نسبت عمل کے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے اس حد تک مربوط ہیں کہ ان کے مابین جدائی ممکن نہیں یا کسی ایک کا بغیر دوسرے کے تصور محال ہے۔ غلط اثرات مرتب ہونے کی جو بات کہی گئی ہے تو اس ثنائی تقسیم کی دین نہیں بلکہ ہماری اپنی کج فہمی یا کم علمی کی بنا پر یہ غلط اثرات مرتب ہوئے ہیں، ورنہ یہ تقسیم ایسی ہے جس سے دین کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں کافی حد تک مدد مل سکتی ہے، اسی طرح موصوف نے عقیدہ کی تکوین و تشکیل و مردم سازی اور تطبیق شریعت کے مرحلہ دار ہونے کی شدت سے جو مخالفت کی ہے اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ عمومیت اور اغلبیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی گئی ہے۔ میرے خیال میں وہ خود اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتے کہ بالعموم مکی زندگی میں مردم سازی اور عقیدہ کی تکوین و تشکیل ہی پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور مدنی زندگی میں عموماً عملی احکام کی تشریع و تطبیق اور تنفیذ پر زیادہ توجہ مرکوز کی گئی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس کے برخلاف آپ کو کوئی ایسا حکم نہیں ملے گا جس کی

تشریع یا نزول مکے میں نہ ہوا ہو، یا یہ کہ عقیدے سے متعلق کوئی بات مدینہ میں نہ نازل ہوئی ہو۔

اسلامی مدارس میں عقیدۂ سلف کی تعلیم وتدریس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ عقیدہ کے ذریعہ افراد کی صحیح تربیت نیز معاشرہ کی اصلاح اور اس کو ہر طرح کے فساد اور برائیوں سے نجات دلانے میں بڑی حد تک مدد مل سکتی ہے بلکہ عقیدہ کے ذریعہ انفرادی واجتماعی زندگی کی کایا پلٹی جاسکتی ہے کیونکہ یہی وہ قوت ہے جو ایک بزدل سے بزدل شخص جو ہر حجر وشجر کے سامنے اپنا ماتھا ٹیکتے ہوئے نظر آتا ہے، معمولی سی حرکت پر مارے خوف کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے لیکن عقیدہ کی قوت ہی اس شخص کو آن کی آن میں شیر دل اور جانباز سپاہی بنا دیتی ہے جو ذات واحد کے علاوہ ہر چیز سے ٹکرانے کے لئے آمادہ اور مستعد نظر آتا ہے، اور اگر کسی کے سامنے وہ اپنی گردن جھکا سکتا ہے تو صرف ذات واحد کے سامنے ہی جھکا سکتا ہے، ورنہ دنیا کی کوئی دوسری طاقت اس کی گردن میں معمولی سا انحناء بھی نہیں پیدا کرسکتی ہے، یہ صرف کہنے کی بات یا زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ تاریخی حقائق وواقعات اس پر شاہد عدل ہیں اور اس کی صداقت وحقانیت کی گواہی دیتے ہیں، آخر وہ کون سی طاقت تھی جس نے عربوں کو جن کے یہاں شراب نوشی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی صرف " فهل أنتم منتهون " کی آواز پر شراب کے مٹکے مدینہ کی گلیوں میں بہا دینے پر مجبور کردیا، یہی نہیں بلکہ وہ جام جو لبوں کے قریب پہونچ چکے تھے وہیں رک گئے، آخر وہ کون سی قوت تھی جس نے انہی عربوں کو جن کے یہاں زناکاری وبدکاری اور دیگر اخلاقی برائیاں عام تھیں جو نہایت جنگ جو وسخت دل تصور کئے جاتے تھے لیکن پل بھر میں ہر طرح کی برائیوں سے اپنا تعلق یکسر ختم کرکے نہایت رحم دل، رقیق القلب اور مثالی قوم بن گئے، آخر وہ کس چیز کی تاثیر تھی جس نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بدر کے موقع پر یہ کہنے پر مجبور کیا (واللہ، یارسول اللہ! لو خضت هذا البحر لخضناه معك) (یعنی اے اللہ کے رسول! قسم ہے اللہ کی اگر آپ اس سمندر میں کود جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے) اور پھر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے سمندر میں اپنے گھوڑے دوڑا کر اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کردیا، اسی طرح وہ کون سی قوت تھی جس نے حضرت عمیر الانصاری رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر میں یہ کہنے پر مجبور کردیا " لئن حييت حتى آكل هذه التمرات إن هذا احياة طويلة " (یعنی اگر مجھے اتنی زندگی ملی کہ ان کھجوروں کو میں کھالوں تو بے شک یہ طویل زندگی ہوگی) یہ کہہ کر انہوں نے کھجور ایک

طرف پھینک دیا اور میدان کارزار میں گھس پڑے اور مکمل جانبازی کے ساتھ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمالیا ؟ اسی طرح وہ کون سی قوت تھی جس نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے موت کو گلے لگانے پر آمادہ کیا۔

ولست أبالي حين أقتل مسلما　　　على أي جنب كان في الله مصرعي

(اگر میں حالت اسلام میں قتل کیا جاؤں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، کسی بھی پہلو پر اللہ کے راستہ میں میری موت ہو)۔

وہ کون سی قوت تھی جس نے اس جاریہ مؤمنہ کو اپنی والدہ محترمہ سے جو اسے دودھ میں پانی ملانے کا حکم دے رہی تھی شب دیجور کی تنہائی میں یہ کہنے پر مجبور کیا " اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم کو نہیں دیکھ رہے ہیں لیکن عمر کا رب تو دیکھ رہا ہے ؟؟؟

وہ طاقت تھی عقیدہ کی، وہ قوت تھی ایمان کی، وہ تاثیر تھی یقین محکم کی جس کا پودا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون جگر سے آبیاری کر کے ان کے دلوں میں لگایا تھا اور اس راستہ میں اپنی جان کو جان نہ سمجھ کر ہر طرح کے آلام و مصائب جھیلے تھے یہاں تک کہ رب عرش عظیم کو یہ کہنا پڑا " فلعلك باخع نفسك على آثارهم إن لم يؤمنوا بهذا الحديث أسفا " (سورۂ کہف آیت ۶) (سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر) آخر کیوں؟ اسی لئے تاکہ اگر عقیدہ کا یہ پودا ان کے دلوں میں جاگزیں ہو کر ایک تناآور درخت کی شکل اختیار کر گیا تو پھر دعوت الہی کے جملہ مراحل آسان سے آسان تر ہو جائیں گے۔

اور یہی وجہ تھی کہ معبد الجہنی، جعد بن درہم اور جہم ابن صفوان سے لے کر ابومنصور ماتریدی وابوالحسن اشعری اور ان کے مابعد تک عقیدہ کے نام پر اٹھنے والی ہر باطل تحریک کا صحابۂ کرام وتابعین عظام سمیت جملہ علماء سلف نے اپنے اپنے عہد میں سختی کے ساتھ نوٹس لیا، اور اپنی زبان وقلم کے ساتھ ہر باطل عقیدے کے سامنے سینہ سپر ہو گئے عقیدے کی قبیل سے کوئی بھی ایسا باطل نظریہ نہیں ہوگا جس کی تردید میں علماء سلف کے شدید ترین اقوال مروی نہ ہوں یا اس کے خلاف دسیوں بیسیوں بلکہ سیکڑوں کتابیں تالیف نہ کی گئی ہوں خواہ وہ قدر کا مسئلہ ہو یا ارجاء کا، حروریت کا مسئلہ ہو یا تشیع کا، رفض واعتزال ہو یا تاویل وتعطیل یا تشبیہ وتحریف ہر باطل

نظریہ کی تردید میں علماء سلف کی بے شمار تالیفات آپ کو ملیں گی، یہ الگ بات ہے کہ کسی کو دن میں بھی رتوندھی ہو جائے تو اس کا کیا علاج ؟ ۔

علماء سلف نے عقیدے کے باب میں اس کی غیر معمولی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر ہی کسی قسم کی کوئی مداہنت یا ذرہ برابر تساہل نہیں برتا، حقیقت تو یہ ہے کہ اگر صحیح اسلامی عقیدہ مسلمانان عالم کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو پل بھر میں اس عالم کا نقشہ بدل سکتا ہے، وہی قوم جو ذلت و مسکنت، تباہی و بربادی کی زندگی گذار رہی ہے لمحہ بھر میں قوت و تمکنت، اور عزت و نخوت میں تبدیل ہو سکتی ہے اور اہل مغرب سمیت جملہ دشمنان اسلام مسلمانوں کی اسی قوت سے لرزہ براندام ہیں اور ہر ممکنہ تدبیر کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے سدباب کی سعی بلیغ میں مصروف ہیں ۔

اگر ہم اپنی نسل کو صحیح تعلیم و تربیت دینے کی خواہش رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے موجودہ معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنانا چاہتے ہیں، جو خلوص و للّٰہیت، ایثار و قربانی، تواضع وانکساری، جہاد و جفاکشی، اخلاق حسنہ سے آراستہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف ہو تو ہمیں عقیدے کی تعلیم و تدریس پر غایت درجہ توجہ دینی ہوگی اور وہ بھی عقیدۂ سلف کی تعلیم، کیونکہ یہی وہ صحیح اسلامی عقیدہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر قائم ہے، ہر قسم کے افراط و تفریط اور غلو و تنقیص سے پاک اور مبرا ہے، وہ ارشاد ربانی : ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ (سورہ بقرہ آیت ۱۴۳) (اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل، تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر) کے عین مصداق ہے جس میں بیرونی عناصر کا کوئی اثر یا اجنبی ثقافت کا کوئی شائبہ یا آمیزش نہیں پائی جاتی، اس کے علاوہ دیگر جملہ عقائد، خواہ وہ اشعری عقیدہ ہو یا ماتریدی، اعتزالی عقیدہ ہو یا حروری، کوئی بھی ہو کلی یا جزوی انحراف سے خالی نہیں وہ سب کے سب بیرونی اثرات اور خارجی عناصر سے متأثر ہیں ان کی بناء کتاب و سنت سے ہٹ کر تعقل پسندی پر رکھی گئی ہے لہذا پروپیگنڈوں اور کھوکھلے دعووں سے مرعوب نہ ہو کر ہمیں صرف اور صرف عقیدۂ سلف کی تعلیم و تدریس پر مکمل توجہ مرکوز کرنی چاہئے، یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عقیدے کی صرف نظری تعلیم چنداں مفید نہ ہوگی بلکہ ہمیں سیرت نبوی اور صحابہ و تابعین سمیت جملہ علماء سلف کے طریقۂ کار سے پورے طور پر استفادہ کرتے ہوئے عقیدے کی ایسی عملی تعلیم و تربیت کا منہج اور اسلوب اپنانا ہوگا جس سے طلبہ کے دل و دماغ میں عقیدۂ سلف اس طرح

پیوست ہو جائے کہ اس کے اثرات ان کے علمی زندگی میں بھی نمایاں ہونے لگیں، معذرت کے ساتھ میں یہاں علامہ ابن خلدون کا ایک قدرے طویل اقتباس آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں، موصوف اگرچہ سلفی منہج کے آدمی نہیں ہیں لیکن انہوں نے تصحیح عقیدہ کا مقصد و مفہوم میری اپنی ذاتی رائے کے مطابق بہت ہی دل نشین انداز میں واضح کیا ہے، موصوف توحید پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"توحید الٰہی میں محض اس ایمان کی کوئی اہمیت یا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جو صرف دلی تصدیق کی بنیاد پر قائم ہو، کیونکہ یہ تو حدیث النفس کی قبیل سے ہے بلکہ کمال توحید یہ ہے کہ مذکورہ ایمان کے ساتھ ایک ایسی صفت کا حصول بھی ہو جائے جس سے نفس مکمل طور سے ہم آہنگ ہو، یہ بالکل ایسے ہی ہے جس طرح جملہ اعمال و عبادات کی بجا آوری کا مقصد بندے کے اندر مکمل اطاعت و فرماں برداری کا ملکہ و جذبہ پیدا کرنا ہے"

اس کے بعد ایک مثال کے ذریعہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بہت سے لوگوں کو اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ یتیموں و مسکینوں کے ساتھ رحم و کرم اور شفقت و مہربانی کا سلوک کرنا شرعی اعتبار سے ایک مطلوبہ عمل اور تقرب الی اللہ کا باعث ہے، اس بات کو علی اعتراف کے ساتھ وہ اپنی زبان سے بھی کہتے ہیں، اس کے شرعی مآخذ اور اس کے دلائل سے بھی واقفیت رکھتے ہیں، اس کے باوجود اگر کسی یتیم و مسکین یا نادار بچے پر ان کی نظر پڑتی ہے تو بجائے اس کے کہ اس پر دست شفقت پھیریں یا اس کے ساتھ عطف و مہربانی کا سلوک کریں، اس سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کی قربت سے انہیں سخت ناگواری محسوس ہوتی ہے (ایسے لوگوں کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ) ان کو یتیموں کے ساتھ رحم و کرم کے مطلوبہ برتاؤ کا علم ہے، مگر اس علم کے مطابق ان کے یہاں وہ صفت نہیں پیدا ہو سکی جس سے ان کا نفس ہم آہنگ ہو، لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں اس بات کا علم و اعتراف ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک باعث تقرب الی اللہ ہے، اس کے ساتھ ہی انہیں ایک دوسرا بلند ترین مقام و رتبہ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ وہ رحم و کرم اور شفقت و محبت کے عملی وصف سے بھی متصف ہوتے ہیں اور انہیں اس کا ملکہ حاصل ہوتا ہے، لہٰذا وہ کسی یتیم و مسکین یا نادار بچے کو دیکھتے ہی ثواب اور تقرب الی اللہ کی نیت سے اس کے سر پر دست شفقت پھیرنے لگتے ہیں اور اسے اپنی آغوش محبت میں لے کر اپنے لطف و کرم سے نوازتے ہیں، اور ہرچند کہ انہیں اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے پھر بھی وہ اس سے باز نہیں رہ سکتے بلکہ ان پر اللہ کے دیئے ہوئے مال سے کچھ نہ کچھ ضرور خرچ کریں گے، بالکل یہی حال علم توحید اور مقتضائے توحید پر

عمل کے وصف سے متصف ہونے کا بھی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ متصف ہونے کی صورت میں اس علم کے اندر مزید قوت کا پیدا ہونا ضروری ہے، اور ایسے علم کی بنیاد مضبوط ترین ہوگی بہ نسبت اس علم کے جو متصف ہونے سے ماقبل حاصل ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ محض علم سے اس کے مقتضی پر عمل کے وصف سے متصف ہونا لازمی نہیں ہے، یہاں تک کہ عمل کا وقوع ہو اور بار بار ہو تو کہیں جا کر اس کے اندر اس وصف کا ملکہ پیدا ہوگا، اور اس کے بعد ہی اس دوسرے علم کا حصول ممکن ہو سکتا ہے جو آخرت میں فائدہ پہونچا سکتا ہے رہا پہلا علم جو اس عملی وصف سے خالی ہوگا تو وہ چنداں سودمند نہیں اور یہی اکثر متکلمین اور اہل نظر کا علم ہے۔" (۱)

عقیدہ کو داخل نصاب کرنے یا اس کی تدریس کے وقت جن پہلوؤں پر بطور خاص نظر رکھنے ضرورت ہے ان میں اہم ترین پہلو یہ ہے کہ انہی کتابوں کو داخل نصاب کرنا ہوگا جو صحیح اسلامی عقائد کی نمائندگی کرتی ہوں اور جن کی خالص کتاب وسنت کی روشنی میں تالیف کی گئی ہو، ان میں کسی طرح کی آمیزش نہ پائی جاتی ہو اس کے بعد جو سب سے اہم اور قابل توجہ امر ہے وہ یہ ہے کہ جزوی مباحث سے پرہیز کرتے ہوئے ایسا جامع نصاب تیار کیا جائے جس کے اندر شمولیت پائی جاتی ہو جو عقائد کے جملہ ابواب کو محیط ہو صرف توحید الربوبیہ یا توحید الأسماء الصفات یا کسی ایک خاص مبحث کو شامل نہ ہو اس کے لئے جملہ مباحث کو تعلیمی سالوں کے مابین تقسیم کیا جاسکتا ہے اور اگر ممکن ہو تو ہر سال معیار کے مطابق عقیدہ کا مضمون داخل نصاب ہونا چاہئے، اور مدرس عقیدے کی تدریس کے وقت ایسا اسلوب و طریقہ طلبہ کے ساتھ اپنائے کہ عقیدہ کا مضمون صرف نظری نہ رہ کر ان کی عملی زندگی میں بھی اس کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگیں اسی کے ساتھ عقیدے کے نصاب کی تشکیل یا تدریس کے وقت مدرسہ میں زیر تعلیم طلبہ ہی مد نظر نہ ہوں بلکہ پوری قوم، پوری ملت اور پورے معاشرے کو سامنے رکھ کر نصاب کی تشکیل یا تدریس ہونی چاہئے اور اگر صحیح معنوں میں ہم معاشرے کے اندر کوئی انقلاب لانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اشد ضروری ہے کہ عقیدہ کا ہمارا نصاب موحد ہو جو کم از کم جماعت کے جملہ مدارس میں جاری وساری ہو۔

(۱) مقدمہ ابن خلدون (ص ۴۶۰، ۴۶۱)

اسلامی مدارس میں عقیدہ کی تدریس : ایک سرسری جائزہ

اس کے بعد جب ہم موضوع کے آخری نقطے کی جانب آتے ہیں اور ہندوستان کے نصاب درس کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں تو نہایت تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر ہم درحقیقت مفید اور نتیجہ خیز تبدیلی کا جذبہ رکھتے ہیں تو ان تلخ حقائق کو سننا اور تسلیم کرنا ہوگا بشرطیکہ وہ درست اور قابل تسلیم ہوں اور ان کے علاج کا طریقہ ڈھونڈنا ہوگا کیونکہ پھوڑا جب پک کر ناسور بننے لگتا ہے تو معالج کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ فاسد مادے کو آپریشن کے ذریعہ نکال پھینکے اور اس کے لئے مریض کو جان لیوا تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہے عقیدے کے تعلق سے جب ہم نے ہندوستان کے قدیم نصاب درس کا جائزہ لینا چاہا تو اس سلسلے میں سب سے زیادہ رہنمائی مولانا حکیم سید عبدالحیٔ (ت: ۱۳۴۱ھ) سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب " ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات " سے ملی۔ آں موصوف نے اس امر پر اظہار افسوس کے ساتھ کہ ہندوستان کی علمی تاریخ نہایت تاریکی میں ہے، اپنی اس گرانقدر کتاب میں ذکر کیا ہے کہ

صحیح طور پر اس بات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ وقتاً فوقتاً نصاب درس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں تاریخ سے اسی قدر سراغ ملتا ہے کہ اس سرزمین میں فاتحان ہند کے ساتھ علم آیا تھا اور جو جو تبدیلیاں عراق وماوراء النہر میں وقتاً فوقتاً ہوتی تھیں اس کا اثر یہاں کے نصاب پر بھی پڑتا تھا، ہندوستان کے نصاب درس کو ہزارہا صفحات میں عرق ریزی کرنے کے بعد چار ادوار میں تقسیم کیا ہے، پہلے دور کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ ساتویں صدی ہجری سے اس کا آغاز سمجھنا چاہئے اور دور چہارم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ بارہویں صدی ہجری میں قائم ہوا اور ملا نظام الدین فرنگی محلی (ت ۱۱۶۱ھ) نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی بنیاد رکھی کہ اب تک باوجود امتداد زمانہ کے ایک شوشہ بھی نہیں کم کیا گیا، آں موصوف نے اپنے دور کی بات کہی ہے آج بھی جب کہ ان کی وفات پر نصف صدی سے زائد عرصہ گذر چکا اور اصلاح نصاب کی مختلف تحریکیں بھی اس مدت میں اٹھیں مگر یہ نصاب جو درس نظامیہ کے نام سے معروف ہے اکثر مدارس میں رائج ہے، میں اس نصاب کی تنقیص یا اس کی اہمیت کو کم کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اسی نصاب کے زیر اثر تعلیم و تربیت پا کر بڑے بڑے علماء و فضلاء نے جنم لیا جنہوں نے دین اسلام کی زبردست خدمت کی لیکن اس نصاب اور اس سے ماقبل تینوں ادوار کے نصاب پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام نصابوں پر معقولات (منطق و فلسفہ) کا تدریجی طور پر کافی اثر رہا یہاں تک کہ جو تھے دور کے نصاب

میں منطق و فلسفہ کی کتابیں ترقی کر کے دس سے بھی متجاوز ہوگئیں جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ صحیح اسلامی عقائد کی کتابیں داخل نہ ہو کر علم کلام کی متعدد کتابیں نصاب میں داخل ہوگئیں کیونکہ یہی وہ فلسفہ ہے جس نے اسلامی عقائد کی صحیح شکل کو مسخ کرنے میں نمایاں کردار کیا ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ علم کلام یونانی فلسفے کا نوزائیدہ ہے اور اسی سے کتاب وسنت کے مقابلے میں علم کلام کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے، علم کلام نے امت اسلامیہ کو کیا دیا اپنی زبان سے کچھ نہ کہہ کر ایک غیر اہلحدیث مؤرخ سید مناظر حسن گیلانی کا ایک اقتباس آپ کے گوش گذار کرنے کی اجازت چاہوں گا لیکن اس سے قبل مفتاح السعادۃ کے حوالے سے فتاویٰ تارتار خانیہ میں علم کلام کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا گیا ہے اسے بھی گوش گذار کرنے کی جسارت کروں گا، چنانچہ کہا گیا ہے: ''إنها تؤدي إلى إثارة الفتن والبدع وتشويش العقائد أو يكون الناظر فيه قليل الفهم أو طالباً للغلبة لا للحق''

(علم کلام کے مسائل سے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور نئی باتوں اور بدعات کو برانگیختہ کرتا ہے، عقائد میں ان سے پراگندگی اور پریشانی پھیلتی ہے، یا کلامی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے عموماً کم سمجھ ہوتے ہیں یا ان کا مقصود تلاشِ حق نہیں بلکہ صرف دوسروں کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کرنا ہوتا ہے)

فتاویٰ تاتارخانیہ کی اس رائے کو نقل کرنے کے بعد سید صاحب اس کی تائید میں رقم طراز ہیں:

''تجربہ بتا رہا ہے کہ کلامی مباحث جس زمانہ میں بھی کسی ملک میں چھڑے ہیں بجز فتنوں کی پیدائش اور نئے نئے خیالات نئی نئی موشگافیوں کے علاوہ اس کا حاصل کسی زمانہ میں بھی کچھ نکلا ہے؟ ''غیبی حقائق'' یعنی جن سے عموماً علم کلام میں بحث کی جاتی ہے مثلاً عذاب قبر، حشر و نشر، الجنۃ والنار، معادیات کے سلسلے میں یا حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے مسائلِ مبدأ میں ان کے متعلق صاف اور سیدھا راستہ یہی ہوسکتا ہے کہ پیغمبر کو سچا مان کر پھر جو کچھ پیغمبر ان غیر محسوس غیبیات کے متعلق علم عطا کرتے چلے جائیں، بغیر کسی ترمیم اور اضافے کے آدمی اس کو مانتا چلا جائے جو صحابہ کا حال تھا ورنہ دوسری رائے یہ ہے کہ سرے سے پیغمبر کے دعوی نبوت ہی کا انکار کر دیا جائے لیکن پیغمبر کو سچا بھی مانتے چلے جانا اور ہر وہ علم جو پیغمبر عطا کرتے ہوں اس میں شک اندازی بھی کرتے رہنا سوچنے کی بات ہے کہ بلادتِ فہم، قلت عقل کے سوا اسے اور کیا کہا جاسکتا ہے یا پھر وہی بات ہوتی ہے کہ بعض ناپاک و نجس اغراض کو سامنے رکھ کر لوگ ان مباحث میں اس لئے الجھتے ہیں تاکہ اپنی ذہانت کی داد لیں، انشاء کا زور دکھا کر عوام کو احمق بنائیں جس کا تماشہ آج ہم ان رسائل و اخبارات میں دیکھ رہے ہیں جنہوں نے اس قسم کے

مذہبی مسائل کو اپنا تختۂ مشق بنا رکھا ہے کبھی جنت کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے کبھی ملائکہ کا کبھی عرش کا کبھی کرسی کا، کیا تفوق کے سوا ان لوگوں کے سامنے تلاشِ حق کا واقعی کوئی جذبہ ہوتا ہے ؟ " (۱)

اگر ہم مذکورہ چاروں ادوار میں عقیدہ (جو علم کلام کے نام سے موسوم کیا جانے لگا تھا) سے متعلق داخلِ نصاب کتابوں کی فہرست بنانا چاہیں تو کچھ اس طرح بنتی ہے :

۱۔ پہلا دور : (ا) شرح الصحائف (المعارف فی شرح الصحائف) للسمرقندی : شمس الدین محمد بن أشرف الحسینی (متوفی بعد ۶۹۰ ھ)۔ (ب) التمہید فی بیان التوحید لأبی شکور محمد بن عبد السعید شعیب الکبشی السالمی الحنفی ۔

۲۔ دوسرا دور : (ا) شرح المواقف فی علم الکلام للسید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت ۸۱۶ ھ) (ب) شرح العقائد النسفیۃ لسعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی (متوفی ۷۹۱ ھ)

۳۔ تیسرا دور : (ا) شرح العقائد النسفیۃ مع حاشیۃ الخیالی : شمس الدین احمد بن موسی الرومی الحنفی (متوفی بعد ۸۶۰ ھ) (ب) شرح المواقف ۔

۴۔ چوتھا دور : (ا) شرح العقائد النسفیۃ ۔ (ب) شرح العقائد جلالی ۔ (ج) حاشیۃ میر زاہد علی شرح المواقف : لمحمد زاہد بن محمد اسلم الحسینی الهروی (ت ۱۱۰۱ ھ) (د) شرح المواقف ۔

اس فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جس طرح منطق و فلسفہ کی کتابیں بتدریج ترقی کرتے ہوئے آخری دور میں دس سے بھی متجاوز ہو گئی تھیں تقریباً اسی طرح عقیدہ موسوم بعلم الکلام بتدریج ترقی کرتے ہوئے دو سے چار تک پہونچ گئی تھیں جو کہ کثرت انشغال فلسفہ کا لازمی نتیجہ تھا یہ تمام کتابیں سلفی عقیدے کی نہیں بلکہ اشعری و ماتریدی عقائد کی نمائندگی کرتی ہیں ، اشعری یا ماتریدی عقیدہ کیا ہے ؟ میرے خیال میں اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور نہ یہ اس کا مقام ہے لیکن مختصراً اتنا ضرور عرض کر دوں گا کہ اشعریت علامہ ابوالحسن الأشعری علی بن اسماعیل (مولود ۲۶۰ ھ متوفی ۳۲۴ ھ) کی طرف منسوب ہے ، آپ کی زندگی کے تین مراحل ہیں پہلے مرحلہ میں آپ ایک زبردست معتزلی عالم تھے ، اپنے استاذ ابوعلی محمد بن عبدالوھاب الجبائی (ت ۳۰۳ ھ)

---

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۱۹۸–۲۰۰

سے مناظرہ کے بعد مسلک اعتزال کو ترک کرکے ابن کلاب ابو محمد عبداللہ بن سعید (متوفی بعد ۲۴۰ھ) جس کی جانب طائفۂ کلابیہ اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے کے مسلک کو اختیار کیا، کچھ عرصہ اس مسلک پر قائم رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک سلفی عالم، محدث بصرۃ ابو یحیي زکریا بن یحیي الساجی (ت ۳۰۷ھ) کے ہاتھوں آپ کو ہدایت دی، چنانچہ آپ نے طریقۂ کلابیہ کو بھی چھوڑ کر مسلک سلف کو اختیار کرلیا اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے۔[1] لیکن عجب ستم ظریفی یہ ہے کہ اشاعرہ نے آپ کی نسبت سے جو مسلک اختیار کر رکھا ہے وہ آپ کی زندگی کے درمیانی مرحلہ کا مسلک ہے جس سے آپ تائب ہوگئے تھے لیکن یہ لوگ آپ کے آخری سلفی مرحلہ کو تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ تاریخی ناحیے سے اتنے وافر مقدار میں ثبوت موجود ہیں جو اس کو ایک ناقابل انکار حقیقت کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

اور ماتریدیہ ابو منصور الماتریدی محمد بن محمد بن محمود الحنفی (ت ۳۳۳ھ) کی طرف منسوب ہے، ایمان کے سلسلے میں یہ اپنے منفرد قول سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں، درحقیقت اشعریت اور ماتریدیت دونوں ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں بعض مسائل میں ان کے مابین معمولی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن واقعتاً یہ دونوں نظریئے اعتزال کے جدید ایڈیشن کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں عوام کو دھوکہ دینے کی خاطر یا ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے بعض نصوص شرعیہ کا بھی سہارا لیا گیا ہے، ہندوستان کے احناف عموماً ماتریدیہ سے اپنا ناطہ جوڑتے ہیں، یہ بھی ایک نہایت مضحکہ خیز بات ہے کہ فروع میں امام ابو حنیفہؒ کی تقلید، اصول میں ابو منصور ماتریدی، یا ابوالحسن اشعری کی تقلید اور اگر سلوک وطریقت کی بات کی جائے تو کسی تیسرے شیخ طریقت کی تقلید، اور دعویٰ ہے نبی کریمؐ کی رسالت ونبوت پر ایمان کا، یہ کیسا چوں چوں کا مربہ دین بنا ڈالا ہے لوگوں نے؟؟ لیکن یہاں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا ہوگا کہ اشعریت اور اس کی اخیافی بہن ماتریدیت کو امت کے اندر غیر معمولی فروغ حاصل ہوا حتی کہ بڑے بڑے شراح حدیث اور علماء وفضلاء دین بھی اشعریت کے پھندے میں آگئے، اور عوام وخواص میں یہ تصور عام ہوگیا کہ یہی اہل سنت والجماعت یا سلف کا عقیدہ ہے (ولکن شتان ما بینهما فأین الثریٰ من الثریا) اشعریت کے رواج اور اس کے انتشار کے اسباب کا علامہ مقریزی نے اپنی مشہور ومعروف وما یہ ناز کتاب "الخطط"

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۱۴/۹۸، وأبو الحسن الأشعري وعقيدته مولفه شیخ حماد الأنصاری، وأبو الحسن الأشعري بين المعتزلة والسلف (ص ۳۹-۴۷) مولفه هادی بن احمد طالبی۔

کے اندر تفصیلی جائزہ لیا ہے اس سلسلے میں تفصیلی بحث کے لئے اس کتاب کا مراجعہ مفید ہوگا، انتشار کے مختلف اسباب وعوامل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فاطمی حکومت کے بڑھتے ہوئے خطرات کا سد باب کرنے کے لئے عباسی خلیفہ قادر باللہ نے متعدد احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں، انہی تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ ۴۳۳ھ میں میں اس نے ایک فرمان "فرمانِ قادری" کے نام سے جاری کرکے علماءِ امت پر عقیدۂ اشعریہ کو لازم اور ضروری قرار دیدیا تھا، اس فرمان میں خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سخت سزائیں مقرر کی گئی تھیں۔ (۱)

ہوسکتا ہے وقتی طور پر فاطمی تشیع کے امڈتے سیلاب کو روکنے کے لئے یہ کارروائی مناسب رہی ہو، لیکن آگے چل کر اسی اشعریت نے امت کے اندر جب رواج پالیا تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ یہ غور کرنے کی چیز ہے۔

جب ہم ہندستان کی سطح پر کتب اشاعرہ اور ماتریدیہ کے رواج وانتشار سے مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

۱۔ چونکہ ان کتابوں میں عقل کو غیر معمولی اہمیت اور غایت درجہ اونچا مقام دیا گیا ہے حتی کہ عقل کو کتاب و سنت پر بھی فوقیت حاصل ہوگئی ہے، اسی لئے لوگوں کے دلوں میں نصوص شرعیہ کا تقدس اور کتاب وسنت کی ہیبت وہیمنت دھیرے دھیرے ماند پڑتی گئی جس کے نتیجے میں ایسے افراد یا جماعتیں ظہور پذیر ہوئیں جنہوں نے سنتِ نبویہ کے صحیح اور ثابت شدہ نصوص کا بڑی ہی جرأت اور دیدہ دلیری کے ساتھ انکار کردیا، چونکہ کتاب اللہ کے نصوص کا وہ انکار کر نہیں سکتے تھے، اس لئے ان کی حسب منشا تاویل وتحریفِ معنوی سے کام لیا اور تاویل کا سبق بھی انھیں کتابوں نے دیا ہے، اسلام میں جس طرح عقل کو مہمل نہیں قرار دیا گیا ہے بالکل اسی طرح اسے بے لگام بھی نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ اس کے لئے کچھ حدود مقرر کردیئے گئے ہیں جن کے دائرے میں رہ کر ہی انسان عقل کو بروئے کار لاسکتا ہے۔

۲۔ اسی طرح ان کتابوں میں توحید کے باب میں صرف توحیدِ ربوبیۃ کے اثبات پر پوری طاقت صرف کی گئی ہے توحید الالوھیہ یا شرکیہ امور کی بالتفصیل یا بغیر تفصیل کچھ بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے لہذا کچھ عجب نہیں کہ مسلم معاشرے میں شرک کے بے شمار واضح مظاہر جو دیکھنے میں آرہے ہیں ان میں مذکورہ کتابوں کے اسی قصور کا زیادہ دخل رہا ہو

---

(۱) مقدمہ مقالات الاسلامیین، از محمد محی الدین عبدالحمید ص ۲۶-۲۷ والمنتظم لابن الجوزی ۸/۱۰۹۔

اور توحید الاسماء والصفات کے باب میں ان کتابوں کا جو غیر منصفانہ وغیر عادلانہ منہج رہا ہے وہ سبھی کے نزدیک معروف ومشہور ہے۔

۳۔ ان کتابوں میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، عموماً وہ مدافعانہ طرز کا ہے اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جو قوم ہمیشہ دفاعی پوزیشن میں رہتی ہے وہ کبھی ترقی کے مراحل نہیں طے کر سکتی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کے اندر صدہا برس حکومت کی، اسکے بعد بھی اقلیت ہی میں رہ گئے۔

۴۔ مسلم معاشرے میں فسادِ عمل یا اخلاقی برائیوں کی کثرت کا جو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کوئی بعید نہیں کہ اس میں بھی ایمان سے متعلق ابو منصور ماتریدی کے پھیلائے ہوئے نظریئے کا دخل ہو جس کا کہنا ہے کہ ایمان مجرد تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔

۵۔ ان کتابوں نے عوام پر کیا اثر چھوڑا ہے اس کی وضاحت کے لئے ایک نہایت معمولی مثال دیتا ہوں ہوا یوں کہ میرے بڑے بھائی کی انہی کے ہم پیشہ ایک صاحب سے شناسائی تھی جو معمولی پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے، مسلکاً وہ حنفی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور انہوں نے مسلک اہل حدیث اختیار کر لیا تھا کسی دن اثناء گفتگو بھائی صاحب نے اللہ تعالیٰ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ اوپر والا جانے یا اسی معنی کا کوئی ایسا جملہ استعمال کر دیا جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی فوقیت ثابت ہو رہی تھی تو ان کے شناسا نے نہایت ہی سنجیدگی ورنجیدگی کے ساتھ بھائی صاحب کو سمجھانا شروع کر دیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی شان میں بہت ہی غلط جملہ استعمال کر دیا ہے، توبہ کیجئے، اب ہرگز ہرگز اس قسم کا جملہ زبان پہ نہ لایئے گا اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ ہے وہ صرف ایک جہت میں کیسے رہ سکتا ہے، آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کو یہ فکر کہاں سے حاصل ہوئی۔

۶۔ ان کتابوں کا واضح اثر برصغیر کے علماء اہل حدیث پر بھی بڑی حد تک پایا جاتا ہے ہرچند کہ وہ اپنے آپ کو کتاب وسنت، نصوص شرعیہ اور علماء سلف سے مربوط رکھنے کی بجا کوشش اور دعویٰ کرتے ہیں پھر بھی اگر کلّی طور پر نہیں تو جزوی طور پر وہ اشعریت سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے باوجود کہ انہوں نے توحید الالوھیہ کی ترویج واشاعت اور شرک وبدعات کا قلع قمع کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے اور قابل شکر ولائق تحسین خدمات انجام دی ہیں لیکن توحید الاسماء والصفات میں کتب کلامیہ اور اشعری منہج سے متأثر نظر آتے ہیں، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اس باب میں ان کا موقف موحد نہیں ہے، یعنی ان کے موقف میں وحدانیت نہیں پائی جاتی حالانکہ دوسرے

امور کی طرح اس باب میں بھی ان کا ایک ہی موقف رہنا چاہیئے تھا لہذا کچھ تو ایسے نظر آتے ہیں جو مکمل طور سے اشعری عقیدے کے حامی و مؤید ہیں اور کتب کلامیہ کے تقدس کے قائل ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو عدم تثبت اور عدم رؤیت صحیحہ کی بنا پر تذبذب کا شکار دکھائی دیتے ہیں، تفویض اور عقیدۂ سلف کے مابین عدم امتیاز کی کی وجہ سے تفویض ہی کو سلف کا مسلک تصور کرتے ہوئے اسی کو ترجیح دیتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو عقیدۂ سلف اور عقیدۂ اشعریہ یا دیگر عقائد کو الگ الگ منہج فکر گردانتے ہوئے کسی ایک کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے اوپر علماء اشاعرہ کا اتنا زیادہ رعب یا ہیبت طاری ہے کہ ان کے خلاف زبان کھولتے ہوئے ڈر محسوس کرتے ہیں، اور یہ تمام باتیں کوئی بہت زیادہ خلاف توقع نہیں کیونکہ اہل حدیث مدارس میں بھی اس صدی کے نصف اول تک عقیدے کے نام پر وہی کچھ رائج تھا جو دیگر مدارس میں رائج تھا جس کا لازمی نتیجہ وہی ہونا تھا جو بیان کیا گیا۔

اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ سرخیل جماعت علامہ نواب صدیق حسن خاں سے بعض نجدی علماء کے مراسم ہو گئے تھے، جنہوں نے فتح البیان میں بعض آیات کی نشاندہی فرمائی تھی جن کی علامہ موصوف نے اشعری منہج کے مطابق تفسیر کی تھی۔ اور اس سلسلے میں دونوں عالموں کے مابین مراسلت ہوئی، آخر میں نواب صاحب پر حقیقت آشکارا ہو گئی، اور انہوں نے عقیدۂ سلف کو اچھی طرح سمجھ لیا، اور سلف کے منہج پر عقائد کی بعض کتابیں بھی تصنیف کیں، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس مراسلت کے آثار نواب صاحب تک ہی محدود رہے، کیونکہ اس وقت کے عام اہلحدیث علماء میں یہ منہج رائج ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔

البتہ انفرادی طور پر کچھ لوگ ایسے ملتے ہیں جنہوں نے وقت کے عام رواج سے ہٹ کر اسماء وصفات میں بھی منہج سلف کو اختیار کر رکھا تھا، اس کے لئے روپڑی خاندان کا حوالہ دیا جا سکتا ہے، اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن مبارکفوری صاحب تحفۃ الاحوذی کے یہاں بھی بعض ایسی تصریحات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عقیدہ کے باب میں منہج سلف سے بڑی حد تک آگاہی حاصل تھی، تثبت کے لئے فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳ و ۴۔ اور مولوی عبدالکبیر عبدالقوی سلمہ اللہ کا مقالہ (ص ۱۴) دیکھا جا سکتا ہے، ان کے علاوہ بعض دیگر علماء اہل حدیث انفرادی طور پر منہج سلف سے آگاہ رہے ہوں گے جن کے بارے میں بروقت ہمیں علم نہیں ہو سکا۔

اسی طرح اگر آپ اہل حدیث معاشرے کے اندر گھس کر اندازہ لگائیں گے تو آپ کو ان کے یہاں بھی جابجا

عقیدہ کا جھول نظر آئے گا، اس کو عقیدہ کا جھول نہیں کہیں گے تو آخر کیا کہیں گے کہ معاشرے کے اندر کوئی عورت اگر شکل وصورت کے اعتبار سے قبولیت کے درجہ کی نہیں ہے بلکہ بدشکل ہے تو اس کو چڑیل یا (ڈونہن) کا نام دیدیا جاتا ہے اور عجیب وغریب اور مافوق العادۃ حکایات اس مسکینہ کے حق میں گھڑ کر لوگوں کے دلوں میں اس کی جانب سے خوف وہراس ڈال دیا جاتا ہے، اور اسے اس حد تک مافوق الفطرۃ تصرف کی قوت دیدی جاتی ہے کہ جس سے وہ اپنی انسانی شکل بدل کر کوئی دوسری شکل اختیار کرسکتی ہے اور لوگوں کو مختلف انداز سے اور غیر مباشر طریقے سے اذیت میں مبتلا کرسکتی ہے، جاحل ہی نہیں بلکہ مسند مشیخت پر فائز علماء بھی اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں، یہی نہیں بلکہ اس جیسی یا اس سے کہیں زیادہ گمراہ کن بے شمار خرافات آپ کو اہلحدیث معاشرے میں ملیں گی جو صراحۃً بدعقیدگی کی علامت ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنے عقیدے کی صحت کا ڈھول پیٹتے رہیں، حقائق کی دنیا میں گھس کر دیکھیں گے تو وہاں ہم کو کچھ اور ہی نظر آئے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ صحیح عقیدے پر ان کی نشو ونما اور تربیت نہ ہونے کی بناء پر اس کی کما حقہ معرفت ان کو حاصل نہیں ہوسکی ہے۔

اس صدی کے اوائل میں درس نظامی کے خلاف مختلف آوازیں اٹھنے لگیں تھیں، اور اسے زمانے اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے غیر مفید اور ناقص تصور کیا جانے لگا تھا، جس کے نتیجے میں دار العلوم ندوۃ العلماء وجود میں آیا اور وقت کے لحاظ سے ایک جامع ومانع نصاب تیار کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ان مصلحین کی نظر میں سب سے زیادہ اہم چیز جو تھی وہ یہ کہ عربی زبان وادب کا ایک ایسا معیاری کورس تشکیل دیا جائے جو عربی زبان وادب کے اعتبار سے کامل ترین افراد تیار کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو کیونکہ اسی کے ذریعہ کتاب وسنت کا صحیح فہم حاصل ہوسکتا ہے اپنے اس خیال میں وہ کہاں تک حق پر تھے؟ یہ ایک مستقل غور طلب مسئلہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین زبان وبیان کے اعتبار سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے ان کی عربی دانی میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے، لیکن کلام پاک کی بہت سی آیتوں میں وہ غلط فہمی کا شکار ہوئے یا انہیں اشکال نظر آیا، چنانچہ صحابہ کرام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کرنی پڑی اور آپ نے ان کی تصحیح فرمائی، اسی طرح تابعین عظام کو اپنے اساتذہ صحابہ کرام کی طرف رجوع کرنا پڑا اور انہوں نے اس کی تصحیح فرمائی تو آج کے زمانے میں علماء سلف سے ناطہ جوڑے بغیر صرف عربی زبان پر قدرت اور عربی دانی کے بل بوتے پر کتاب وسنت کے فہم سلیم کا کوئی کیونکر دعویٰ کرسکتا ہے؟ اور جن لوگوں نے بھی اس طرح کی جسارت کی نہایت

فاش غلطیوں کے مرتکب ہوئے، اور انھیں بڑی بڑی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔

بہر حال اصلاح و ترمیم کے بعد ندوۃ العلماء کی جانب سے جو نصاب منظر عام پر آیا اس میں ایک خوش آئند بات ضرور تھی کہ معقولات کے نام پر جو غیر معقول چیزیں درسیات میں داخل تھیں انھیں خارج کر دیا گیا لیکن عقیدۂ سلف سے متعلق کتنی کتابیں داخل نصاب کی گئیں اس جانب سے انہوں نے امت کو بڑی حد تک مایوس کر دیا پھر بھی درجۂ عالیہ کے سال اول میں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب التوحید" ہفتہ میں دو گھنٹی اور سال دوم میں "العقیدۃ السنیۃ شرح العقیدۃ الحسنۃ" مؤلفہ شاہ ولی اللہ الدھلوی رحمہ اللہ ہفتہ میں ایک گھنٹی، اور سال چہارم میں شاہ ولی اللہ دھلوی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں سے استاذ فن کے تیار کردہ نوٹ ہفتہ میں دو گھنٹیوں کے حساب سے داخل نصاب کی گئیں۔ عقیدہ کے نام پر یہی کل اثاثہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے جملہ مراحل میں شامل نصاب ہے جیسا کہ اس کے ۱۹۸۶ء کے مطبوعہ نصاب تعلیم سے پتہ چلتا ہے، ہفتہ کی ایک یا دو گھنٹیاں اور پھر شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابیں عقیدے کی مناسب تعلیم کے لئے کہاں تک مفید ہو سکتی ہیں اس کو واضح کرنے کی ضرورت نہیں، اور اکابرین ندوہ سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کا ترمیم شدہ نصاب کہاں تک مقبول ہوا؟

جہاں تک میں سمجھتا ہوں شاید ہی ندوہ کی چہار دیواری سے نکل کر یہ نصاب دوسرے مدارس میں رائج ہوا ہو، ہو سکتا ہے جن مدارس کا الحاق ندوہ سے ہو یا جن کو ندوہ کی شاخ کی حیثیت حاصل ہو زیادہ سے زیادہ انہی میں یہ نصاب پڑھایا جاتا ہو ورنہ احناف کے اکثر و بیشتر مدارس میں اب بھی درس نظامیہ علی حالہ پڑھایا جاتا ہے۔

ہاں کچھ ایسے مدارس بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں "یقادون الی الجنۃ بالسلاسل" کے مصداق اور سعودی جامعات سے روابط مضبوط کرنے کی خاطر منہج سلف پر تیار کی ہوئی کتابوں کو درسیات میں شامل کیا گیا ہے لیکن یہ خال خال مدارس ہی میں ملتا ہے۔

جہاں تک اہل حدیث مدارس کا تعلق ہے تو جیسا کہ سابقہ سطور میں واضح کیا گیا کہ موجودہ صدی کے نصف اول تک بلکہ اس کے بعد بھی تقریباً جملہ مدارس میں درس نظامیہ ہی مختصر حذف و اضافہ کے ساتھ جاری و ساری تھا لیکن یہ حذف و اضافہ علم کلام کی کتابوں میں شامل نہیں تھا بلکہ وہی کتابیں بعینہ داخل نصاب تھیں جن کا پہلے

ذکر کیا جا چکا۔

اس سلسلے میں جامعہ سلفیہ بنارس کو یہ سبقت حاصل ہے کہ اس نے بہت پہلے سے ہی علم کلام کی کتابوں سے اپنے نصاب کو پاک کر لیا تھا، اور عقیدۂ سلف کی تعلیم و تدریس کو اپنا مطمح نظر بنا لیا، اور اسی کی تحریک پر دیگر اہل حدیث مدارس میں بھی عقیدۂ سلف کی تعلیم شروع ہو گئی جو ایک نہایت لائق تحسین اور قابل شکر اقدام ہے، لیکن کیا ان اہل حدیث مدارس میں عقیدۂ سلف کی موجودہ تعلیم اور طریقۂ تعلیم اطمینان بخش ہے؟ یہ ایک ایسا چبھتا ہوا سوال ہے جس پر جملہ ذمہ داران مدارس اور ماہر اساتذۂ فن کو پوری وسعت قلبی کے ساتھ غور اور تبادلۂ خیال کرنا ہوگا۔

میں نے جہاں تک دیکھا اور سمجھا ہے (ہمہ دانی اور علم و معرفت کا دعویٰ کئے بغیر) تو اسی نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ہمارا نصاب تعلیم عموماً متناقض کتابوں کا مجموعہ ہے، اور عقیدے کی موجودہ تعلیم بڑی حد تک غیر منظم اور ناقص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طالب علم کسی ایک میدان میں پختگی حاصل کئے بغیر ذہنی انتشار و کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے، اگرچہ مسلکی دباؤ یا کسی دوسرے سبب سے وہ اپنے ذہنی انتشار کا برملا اظہار نہیں کر پاتا ہے، لیکن یہی حقیقت ہے اور اسی بنا پر اس کے دل و دماغ میں منہج سلف یا سلفی فکر جاگزیں نہیں ہو پاتا، اور وہ ہر طرح کے فکری سیلاب کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔

لہذا ہمیں اپنے نصاب کو اس قسم کے تناقضات سے پاک کرنا ہوگا، اور ایسے نصاب کی تشکیل دینی ہوگی جو مختلف علوم و فنون پر مشتمل تو ہو لیکن کتابیں ایسی داخل کی جائیں جو ایک دوسرے کی معاون و مددگار ہوں، ان کے مابین منہجی و فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہو۔ کیا ہمارا طالب علم عقیدے کے اعتبار سے اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ اسے بیک وقت شرح العقیدۃ الطحاویہ اور تفسیر بیضاوی جیسی کتابوں کی تعلیم دی جائے ؟؟؟

میں یہ نہیں کہتا کہ علم و معرفت اور وسعت اطلاع کے لئے علم کلام یا منطق و فلسفہ کی تعلیم قطعی ممنوع و ناجائز یا غیر سودمند ہے کیونکہ جملہ علوم و فنون کسی نہ کسی اعتبار سے مفید ہوتے ہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ شرعی اعتبار سے ضروری علوم و فنون میں معرفت و پختگی حاصل کئے بغیر علم کلام اور منطق و

فلسفہ کی تعلیم نقصان دہ اور ضرر رساں ہو سکتی ہے۔

یہ تھیں عقیدۂ سلف کی تدریس اور اس کی اہمیت و جائزہ سے متعلق چند غیر مربوط و غیر منظم اور پراگندہ باتیں جن کو بعجلت تمام سپرد قلم کیا گیا ہے، لہذا اسے ایک علمی یا فکری مقالہ کی حیثیت نہ دے کر دل کے احساسات یا خواطر نفس کا نام دینا زیادہ موزوں ہوگا، اس میں علمی اعتبار سے بعض خامیاں بھی ہو سکتی ہیں، بعض نقاط سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس قسم کی مجالس مذاکرہ اور ان میں مختلف آراء و خیالات کے تبادلہ اور مناقشہ سے بیماریوں کے علاج اور راہ عمل متعین کرنے میں کافی مدد اور تعاون مل سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے ریاء و نمود سے بچاتے ہوئے خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے، عقیدۂ و عمل دونوں میدانوں میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ...

(ڈاکٹر) رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

دعوتی ذمے داریاں اور موجودہ مدارس دینیہ
ایک جائزہ

مولانا عبدالسلام رحمانی
جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، گونڈہ۔

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على محمد سيد المرسلين وعلى آله وصحبه ومن اهتدى بهديه الى يوم الدين۔ امابعد:

آج کی یہ مجلس ایک بحث و مذاکرہ کی مجلس ہے جس کا بنیادی موضوع ہے "مدارس عربیہ کی دعوتی ذمے داریاں" جس پر مذاکرہ یقیناً وقت کی ایک اہم ضرورت ہے بشرطیکہ یہ مثمر و بارآور ثابت ہو۔ اور یہ مجلس مذاکرہ فقط برائے مذاکرہ بن کے نہ رہ جائے۔

دعوت الی اللہ و اصلاح امت اس امت مسلمہ کی امتیازی خصوصیت قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "كنتم خير أمة أخرجت للناس، تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران آیت ۱۱۰) اے امت محمدیہ! تم سب سے بہترین امت ہو جو انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لائے گئے ہو۔ تمہارا شعار یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہو اور بدی سے انھیں روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو "خیر امت" کہا ہے۔ اور اس سے پہلے سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ میں اسے "امت وسط" قرار دیا ہے۔ یہ حقیقت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو بتایا جارہا ہے

کہ دنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی بدعملی و نااہلی کے سبب معزول کئے جاچکے ہیں اس پر اب تم مامور کئے گئے ہو اس لئے کہ اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو۔ اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لئے ضروری ہیں یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ و عمل، اور اللہ وحدہٗ لاشریک کو اعتقاداً و عملاً اپنا الٰہ و رب تسلیم کرنا۔ لہذا اب یہ کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اور تمہیں لازم ہے کہ اپنی ذمے داری کو سمجھو اور ان غلطیوں سے بچو جو تمہارے پیش رو بنی اسرائیل کر چکے ہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے یہ مقام و منصب جیسا کہ مذکور ہوا پہلے بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و انّی فضّلتکم علی العالمین" (آیت ۱۲۲) ۔ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے پہلے بنی اسرائیل کو اس وقت تک کی سب امتوں پر فضیلت دی تھی، مگر جب انہوں نے اس منصب کا حق ادا نہ کیا تو اس سے معزول کر دئے گئے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ وہ عند اللہ دنیا کی مغضوب علیہ قوم بنا دئے گئے۔

علماء کرام کو اس تاریخی حقیقت کا یقیناً علم ہو گا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لئے مقرر فرمایا تھا اور خود ان سے اپنی کامل اطاعت کا عہد لیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت و فرماں برداری کی اور عراق سے مصر تک، اور شام و فلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرماں برداری یعنی اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ یہی خدمت تھی جس کے لئے وہ دنیا کے امام و پیشوا بنائے گئے۔ اور اسی خدمت پر انہوں نے اپنی اولاد کو مامور کیا۔

حضرت ابراہیم کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں۔ ایک حضرت اسماعیل کی اولاد۔ دوسرے حضرت اسحاق کی اولاد، جن میں حضرت یعقوب، یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ اور بہت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل تھا اس لئے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد امامت کا یہ منصب ان کی نسل کی اسی شاخ کو ملا جو حضرت اسحاق و حضرت یعقوب سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی میں انبیاء پیدا ہوتے رہے۔ اسی کو راہ راست کا علم دیا گیا۔ اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ خود راہ راست پر قائم رہ کر اسی راہ راست کی طرف اقوام عالم کی رہنمائی کرے۔ اور یہی وہ نعمت ہے جسے اللہ تعالیٰ اس آیت میں بنی اسرائیل کو یاد دلا رہا ہے۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب بنی اسرائیل خود اس راہ راست سے بھٹکتے گئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری پر صحیح طریقے سے قائم نہ رہ سکے۔ نہ اسکی طرف عالمگیر دعوت کی وہ ذمے داری نباہ سکے جو اللہ نے ان کے سپرد کی تھی، اور نزول قرآن کے دور تک توان میں۔ خاص کر ان کے علماء میں۔ بڑا بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ ان میں دین کی محبت اور دعوت و اصلاح کے جذبہ سے بڑھ کر دنیا اور دولت دنیا کی محبت اور جاہ و منصب کا حرص پیدا ہو چکا تھا۔ وہ دولت دنیا سے دین کا سودا تک کرنے لگے تھے۔ ان کے علماء وعوام کی جو کیفیت اس وقت ہو چکی تھی قریب قریب وہی کیفیت آج امت محمدیہ کے بیشتر علماء و عوام میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جب ان کی دینی حالت میں یہ زوال آیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں امامت کے اس منصب سے معزول کر دیا۔ کیونکہ امامت کوئی ابراہیم علیہ السلام کے نطفے کی میراث نہ تھی بلکہ یہ اس سچی اطاعت و فرماں برداری کا ثمرہ تھا جس میں اللہ کے اس بندے نے اپنی ہستی کو گم کر دیا تھا۔ اور اس منصب کے مستحق حقیقت میں وہی ہو سکتے ہیں جو ابراہیم کے طریقے پر خود چلیں اور دنیا کو اس طریقے پر چلانے کی خدمت انجام دیں۔ چونکہ بنی اسرائیل اس طریقے سے ہٹ گئے تھے اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح کھو چکے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فضل سلب کر لیا اور محمد صلی اللہ علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے جب اسوۂ ابراہیمی کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے امامت و افضلیت کا اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کا وہ مقام و منصب امت محمدیہ کو عطا فرمایا [1]

بعض صحابہ و مفسرین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منصب جو بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے جب شرط فوت ہو جائے گی تو مشروط بھی فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ اب کچھ ایسا ہی نظر آرہا ہے کہ موجودہ دور کی اس قوم مسلم سے اس کی بدعملیوں اور بدعقیدگیوں کے سبب اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی

---

[1] اس بحث میں تفہیم القرآن کے متعدد حواشی سے استفادہ کیا گیا ہے

دنیاداری وجاہ پرستی اور اپنی دینی ذمے داری سے پہلوتہی کے سبب خلعت امامت چھنتی جارہی ہے او دنیا کے بہت سے حصوں میں اس پر غضب الٰہی کا نزول ہو رہا ہے اور شاید وہ وقت آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمان " وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم " (سورۂ محمد آیت ۳۸) کے بموجب اس کو مٹا کر دوسری مسلم قوم اس کی جگہ پر میدان میں لانے والا ہے جو اسلام خالص پر عمل پیرا ہوگی اور اس کی داعی وعلمبردار ہوگی۔

یہ تو تھا ایک ناحیہ دعوت واصلاح کی اہمیت اور اس کی ذمے داری کو محسوس کرنے کا، جس کی مکلف یہ امت، خاص کر اس کے علماء ہیں۔

ایک ناحیہ ہے اس امر پر توجہ دینے کا کہ داعی ومصلح کے اوصاف کیا ہونے چاہئیں اور ہم کس قد ان اوصاف کے حامل ہیں ؟۔ تو اس سلسلہ میں ہمیں اپنے داعی ومصلح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدا کو اور آپ کی سیرت واخلاق وکردار واسوہ کو ہر مرحلہ میں پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اسلام ایک تبلیغی دین اور تبلیغ ایک پیغمبرانہ مشن ہے۔ اس کے لئے وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو انبیاء کا طریقہ رہا ہے اور اسی مشنری اسپرٹ اور لگن وتڑپ کی ضرورت ہوگی جو اس کے لئے لابدی ہے۔

سب سے پہلے خود اس کار دعوت واصلاح کو سمجھنا۔ اسے دل ودماغ کی ساری صلاحیتوں کے ساتھ قبول کرلینا، اس پر پہلے خود کاربند ہونا۔ پھر اسے لیکر خلوص وللّٰہیت اور حکمت وبصیرت وموعظ حسنہ کے ساتھ دوسروں تک پہونچنا اس کام کے ضروری عناصر ہیں۔ اس کام میں مکارم اخلاق کی صبر وبرداشت کی، تحمل وبردباری کی اور نرم ودلپذیر گفتگو کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور دل حب دنیا کے غلبہ سے اور ریاء وسمعہ کے جذبہ سے پاک کرنا پڑتا ہے۔ نیز رذائل اخلاق وکردار سے اجتناب ضروری ہوتا ہے۔

اب ذرا ان دونوں امور یعنی دعوت واصلاح کی اہمیت وضرورت اور داعی ومصلح کے اوصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائزہ لیجئے اس وقت کے علماء وطلبہ ودعاۃ ومصلحین کا، کیا ان میں دعوت واصلاح کی اہمیت وضرورت کا واجبی حد تک احساس ہے اور کیا ان میں وہ صفات پائے جارہے ہیں جو دعوت اصلاح کے لئے ضروری ولابدی ہوتے ہیں ؟

ہم اس کا جائزہ لینے کے لئے مدارس دینیہ میں گھستے ہیں۔ کیونکہ مدارس دینیہ ہی طلبہ وعلمار کا منبع وگہوارہ ہوتے ہیں۔ اور وہیں سے نکل کر دعاۃ ومصلحین لوگوں تک پہونچتے ہیں اور انہیں سے امت کو رہنمائی ملتی ہے۔

مدارس دینیہ میں تعلیم پانے والے اور تعلیم دینے والے اور ان کے ذریعہ رہنمائی پانے لوگوں کا ایک طبقہ تو وہ ہے اور وہی غالب اکثریت میں ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین وشریعت میں خواہ اس کا تعلق اعمال سے ہو یا عقائد سے اتنی تبدیلیاں کر دی ہیں کہ اس پر دین اسلام اور شریعتِ محمدی کا اطلاق ہی مشکل ہے۔ اسے تو حقیقت میں اسلام کا ایک نیا اور بہت تبدیل شدہ محرّف ایڈیشن ہی قرار دیا جاسکتا ہے جو توحید وسنت کا نہیں بلکہ بدعات وخرافات اور شرکیہ اعمال وعقائد کا مجموعہ بن گیا ہے۔ ظاہر ہے ایسے مدارس دینیہ سے جن میں اسلام سے متصادم بدعات وخرافات اور شرکیہ عقائد واعمال کی تعلیم وتعلم کا کام ہو رہا ہو اور اس سے امت کی رہنمائی کی جا رہی ہو آپ ان سے صحیح دعوت اور اصلاح امت کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔

مدارس دینیہ میں تعلیم وتعلم کا کام کرنے والا ایک طبقہ وہ ہے اور وہ بھی اکثریت ہی میں ہے جس کے یہاں اللہ ورسول کی اطاعت کی حیثیت ضمنی ومشروط قسم کی ہے۔ وہ اپنے اپنے اماموں کی اطاعت کے ضمن میں اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اسی صورت میں جب کہ اللہ ورسول کے اقوال وفرامین پر ان کے اماموں نے صاد کر دیا ہو۔ اگر اللہ ورسول کے اقوال وفرامین ان کے اماموں کے اقوال کے خلاف واقع ہوں تو انھیں تاویلات کی بھٹی سے گزار کر کسی نہ کسی طرح قولِ امام کے موافق بنا کر ہی انھیں قبول کیا جاتا ہے اگر اس طرح بھی کام نہ بنا تو وہ آیات یا احادیث منسوخ قرار پاتی ہیں۔ قال ابوالحسن عبيد الله الكرخي: كل آية تخالف ما عليه اصحابنا فهي موولة او منسوخة وكل حديث كذلك فهو موول او منسوخ۔ (تاریخ التشریع الاسلامی للدکتور مصطفیٰ السباعی ص ۲۶۹)

ایسے مدارس سے بھی آپ خالص اسلام اور تمسک بالکتاب والسنہ کی طرف دعوت کی اور صحیح نہج پر اصلاح امت کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟ الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جن کو اندھی تقلید اور تعصب شدید سے محفوظ رکھا ہو۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے جن نفوس قدسیہ سے دعوت واصلاح کا کام ہوا ہے ان میں اتباع کتاب وسنت کا رجحان غالب رہا ہے۔

مدارس دینیہ میں تعلیم وتربیت پانے والوں اور ان کے معلمین وعلمار کا ایک طبقہ وہ ہے جن کا

مسلک خالص اسلام پر عمل پیرا ہونا اور قرآن و احادیث صحیحہ کے دائرہ میں اپنے اعمال و عقائد کو محدود رکھنا ہے۔ اس طبقہ سے بے شک صحیح نہج پر دعوت الی اللہ و اصلاح امت کی توقع کی جاسکتی ہے مگر کچھ عرصہ سے اس طبقہ کی عملی حالت ایسی سقیم ہو چکی ہے اور اس کے بیشتر علماء و طلبہ اپنی ذہنیت و کردار و اخلاق و اعمال کے لحاظ سے ایسی سطح پر آگئے ہیں کہ ان سے دعوت و اصلاح کا کام موثر و مثمر انداز میں نہ ہو رہا ہے اور نہ ان حالات میں ہونے کی کوئی خاص توقع ہی کی جاسکتی ہے۔

بیشک دعوت و اصلاح کی ضرورت کا اور بقدر ضرورت کام نہ ہونے کا اور اپنی بہت سی خامیوں کا احساس ہمارے علماء و مفکرین میں پایا جارہا ہے اور اس کے لئے مجالس و مذاکروں کا انعقاد بھی وقتاً فوقتاً ہو رہا ہے اور مدارس دینیہ کے نصاب میں بہتر سے بہتر تبدیلیاں بھی کی جارہی ہیں مگر میری ناقص رائے میں جو شئی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل توجہ و اصلاح طلب ہے وہ ہمارے قلب و ذہن کا فتور ہے جس کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ دینی چاہئے اور جس قدر ممکن ہو معلمین و مصلحین و علماء و دعاۃ کو پہلے اپنی خامیوں کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو حضرات بڑے اچھے اچھے نصاب پڑھ کر علماء و فضلاء و دعاۃ بن کر آرہے ہیں، انہوں نے مدینۃ الرسول سے کلیۃ الدعوۃ و اصول الدین وکلیۃ القرآن وکلیۃ الحدیث کا نصاب پڑھا ہے اور دعوت و ارشاد و اصلاح امت ہی کے اصل مقصد سے جگہ جگہ متعین کئے گئے ہیں ان کا اور ان کی کارکردگی کا عموماً جو حال ہے اس سے آپ بے خبر نہ ہونگے۔ عوام تک ان میں بیشتر کی کارکردگی سے غیر مطمئن بلکہ بیزار سے ہیں اور ان کے اندر جو مال و دولت کی محبت و حرص محسوس کرتے ہیں اس پر انگشت بدنداں ہیں، اور انھیں حضرات کی وجہ سے دوسرے طلبہ و علماء میں بھی تکاثر و تنافس فی الدنیا کی علت پیدا ہو گئی ہے اور بڑھتی ہی جارہی ہے۔ حالانکہ ہمارے گزرے ہوئے علماء نے قرآن و حدیث و فقہ کے ساتھ منطق و فلسفہ و علم کلام و ہیئت وغیرہ سے لوجھل نصاب پڑھا تھا جو عقائد و اعمال کی اصلاح کے لحاظ سے غیر مفید بلکہ مضر تھا مگر اس نصاب کو پڑھ کر بھی ان میں کا ایک ایک فرد نکلتا تھا اور گاؤں کے گاؤں اور علاقے کے علاقے اس کی اصلاحی کوشش سے شرک و بدعات سے تائب ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتے تھے۔ البتہ وہ عملی اعتبار سے نہایت صالح و متدین لوگ ہوتے تھے اور حب دنیا و حب جاہ سے ان کے دل و دماغ پاک ہوتے تھے۔ اور اب بھی اصلاح اسی طرح کے باعمل نیک طینت خدا ترس لوجہ اللہ کام کرنے والوں ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے نصاب تعلیم بدل بدل کر آپ اصلاح و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کے کام میں کوئی خاص بہتری پیدا نہیں کر سکتے۔ کرنے کا جو اصل کام ہے وہ ممکن نظر آئے تو کیجئے۔

آج کل نصاب مدارس دینیہ سے منطق وفلسفہ وعلم کلام وغیرہ سب قریب قریب نکالا جا چکا ہے اور اس کی جگہ عقائد وسیرت وغیرہ سے متعلق مفید ترین کتابوں کا اضافہ کیا جا چکا ہے مگر ذرا ان طلبہ وعلماء کا جائزہ لیجئے جو ایسے مفید ترین نصاب کو پڑھ رہے ہیں یا پڑھ کر نکل چکے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آج کل دینی درسگاہوں کے بیشتر طلبہ میں یا ان سے نکل کر آنے والے بیشتر فضلاء میں دینی تعلیم کا وہ اثر نظر نہیں آتا جو اس تعلیم کا لازمہ ہونا چاہئے تھا۔ نہ ان میں وہ خشیت الٰہی ہوتی ہے جو علم دین کی صفت قرار دی گئی ہے۔ نہ اجتناب سیئات واکتساب حسنات کا وہ جذبہ ہوتا ہے جو اس علم کا خاصہ ہوا کرتا تھا۔ نہ دین کی نشر واشاعت اور تبلیغ وارشاد واصلاح امت کی وہ للٰہی ومخلصانہ فکر ہوتی ہے جو اس کا ایک اہم مقصد ہے۔ اب تو دینی طلبہ کی بہت بڑی تعداد دین سے بے فکر خالص دنیا کی طرف اور بگاڑ کی طرف مائل نظر آتی ہے اور ان طلبہ کے دوش بدوش نظر آنا چاہتی ہے جن کی تعلیم دینی نہیں لادینی ہوتی ہے اور جن کا ذہن مذہبی نہیں دین بیزار ہوتا ہے۔ جو علم فقط ذریعہ معاش وکسب دنیا کی خاطر حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ انھیں کی طرح دینی درسگاہوں میں تعلیم پانے والے طلبہ بھی دوران تعلیم ہی یا تعلیم گاہوں سے نکلتے ہی اپنے مقصد دینی کو بالکل نظر انداز کر کے کسب دنیا کی فکر میں نہایت بیتاب وسرگرداں نظر آتے ہیں وہ اگر محسوس کرتے ہیں کہ ان کی سند میں مالی منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں تو اسے لئے دیوانہ وار پھرتے ہیں ورنہ دوسرے دھندوں میں بے تحاشہ لگ جاتے ہیں بسا اوقات اس کا امتیاز کئے بغیر کہ یہ صحیح ذریعۂ معاش ہے یا غلط، اور یہ ان کے علمی وقار ومنصب کے موافق ہے یا مخالف۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا ؎

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں — جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جَو

اور اقبال کیا خود ہمارے نبی مکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس نے دینی علم جو اللہ کی رضا کے لئے حاصل کیا جاتا ہے فقط متاع دنیا کے لئے حاصل کیا اسے جنت کی مہک تک نہ پہونچے گی (رواہ احمد وابوداود وسکت عنہ ھو والمنذری، وابن ماجہ واخرجہ ایضا ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح سندہٗ ثقات رواتہ علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ واقرہ الذھبی، وقال الالبانی: اسنادہ صحیح۔ مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی کتاب العلم الفصل الثانی)

سید التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے علم دین کا اثر تو یہ بتایا تھا کہ "جو شخص علم دین کی طلب میں لگتا ہے اس کے خشوع وخضوع اور اس کے زہد وتقویٰ میں آناً فاناً اضافہ ہو جاتا ہے اور اس میں بڑی نمایاں تبدیلی نظر آجاتی ہے، اسے دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ طالب علم ہے (سیرۃ الحسن البصری لابن الجوزی)۔

جو لوگ طلبہ کے اندرون و بیرون سے واقف ہیں ذرا بتائیں اس دور کے طلبہ میں کیا علم دین کا ایسا کوئی اثر نظر آتا ہے اور کیا ان میں ایسی کوئی تبدیلی دیکھی جاتی ہے ؟ مجھے مستثنیات کا انکار نہیں ہے بے شک اس گروہ میں بہت سے سلیم الفطرت و فرشتہ خصلت بھی ہوتے ہیں، کچھ غنیمت کہے جانے کے لائق بھی ہوتے ہیں لیکن اکثریت دینی تعلیم کے صحیح اثر سے محروم نظر آتی ہے۔ اگر چہ "حسن السیرۃ والسلوک" کی سند ہر ایک کو مل جاتی ہے۔

یہاں یہ تجربہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دینی اداروں میں طلبہ کی ذہنیت اور ان کا ماحول اس قدر غیر دینی اور خوف خدا سے عاری ہوتا ہے کہ اس ماحول میں اچھے اور نیک طبیعت طلبہ ایک گھٹن سی محسوس کرتے ہیں اور وہ اس ماحول میں لڑکوں کی طعن و تشنیع اور مذاق کا موضوع بنے رہتے ہیں انھیں لگتا ہے کہ جیسے وہ دینی نہیں غیر دینی اسکول کے ماحول میں رہ رہے ہوں۔ حالانکہ دینی مدارس میں طلبہ کا ماحول جن کا مقصد نیک دل و صاحب کردار و خدا ترس بن کر امت کی اصلاح کرنی ہے ایسا نیک ہونا چاہئے کہ اس میں بگڑے ذہن طلبہ کو اجنبیت و گھٹن محسوس ہو نہ کہ نیک طینت و صالح طبیعت لڑکوں کو۔

اب تو انھیں دینی مدارس سے طلبہ و فضلاء کا ایک طبقہ تارکین صلاۃ کا نکل رہا ہے۔ وہ جب تک مدرسوں میں رہتے ہیں اساتذہ کے یا جرمانہ کے ڈر سے نماز کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں اور جب یہ خوف نہیں رہتا یا وہ مدرسہ کے حدود سے باہر ہوتے ہیں تو انھیں نماز کی ذرا بھی فکر نہیں ہوتی اور نماز چھوڑنے پر انھیں کچھ بھی اللہ کا ڈر یا انجام آخرت کا احساس نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ نماز کی اہمیت اور اس کے ترک پر وعید کی حدیثیں و آیتیں خوب پڑھے ہوئے ہوتے ہیں ہمیں تو اپنے اسلاف سے کچھ اس طرح کی روایتیں ملتی ہیں:

علامہ ابن الجوزیؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب طلبہ محدثین کے پاس پڑھنے آتے تو پہلے یہ دیکھا جاتا کہ ان کی نماز کا کیا حال ہے، اور نماز کی پابندی اور اس میں خشوع کی کیا کیفیت ہے؟ اگر کسی طالب علم میں پتہ چل جاتا کہ جماعت کی تکبیر اولیٰ اس سے فوت ہو جاتی ہے تو ہم لوگ اس سے نا امید ہو جاتے اور اس پر اپنا وقت صرف کرنے سے گریز کرتے، گویا وہ ایسے طالب علم کو اپنے زمرۂ تلامذہ سے خارج کر دیا کرتے تھے۔ (صفۃ الصلوۃ)

ایک طالب علم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس طلب علم کے لئے آیا۔ امام احمد نے دیکھا کہ وہ مغرب کی اذان ہو جانے کے بعد وضو کرنے بیٹھا ہے۔ فرمایا: تم علم دین حاصل کرنے آئے ہو اور نماز جیسے اہم دینی فریضہ سے

بے پروائی کا یہ حال ہے کہ تم اذان کے بعد وضو کرنے بیٹھے ہو۔ پھر امام احمد نے اس طالب علم کو نکال دیا اور اپنے پاس پڑھانے سے انکار کردیا (سیرۃ الامام احمد لابن الجوزی)

ایک دفعہ ایک اور طالب علم امام احمد کے پاس آیا۔ امام صاحب نے رات کو اس کے سرہانے وضو کا پانی رکھ دیا۔ فجر کے وقت دیکھا تو وہ پانی اسی طرح رکھا ہوا تھا، فرمایا "تطلب العلم ولا تجعل ورداً باللیل" تم علم دین حاصل کرتے ہو اور شب خیزی کا کوئی معمول نہیں رکھتے؟ پھر امام احمد نے اس طالب علم کو بھی واپس کردیا (حوالہ مذکور)

گویا کوئی طالب علم اگر دینی مزاج نہیں رکھتا۔ اور اہم دینی امور کی اہمیت جاننے کے باوجود اسے اہمیت نہیں دیتا تو اس سے خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے اور علم دین اس کے لئے کس کام کا؟ اور ایسے لڑکوں پر اپنا وقت برباد کرنے اور ان پر اپنی محنت صرف کرنے سے کیا حاصل ہوسکتا ہے؟۔ دینی علم حاصل کرنے کے لئے جس ذہنیت کی ضرورت ہوتی ہے اور جیسی طینت وطبیعت کے لڑکے دینی علم کے لئے مفید و موثر ہوسکتے ہیں اور جن سے دعوت واصلاح کا کام ہوسکتا ہے وہ ہمارے اسلاف کے پیش نظر تھے۔

آج کی دینی درسگاہوں میں طلبہ کے داخلہ وانتخاب کا سانچہ بدل گیا ہے اب ان کے داخلہ وانتخاب میں ذہنی صلاحیت تو دیکھی جاتی ہے ذہنی صالحیت نہیں۔ اور ان پر ان کی تعلیم کے دوران بھی زیادہ تر توجہ ونظر ان کی تعلیمی صلاحیت پر رکھی جاتی ہے صالحیت وذہنی اصلاح وتربیت پر نہیں۔ اسی لئے دینی اعتبار سے ہر طرح کے رطب ویابس لڑکے دینی درسگاہوں میں پل رہے ہوتے ہیں اور وہی اس حال میں جب عالم وفاضل بن کر نکلتے ہیں تو امت کو اسی طرح کے رطب ویابس۔ اور صالح سے زیادہ غیر صالح علماء وفضلاء دعاۃ ومصلحین ملتے ہیں پھر ان سے اور ان کے عمل سے جس طرح کی رہنمائی لوگوں کو ملتی ہے اور جس طرح کا کام ان کے ذریعہ دعوت واصلاح کا ہوسکتا ہے اس کا اندازہ آپ کرسکتے ہیں اور اس کا انجام آپ دیکھ رہے ہیں۔

مجھے یاد آتا ہے، مرکزی دار العلوم بنارس کے سنگ بنیاد کے موقعہ پر حضرت مولانا عبد المتین رحمہ اللہ نے (جو اس کے اہم بانیوں میں سے تھے) اپنی اس یادگار تقریر میں جو اب تک ریکارڈ میں محفوظ ہے اس کا مقصد تاسیس بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں یہاں سے ایسے علماء پیدا کرتے ہیں جو علم اور عمل دونوں کا نمونہ ہوں، جو یادگار ہوں حضرت علامہ بشیر صاحب سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ کی، جو یادگار ہوں حضرت مولانا عبد اللہ غازیپوری رحمۃ اللہ علیہ کی، نیز فرمایا تھا کہ ہر ادارہ کا بھی

مقصد ہوتا ہے اور ہر ادارہ یہی کوشش کرتا ہے کہ اس سے معیاری علم وعمل کے لوگ تیار ہوں۔

مگر ارباب مدارس غور فرمائیں کیا انہوں نے واقعی اس مقصد کو اپنی خصوصی توجہات کا مرکز بنایا ہے؟ اور کیا یہ مقصد حاصل ہو رہا ہے؟ اور کیا آپ کی درسگاہوں سے بشیر سہسوانی وعبداللہ غازیپوری رحمہا اللہ کی یادگار پیدا ہو رہے ہیں جو علم وعمل دونوں کا بہترین نمونہ تھے۔ اگر نہیں تو کیا مدارس کا ظاہری بناؤ اور مالی استحکام آپ کے خیال میں اس مقصد کا بدل بن سکتا ہے؟۔

ہمارے اندر ایسے علماء کا بھی ایک طبقہ ہے جن کی حیثیت پیشہ ور واعظین ودعاۃ کی ہے انھوں نے اس کام کو اصلاح امت کا ذریعہ بنانے سے زیادہ اپنے لئے اسے ذریعہ معاش بنالیا ہے۔ ان کو فکر اصلاح امت کی یا اپنی اصلاح کی کم اور اپنی آمدنی کی اور عوام کے ذوق دلپسند کے مطابق تقریریں کرنے کی زیادہ ہوتی ہے۔ ان کے یہاں باقاعدہ ہر وعظ وتقریر کی فیس مقرر ہوتی ہے وہ امت کو بڑی زور دار نصیحت کرتے ہیں مگر اس نصیحت کے اثر سے عموماً خود ان کی ذات محروم ہوتی ہے۔ اور اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اُن پر ناطق لکھنوی کا یہ شعر نہ صادق آجائے ؎

محشر میں جو شیخ آئے تو اعمال ندارد   جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

ان مدارس سے نکل کر آنے والے علماء وفضلاء کا ایک طبقہ ہے جو زیادہ تر جلب منفعت دنیوی کی خاطر غیر ضروری حد تک اداروں پہ ادارے کھول رہا ہے۔ اور سچ جھوٹ، حرام حلال کی تمیز کے بغیر فراہمی سرمایہ کے لئے دوڑا بھاگا پھرتا ہے، پھر اس آمدنی کا بیشتر حصہ اس کی نجی پراپرٹی بن جاتا ہے۔ وہ علم دین وعلماء دین کو بدنام ورسوا کرنے کا ذریعہ تو بنتا ہے مگر اس کا وجود اور اس کا کام اصلاح امت کا ذریعہ نہیں بنتا۔

یہ سب کرشمہ ہے اس بات کا کہ اب بیشتر علماء میں بھی دولت عقبیٰ سے زیادہ دولت دنیا کی فکر ومحبت پیدا ہوگئی ہے۔ بخاری ومسلم وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "فواللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم أن تبسط علیکم الدنیا کما بُسِطتْ علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا وتُھلکِکُم کما اھلکتھم"

اللہ کی قسم مجھ کو یہ خوف نہیں ہے کہ تم فقیر ہوجاؤ گے۔ مجھے ڈر اس کا ہے کہ مال ودولت کی بہتات ہوجائے گی جیسے پہلے لوگوں پر ہوئی، پس تم بھی اسی مال ودولت کی فکر وکثرت طلب میں لگ جاؤ گے جیسا کہ بنی اسرائیل کا حال ہوا پھر یہ دولت دنیا تمہیں بھی برباد کردے گی جیسے اس نے بنی اسرائیل کو برباد کیا (بخاری باب الجزیہ)

ابھی اس دور پر کوئی بہت لمبی مدت نہیں گزری کہ ہمارے علماء میں دولت و مال کا حرص کم اور قناعت زیادہ تھی وہ اگر مدارس ہوتے تو تنگی میں گزر بسر کر لیتے اور بقدر کفاف تنخواہوں پر اسے لوجہ اللہ دینی کام سمجھ کر شب و روز جتنا بھی موقعہ نکال سکتے طلبہ کو پڑھاتے۔ طلبہ کی دیکھ ریکھ کا معاملہ ہوتا، یا مدرسہ کے بعض انتظامات کو سنبھالنے کا، یا لوگوں کو مسئلے مسائل بتانے کا۔ غرض مدرسہ کا کوئی بھی کام ان سے بن پڑتا تو اسے کسی اضافی اجرت کے بغیر انجام دیتے۔ مگر اب تو مدارس دینیہ میں بھی اساتذہ کے اندر کچھ اس قدر حرص و طمع پیدا ہو گیا ہے کہ لگتا ہے اب " ان اجری الا علی اللہ " ان کے ذہن سے نکل چکا ہے اور ہر ہر کام پر وہ اضافی اجرت کے خواہاں ہوتے ہیں اور مدارس دینیہ سے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ دنیوی منفعت حاصل کر لینے کے حریص ہوتے ہیں۔ وہ مدرسہ کے ٹائم کے علاوہ اپنا کوئی ٹائم مدرسہ پر تو صرف نہیں کرنا چاہتے البتہ مدرسہ کے ٹائم اپنے ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہنے میں انھیں کوئی انقباض و تامل نہیں ہوتا۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آج کل کے بیشتر مدرسین و معلمین میں خلوص و للّٰہیت کس قدر رہ گئی ہے اور خود غرضی و مفاد پرستی کس قدر آ گئی ہے پھر ایسے اساتذہ طلبہ کے لئے کیسا نمونہ ثابت ہو سکتے ہیں اور ان سے تعلیم و تربیت اور دعوت و اصلاح کا کتنا موثر و بابرکت کام ہو سکتا ہے۔ اور ان کی زبان و قلم میں کہاں سے وہ تاثیر آ سکتی ہے جو لوجہ اللہ دین کا کام کرنے والوں میں منجانب اللہ ہوتی ہے۔

مدارس دینیہ میں ایک رول ادا کرنے والی اس کی انتظامیہ بھی ہوتی ہے جن میں عموماً دینی و غیر دینی ہر طرح کے ذہن کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی نظر تعلیم و مقصد تعلیم پر کم مدرسہ کی شاندار تعمیر و تشہیر پر زیادہ ہوتی ہے اور فراہمی سرمایہ ان کے فکر کا زیادہ تر محور ہوتی ہے خواہ وہ صحیح ذرائع اور جائز کاروبار والوں سے ہو یا غیر صحیح ذرائع و ناجائز کاروبار والوں سے ہو نیز مدآمد کے مصارف کس قدر دینی نقطۂ نظر سے درست ہیں اور کتنے نادرست ہیں، زکوٰۃ کا مال کہیں غیر مستحقینِ زکوٰۃ پر تو نہیں خرچ ہو رہا ہے اور خرچ میں بے احتیاطی تو نہیں پائی جا رہی ہے اور کسی مخصوص مد کی رقم دوسرے مد میں تو نہیں خرچ ہو رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ انتظامیہ کو اس کے احتساب و فکر کی چنداں حاجت محسوس نہیں ہوتی۔

الغرض صورت حال بڑی خراب ہے اور اس کی اصلاح کے لئے بڑے اور ہالنگ کی ضرورت ہے۔ میں نے بڑے تلخ حقائق ذکر کر دیئے ہیں جس کی تلخی شاید بہت سے لوگ محسوس کریں۔ ممکن ہے یہ سب صرف میرے اندر کا نقص ہو جسے میں نے وسیع پیمانہ پر سمجھ لیا ہو لیکن بہر حال یہ میرے محسوسات ہیں جنھیں میں نے ذکر کر دینے کی جسارت کی ہے

ان أريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله، عليه توكلت واليه انيب۔ ••••

دعوتِ اسلامی میں موجودہ مدارسِ اسلامیہ کا رول

(ایک جائزہ)

چمن میں تلخ نوائی مری گوارہ کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

اسلامی دعوت کے دو پہلو ہیں، اول یہ کہ اسلامی دعوت غیرمسلمین میں پیش کی جائے اور انھیں عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت وغیرہ کے قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ دوم یہ کہ اسلامی دعوت مسلمانوں میں پیش کی جائے مسلمانوں میں اسلامی دعوت پیش کرنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ یہ دعوت ان مسلمانوں میں پیش کی جائے جو مسلمان اور کلمہ گو ہونے کے باوجود بدعقیدہ ہیں اور اپنی لاعلمی وجہالت کے باعث مشرکانہ رسوم واعمال کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً پیروں اور ولیوں کی قبروں اور مزاروں پر سجدے کرتے ہیں، اور انھیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں، ان کے نام پر ذبیحے کرتے ہیں اور نذر و نیاز کرتے ہیں، ان کے سامنے اپنی حاجتیں اور ضرورتیں پیش کرتے ان سے فریاد رسی کرتے ہیں، انہیں کائنات میں متصرف سمجھتے ہیں، ان سے اولاد، صحت اور کاروبار کی ترقی کی دعائیں مانگتے ہیں ایسے مسلمانوں کے سامنے توحید کی حقیقت نکھاری جائے اور ان کے عقائد کی اصلاح کے لئے مخلصانہ اور ہمدردانہ جدوجہد کی جائے اور انھیں کتاب وسنت سے ثابت شدہ صحیح عقائد کی طرف مائل کیا جائے اور غیراسلامی عقائد وتصورات سے متنفر کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اسلام کی دعوت ان مسلمانوں میں پیش کی جائے جو بدعقیدہ تو نہیں ہیں لیکن بے عمل اور بدعمل ہیں، فرائض وواجبات سے غافل ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے فرائض کی ان کے یہاں کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں، منہیات کے ارتکاب میں بے باک ہیں، جوا، شراب اور دیگر فواحش ومنکرات کے عادی ہیں

مغربی تہذیب وتمدن اور مغربی طرز معاشرت کے دلدادہ ہیں، ایسے مسلمانوں کے سامنے فرائض وواجبات کی اہمیت ظاہر کی جائے، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے فرائض اعمال کے فضائل ومحاسن بیان کرکے ان سے روحانی اور قلبی تعلق جوڑا جائے، منہیات یعنی جوا، شراب اور دیگر فواحش ومنکرات کے مفاسد واضح کرکے اسلامی سماج کو پاکیزہ بنایا جائے اور مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات بد سے مسلم سوسائٹی کو بچایا جائے اور مکارم اخلاق مثلاً سچائی امانت داری، عدل وانصاف، مساوات وہمدردی، اخوت وبھائی چارگی وغیرہ کی تعلیم دیتے ہوئے والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، زوجین کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، پڑوسیوں اور مہمانوں وغیرہ کے حقوق ادا کرنے کی طرف راغب کیا جائے جس سے مسلم معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکے، اور شر وفساد سے پاک ہو جائے۔

جہاں تک دعوت اسلامی کی پہلی صورت کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں بلا کسی پس وپیش اور بغیر کسی تردد کے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کے تمام مدارس اسلامیہ میں کوئی بھی ایسا مدرسہ نہیں ہے جہاں کے ارباب انتظام اپنے اساتذہ یا طلبہ یا دیگر مبلغین کے ذریعہ غیر مسلمین میں اسلامی دعوت پیش کرنے کا کوئی اہتمام، کوئی جذبہ یا کوئی تڑپ رکھتے ہوں اور اس راہ میں کوئی جد وجہد یا سعی وکوشش کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں حالانکہ اصلی دعوت اسلامی یہی دعوت ہے، کیونکہ دنیا میں کم وبیش سوا لاکھ انبیاء کرام بھیجے گئے، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، خود ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، تمام عالم کے لئے قرآن مجید کا نزول ہوا، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، آپ نے اور آپ کے پاکباز صحابہ کے گروہ نے بے انتہا مصائب وآلام برداشت کئے، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، شعب ابی طالب میں آپ اور آپ کے جانباز اصحاب تین سال تک محبوس رہے، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، طائف کے اوباشوں اور بدمعاشوں کے ہاتھوں آپ نے پتھر کھائے، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، ہجرت کا تاریخ ساز واقعہ ظہور پذیر ہوا، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، بدر واحد میں علی الترتیب ۱۴ اور ۷۰ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، غزوۂ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام نے بھوکے رہ کر اور پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودے، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، مقام حدیبیہ میں کفار ومشرکین سے ظاہری طور پر توہین برداشت کرکے صلح کی، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، شاہان عالم کو تبلیغی خطوط بھیجے گئے، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، خیبر میں یہودیوں سے مقابلہ آرائی ہوئی، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، مکہ فتح کیا گیا، اسی دعوت اسلامی

کی خاطر، طائف وحنین میں جنگیں لڑی گئیں، اسی دعوت اسلامی کی خاطر، میدان تبوک میں عیسائیوں کو چیلنج کیا گیا، اسی دعوت اسلامی کی خاطر۔ مگر آج اس دعوت اسلامی کو نظر انداز کر کے اسے پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے اور اس کی افادیت واہمیت کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

اور اسلامی دعوت کے دوسرے پہلو کی پہلی شق یعنی ان مسلمانوں میں دعوت اسلامی پیش کرنے کا مسئلہ جو مسلمان اور کلمہ گو ہونے کے باوجود بدعقیدہ ہیں تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر پورے ملک میں پھیلے ہوئے تمام مدارسِ اسلامیہ پر نظر ڈالی جائے، اور اس باب میں ان کی کارکردگیوں اور سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ یہاں بھی صفر نکلے گا یعنی ارباب مدارس اس میدان میں بھی اپنے فرائض اور ذمہ داریاں نبھانے میں غافل اور لاپرواہ ہیں جس کے نتیجے میں آج کھلے عام کلمہ گو مسلمان اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے مشرکانہ رسوم واعمال کا ارتکاب کر رہے ہیں اور بدعات وخرافات کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔

ان مشرکانہ رسوم واعمال اور بدعات وخرافات کی زندہ مثال اگر کسی کو دیکھنی ہو تو وہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہزاروں درگاہوں میں سے کسی ایک درگاہ میں چلا جائے، چاہے کچھوچھہ، چاہے بہرائچ، چاہے اجمیر، چاہے کلیر، چاہے ناگور، چاہے ناگپور، چاہے بھیونڈی، چاہے گلبرگہ، چاہے بمبئی کی حاجی علی، چاہے حاجی ملنگ وغیرہ وغیرہ اور اپنی دیدۂ بینا سے دیکھ لے کہ ان درگاہوں میں اسلام کے نام پر بدعات وخرافات کا کیسا عبرت ناک ڈرامہ اور ناٹک ہوتا ہے، اور کمال کی بات یہ ہے کہ ان درگاہوں میں آنے والے اور مشرکانہ رسوم میں حصہ لینے والے مسلمانوں کو ذرہ برابر بھی یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ وہ کوئی کام اسلام کے خلاف کر رہے ہیں حالانکہ وہاں کا سارا کام قبروں کے سجدہ کرنے، چادر اور مرغا چڑھانے اور صاحب قبر سے مرادیں مانگنے سے لے کر عریانیت اور بے حیائی کے ساتھ محفلِ قوال میں شریک ہونے تک سب کچھ شیطانی اور غیر اسلامی ہوتا ہے۔ ایسے ظلمت کدہ ماحول میں ضرورت تھی کہ ارباب مدارس اسلامیہ اپنی دعوتی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے اور اپنے حلقۂ اثر ہی کی حد تک اپنے اساتذہ اور طلبہ کے ذریعہ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے اور مسلمانوں کو اس کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی کے عمیق غار سے نکال کر رشد وہدایت کے شاہراہ مستقیم پر گامزن کرتے مگر افسوس کہ اس میدان میں بھی ذمہ داران مدارس اسلامیہ کی کوئی کارکردگی اور سرگرمی نظر نہیں آرہی ہے۔

اور دعوت اسلامی کی آخری شق یعنی بے عمل اور بدعمل کلمہ گو مسلمانوں کی اصلاح اور انھیں فرائض وواجبات

کی طرف مائل کرنے اور انھیں مکارمِ اخلاق کی طرف راغب کرنے کا جہاں تک مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں اربابِ مدارس کی تھوڑی بہت دعوتی ذمہ داریاں نبھانے کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس اہم اور لازمی ذمہ داری کو نبھانے کے لئے جس اہتمام، نظم و ضبط اور سلیقہ مندی و بالغ نظری کے ساتھ ساتھ خلوص وللّٰہیت، ایثار اور جذبۂ قربانی کی ضرورت تھی، وہ مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران میں نظر نہیں آرہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کام میں نہ تو کوئی قابل ذکر پیش رفت ہی ہوتی ہے اور نہ کوئی خوشگوار نتیجہ ہی سامنے آتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو اس میدان میں منتظمین مدارس اسلامیہ کی ساری مساعی تقریباً رائیگاں جاتی ہیں۔

یہ ہے دعوت اسلامی کے سلسلہ میں مدارس اسلامیہ کے رول کا ایک جائزہ جسے پوری دیانت داری کے ساتھ لفاظی اور مبالغہ آرائی کے بغیر ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے جس سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ دعوتِ اسلامی کا کام مدارس اسلامیہ میں یا تو بالکل نہیں ہوتا ہے، یا اگر کچھ ہوتا ہے تو اس کا ثمرہ یا نتیجہ صفر کے درجہ میں ہوتا ہے علاوہ ازیں میں اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ مدارس اسلامیہ میں کسی خوشگوار انقلاب اور نتیجہ خیز تبدیلی کے بغیر موجودہ احوال وظروف میں مدارس اسلامیہ کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا کام تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ سب سے پہلے ہمیں مدارس اسلامیہ کے ماحول اور اس کے ڈھانچہ پر نظر ڈالنی چاہئے، اور نظر بھی طائرانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ ہونی چاہئے تاکہ ہم کسی فریب اور خوش فہمی کے شکار نہ ہوں۔

یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ کے اجزاء ترکیبی تین ہیں، انتظامیہ، اساتذہ اور طلبہ۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ان تینوں میں تبلیغ و دعوت کا جذبہ کس قدر ہے جس قدر ان میں دین کی محبت اور دین کی لگن ہوگی، اسی قدر ان میں تبلیغ و دعوت اور دین کی اشاعت کا جذبۂ خیر ہوگا تو سب سے پہلے انتظامیہ پر نظر ڈالیں۔

مدارس اسلامیہ کی انتظامیہ جن افراد پر مشتمل ہوتی ہے یعنی جو عہدہ داران واراکین منتخب یا نامزد ہوتے ہیں ان کا انتخاب یا نامزدگی کسی صلاحیت یا صالحیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ دولت و ثروت اور خاندانی وجاہت کی بنیاد پر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثریت اَن پڑھ، غیر متدین اور دین سے ناآشنا ہوتی ہے، ایسی صورت میں ان لوگوں کے ذریعہ اسلامی دعوت کا کیا اور کتنا کام ہو سکتا ہے، اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور جہاں تک اساتذہ کا تعلق ہے تو ان میں یقیناً اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کے اندر صلاحیت بھی ہے

اور صالحیت بھی تقوی اور تدین بھی اور دین سے لگاؤ اور تعلق بھی مگران کا سینہ جذبہ دعوت وتبلیغ سے معمور نہیں ہے، اس کی میری نظر میں دو وجہ ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ ان کے اوپر تعلیم وتدریس کا اتنا بڑا بار رکھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی دوسرے بار کے متحمل نہیں ہو سکتے، دوسرے یہ کہ جس مدرسہ نے ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا ہے اور ان کو دستار فضیلت عطا کی ہے اس نے ان کو ایسا سبق نہیں دیا ہے کہ وہ تدریس وتعلیم کے ساتھ ساتھ دعوت اسلامی کی ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہوتے رہیں اور نہ ان کو ایسی کوئی تربیت دی ہے جو ان کے دلوں میں دعوت اسلامی کا ذوق، مزاج اور جوہر پیدا کر دے، اب آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ کیا ان اساتذۂ مدارس سے اسلامی دعوت کا کام انجام پا سکتا ہے۔

اور رہے طلبہ تو ان کا حال بہت عجیب وغریب ہے، آج کے دور میں مدارس اسلامیہ میں جو طلبہ پائے جاتے ہیں ان کی اکثریت ایسی ہے جن میں نہ دین کی رغبت ہے نہ علم کی البتہ فیشن اور مغربی تہذیب وتمدن کے دلدادہ ہیں، کرتا پائجامہ کی جگہ شرٹ اور پتلون پہننے کے خواہاں رہتے ہیں، سر پر انگریزی یا ہپّی بال رکھنا پسند کرتے ہیں اور ٹوپی اوڑھنا معیوب سمجھتے ہیں، گپ بازی اور سیر وتفریح میں اپنے قیمتی وقت کے ضائع ہو جانے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ہیں، اور تعلیم وتعلم کے میدان میں غفلت اور لاپرواہی کا یہ حال ہے کہ اسباق کا مطالعہ کرنے کی کبھی توفیق نہیں ملتی ہے، آموختہ بھی کبھی نہ دھرائیں، اگر امتحان کا خوف نہ ہو اور مدرسہ کے احاطہ میں رہتے ہوئے تو نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن مدرسہ سے باہر شاید ہی کبھی نماز کا خیال آتا ہو۔ ابھی گذشتہ ۸ محرم کو میں ایک مدرسہ میں ظہر کے وقت پہونچا مدرسہ لب سڑک ہی ہے بس سے اترا تو دیکھا کہ طلبہ کی بہت بڑی بھیڑ سڑک پر موجود ہے، بعض طلبہ متعارف تھے میں نے پوچھا کیا بات ہے کہنے لگے مدرسہ میں چھٹی ہو گئی ہم لوگ گھر جا رہے ہیں، گیٹ سے ہو کر جب مدرسہ کے اندر داخل ہوا تو مسجد میں ظہر کی نماز جماعت سے ہو رہی تھی، مدرسہ کے اساتذہ اور چند طلبہ جماعت میں موجود تھے باقی تمام طلبہ عین نماز کے وقت مدرسہ سے باہر نکل گئے لیکن نہ تو طلبہ کو احساس ہوا نہ کسی استاذ نے انھیں تنبیہ کی کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے پہلے نماز پڑھ لو پھر گھر جانا۔ یہ ہیں مدارس کے طلبہ اور یہ ہے مدارس کا ماحول کیا ایسی صورت حال میں کوئی توقع کر سکتا ہے کہ ان مدارس اسلامیہ سے اسلامی دعوت کا کوئی کام انجام پا سکتا ہے۔

اب آخر میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے اس سمع خراشی کو بند کرتا ہوں ممکن ہے میرے اس بیان سے کسی کو شبہ ہو کہ جب مدارس اسلامیہ سے اسلامی دعوت کا کام نہیں ممکن ہے تو پھر آخر مدارس کا فائدہ ہی کیا ہے اور

ان مدارس پر قوم کا اتنا روپیہ کیوں ضائع کیا جاتا ہے انھیں بند ہی کر دینا چاہیئے تو جواباً عرض کروں گا کہ اگرچہ مدارس اسلامیہ سے دعوت اسلامی کا کام نہیں ہو پاتا ہے لیکن مدارس میں نونہالان قوم کو جو دینی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے وہی بجائے خود بہت بہت اہمیت کی حامل ہے، آج مدارس اسلامیہ کی اسی دینی تعلیم کی برکت ہے کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں بنی مساجد کے اندر اذان دینے والے، نماز پڑھانے والے نیز نکاح اور نماز جنازہ پڑھانے والے اور عوام کو دینی مسائل بتانے والے علما یا پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں اور کسی نہ کسی قدر لوگ شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا رہتے ہیں ورنہ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو مسجدوں میں نہ کوئی اذان دینے والا ہوتا نہ نماز پڑھانے والا ہوتا نہ کوئی نکاح اور جنازہ پڑھانے والا ہوتا اور لوگوں کو شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا رہنے کے لئے کوئی مسئلہ مسائل بتانے والا ہوتا۔

اب آخر میں اس سمع خراشی کو بند کرتے ہوئے باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مجلسِ مذاکرہ کو کامیاب بنائے اور مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران کو توفیق بخشے کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے مدرسے سے دعوت و تبلیغ کا بھی فریضہ انجام دینے کی کوشش کریں۔

وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز ...

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(مولانا) عبدالعلیم ماہر

مدارس اسلامیہ ہند کیا حقیقی اسلامی دعوت کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين محمد بن عبد الله الأمين وعلى أصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وبعد!

بنی نوع انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے، وما خلقت الجن والإنس الا ليعبدون[1] اور عبادت کیا چیز ہے اس کی نشاندہی اور اس کی طرف رہنمائی کس طرح ہو اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم کو مبعوث فرما کر اس مشکل کو آسان فرما دیا، دعوت وتبلیغ ورسالت انبیاء کرام علیہم الصلاۃ کا وظیفۂ زندگی تھا اور اسی کی بدولت وہ افضل البشر وخیر الخلائق قرار پائے، کیونکہ انہوں نے سب سے اعلیٰ وارفع ذات پاک کا پیغام حق بنی نوع انسان تک پہونچایا اور اسی کو مقصد حیات بنایا، اس سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبیین سید المرسلین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، ان کا لایا ہوا پیغام حق رہتی دنیا تک ساری انسانیت کے لئے پیغام عام ہے ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، انا خاتم النبيين[2]، لا نبي بعدي[3]۔

---

[1] الذریات: ۵۶

[2] صحیح بخاری مع الفتح (۶/۵۵۸)

[3] مسلم، ترمذی وابن ماجۃ۔

آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تمام صحابہ کی موجودگی میں لوگوں سے دریافت فرمایا تھا: "الاھل بلغت قالوا نعم"[1] اور پھر تکمیل دین کا اعلان کر دیا گیا کہ: " الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا"[2] اور آپ کے انتقال فرما جانے کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نعش مبارک پر آئے تو چہرے کو کھول کر بوسہ دیا، خیر کے کلمات کہے اور فرمایا: "طبت حیا ومیتا"[3] اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ نے بلاکم وکاست جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے دیا گیا تھا، لوگوں تک پہونچایا، انسانیت کی رہنمائی اور بھلائی کی جتنی باتیں تھیں سب کو بتا دیا، اور اس کے لئے جتنی چیزیں نقصان دہ اور بری تھیں ان سے بچنے کی تلقین وتنبیہ کر دی۔

اس طرح آپ نے ہم کو روشن شاہراہ پر گامزن کر دیا جس کی رات بھی مانند دن کے روشن وتابناک ہے اس سے انحراف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے لئے ہلاکت وبربادی مقدر ہو، "لقد ترکتکم علی مثل البیضاء لیلها ونهارها سواء"[4]

اور یہ روشن شاہراہ کتاب وسنت ہے، آپ نے یوں تو پوری زندگی اسی کی تعلیم دی، کلام الٰہی و کلام نبوی میں انہی دونوں چیزوں کو تھامے رہنے کی تاکید دسیوں مقامات ومناسبات پر کی گئی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال کے وقت خاص طور سے ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی تاکید کی بلکہ ضلالت وگمراہی اور دین حنیف سے انحراف سے بچنے کا واحد ذریعہ ان دونوں سے تمسک واعتصام قرار دیا، ارشاد ہے: " ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه"[5]

اب رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کی کامیابی وکامرانی کے حصول کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کو ہی اپنا منہج ومسلک اور اصول بنالے، خواہ وہ میدان قتال میں ہو یا تجارتی واقتصادی امور

۱؎ صحیح بخاری (۲/۶۳۲)
۲؎ المائدہ: ۳
۳؎ طبقات ابن سعد (۲/۲۶۶)
۴؎ سنن ابن ماجہ مقدمہ ۴
۵؎ موطا امام مالک (۲/۹۹۹)

میں مشغول ہو یا شادی بیاہ اور معاملات و معاشرت کی گتھیاں سلجھانا چاہتا ہو، خواہ وہ دعوت و تبلیغ کے اہم فریضہ کو لے اٹھا ہو یا درس و تدریس اور صحافت و خطابت کا فریضہ انجام دے رہا ہو، عظیم کانفرنسوں کو خطاب کر رہا ہو یا فرد واحد کی اصلاح و تزکیہ کا کام انجام دے رہا ہو، ہر حال میں اس کو اسوہ نبی کی مکمل پیروی لازم ہوگی ورنہ باوجود جدوجہد اور کدوکاوش کے وہ منزل مقصود تک پہونچنے کے بجائے کسی اور ہی غیر مقصود منزل پر پہونچ کر ہاتھ ملنے لگے گا، اور پھر وہ نہ دین کو فائدہ پہنچا سکے گا اور نہ دنیا کا ہوگا، لا فی العیر ولا فی النفیر۔

ترسم کہ بکعبہ نہ رسی اے اعرابی
کایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

اس لئے خاص طور پر ہر داعی، مدرس اور مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت کا پیغام پہنچائے اور اس منہج کو اپنائے جو انبیائے کرام کا منہج ہے، اور جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، اور صحابہ کرام نے اپنایا ہے، کیونکہ راہ نجات یہی ہے، "ما أنا علیہ وأصحابی"[1]

مومن چونکہ اپنے رب کی جانب سے پیغام حق کے پہونچانے کا مکلف ہے، "بلغوا عنی ولو آیۃ"[2] "کنتم خیر أمۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف" الآیۃ[3] اس لئے اس کو جو وسائل میسر ہوں ان کو بروئے کار لاکر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینا چاہیئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وسائل موثر ہو سکتے تھے اسے اپنایا اور صحابہ کرام نے آپ کی پیروی کی، منجملہ وسائل کے مسجد نبوی میں مدرسہ صفہ بھی ہے جس میں تبلیغ دین اور تعلیم المسلمین اور اعداد الدعاۃ والمجاہدین و تثقیف المومنین کا کام ہوا، بعد کے ادوار میں بھی دور حاضر کے مروجہ مدارس کا نظام من جمیع النواحی تو نہ تھا مگر مختلف شخصی اور سرکاری درسگاہیں رہیں جس میں تعلیم و تربیت کا کام ہوتا رہا تا آنکہ مختلف اسباب و وجہات

---

[1] الجامع للترمذی مع التحفۃ (۷/۴۰۰)

[2] صحیح بخاری مع فتح الباری (۶/۴۹۶)

[3] آل عمران : ۱۱۰

کی بنا پر اولاً مدرسہ نظام الملک کا قیام ہوا اور پھر عصر حاضر میں موجودہ مدارس وجامعات کا قیام عمل میں آیا ان سب کا طریقہ کار اور اسلوب حالات وظروف کی مناسبت سے مختلف رہا ہو تو خیر ورنہ اصل مقصد اور ھدف ایک ہی تھا کہ یہاں پر دعاۃ ومبلغین اسلام تیار کئے جائیں، چنانچہ اب دینی مدارس وجامعات ہی علماء ودعاۃ کی فیکٹریاں ہیں، ان فیکٹریوں سے جیسے رجال نکلیں گے اسی کے مطابق دعوت کا فریضہ انجام پذیر ہوگا، خواہ میدان خطابت ہو یا صحافت، تعلیم وتزکیہ ہو یا دعوت وتبلیغ ۔

برصغیر میں اس وقت دعوت وتبلیغ اور علم دینی کی نشر واشاعت کا اہم ترین کام مدارس اسلامیہ دیتے ہیں، یا اس کے متخرجین اور یہ اصل مدارس وجامعات مختلف افکار وخیالات اور مختلف مناہج واسلوب کے حاملین ہیں، اس لئے ان کے مناہج ومقاصد کو سامنے رکھ کر ان کو چار مدارس اور طرق میں جمع کیا جاسکتا ہے: (۱) مدارس دیوبند (۲) مدارس الجماعۃ الاسلامیہ (۳) مدارس ندوۃ العلماء (۴) مدارس اہل حدیث ۔

اس سے قطع نظر یہ مدارس کس حد تک دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے ہیں اور کس قدر وہ اس سلسلہ میں اس فریضے کو انجام دے سکتے ہیں اور ان کا دائرہ کار کیا ہونا چاہئے، یہاں پر ان کے منہج تعلیم وتدریس اور اثرات پر مختصر طور پر روشنی ڈالنے کی سعی کی جارہی ہے ۔

مدارس دیوبند

یہ مدارس اپنی تعلیمی وتدریسی سرگرمی میں فعال ہیں، اس کے ماننے والے عام طور پر حنفی مقلد ہیں، اور ہندوستان کے مسلمانوں میں ان کی تعداد کی نسبت ۴۰ فیصد ہے، فقہ واصول فقہ حنفی اور منطق وفلسفہ کی تعلیم امتیازی طور پر دی جاتی ہے، درس میں ان مواد پر خاصا زور دیا جاتا ہے، طریقہ درس فقہ میں متاخرین حنفی فقہاء کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، دوسرے ائمہ کے مذاہب ومسالک ان کتابوں میں درج نہیں اس لئے اس سے کم تعرض کیا جاتا ہے، ہاں مذہب شافعی کا ذکر قدرے ہوتا ہے وہاں پر ان کی کمزور ترین دلیل کا ذکر کر کے پر زور تردید کی جاتی ہے، کہیں کہیں مالکیہ کا مذہب بھی ذکر کیا جاتا ہے مگر ان کی ادلہ ان کی کتابوں سے کم پیش کئے جاتے ہیں، حنفی مذہب کے قیاسات اور اصول معتزلہ سے متاثر ہونے کی وجہ سے اکثر مسائل کتاب وسنت کے معیار کو پورے نہیں اترتے یا اس کی دلیل کتاب وسنت میں نہیں ملتی اس لئے یہاں پر ترجیح مذہب کے لئے عقلی ادلہ واقیسہ اور دور از کار تاویلات کو کام میں لایا جاتا ہے

کیونکہ مذہبی تعصب یوں تو تمام مذاہب فقہ کے اندر کسی نہ کسی قدر ضرور موجود ہے مگر ان میں کچھ زیادہ ہی ہے خاص طور پر برصغیر ہند وپاک کے مقلدین احناف میں، اس کی وجہ خواہ عجمیوں کے واسطے سے دین کی آمد ہے یا پھر حنفی مذہب کے ان اقوال و اصول کی وجہ سے جو بعض اجلہ علماء احناف سے صادر ہوئے، جیسے تقلید فرض عین ہے، اجتہاد کا دروازہ کب کا بند ہو چکا ہے، اور مذہب حنفی سے خروج مذہب اسلام سے خروج کے مرادف ہے وغیرہ، گرچہ اب سلفیت کے اثر سے اس کو برملا نہیں کہا جاتا، مگر عملا بہت حد تک اس کو برتا ضرور جاتا ہے علم کلام وجدلیات اور منطق و فلسفہ نے اس تقلید اور اس میں تعصب کو اور زیادہ دو آتشہ کر دیا ہے، منطق و فلسفہ کی تعلیم خاص طور پر اس لئے دی ہی جاتی ہے کہ داعی و مبلغ اور مدرس حنفی مذہب کا دفاع پرزور طور پر کر سکے۔ اسلام کے دفاع کی تعلیم پر توجہ نہیں ہے یا برائے نام ہے، اس کے نتیجے میں دعوت و تبلیغ کا مفہوم ان کے یہاں بہت محدود رہ گیا ہے، ان مدارس سے فیض یافتہ علماء نے جو جماعتیں اور تحریکیں شروع کیں اس میں اسلام کی خدمت سے زیادہ زور مذہب حنفی بلکہ علماء دیوبند کے فقہی مذہب اور ان کے طرق و اسالیب اور اقوال و ملفوظات پر زیادہ زور دیا گیا چنانچہ تبلیغی جماعت جو اب ایک عالمی جماعت بن چکی ہے اس کا عین مقصد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات کو عام کرنا ہے جیسا کہ اس چلت پھرت جماعت کا مقصد بانی جماعت مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا[1]، اور مولانا اشرف علی تھانوی ایک غالی متعصب حنفی تو تھے ہی تصوف میں بھی امام وقت اور قطب جہاں کہے گئے، فقہ میں واحد مذہب کے مقلد محض تھے تو تصوف میں طرق اربعہ کے مجاز ہی نہیں، مجتہد فی المذہب کا درجہ حاصل کئے ہوئے تھے، جس کی چھاپ تبلیغی جماعت پر اور اکثر علماء دیوبند پر پورے طور پر ہے گویا تعصب مذہبی نے تصوف صوفی سے مل کر کریلا نیم چڑھا کا مصداق بنا دیا ہے، البتہ یہ معمہ حل کرنا قاری و سامع کا فریضہ ہے کہ اس تعلیم و تدریس کا نام تقلید کیسے ہو گیا اور پھر تقلید جس جمود کا متقاضی ہے اس کا نباہ اس تصوف کے ساتھ کیسے ہو رہا ہے جس میں صراحت ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی کا مقلد ہوتا۔

دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تدریس میں ایک مومن کے لئے اولین چیز عقیدہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عقیدہ کو اولین اہمیت دیتے تھے، مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ نبوت کی زندگی اصلاح عقائد کے سلسلہ

---

[1] انظر ملفوظات مولانا الیاس۔

میں آپ نے اور آپ کے اصحاب نے صرف کئے، اور کسی بھی قوم یا فرد کو آپ نے پہلی دعوت عقیدہ ہی کی دی، چنانچہ حضرت معاذ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب روانہ کرتے وقت فرمایا: "انک تاتی قوما من اھل الکتاب فادعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ (الحدیث)"[۱] اور تمام انبیائے کرام کا وظیفہ بھی یہی تھا مگر ان مدارس میں اس چیز کو ثانوی حیثیت کسی ناحیہ سے حاصل ہے، عقیدہ کا معاملہ جتنا اہم ہے اسی قدر اس کی جانب توجہ بھی کم ہے، ثانیاً سلف صالح اور کتاب وسنت اور خیر القرون کے عقیدے سے ورے ہٹ کر اشعری وماتریدی عقیدہ جو معتزلہ و متکلمین کی دین ہے اس کی تدریس کو فرض عین قرار دیا گیا ہے، اور اسی کی دعوت دی جاتی ہے، اس سلسلہ میں عقائد نسفی اور اس جیسی دوسری کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس میں اشعری وماتریدی عقیدے کی ترجمانی اور سلف کے عقیدے کو غلط قرار دیا گیا ہے، اور باب ایمان میں مرجئہ کے مذہب کی کسی قدر تائید کی گئی ہے، اور نصوص کتاب وسنت کی دور از کار تاویلات سے کام لے کر مذہب اشاعرہ وماتریدیہ اور مرجئہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اور ان مدارس میں تدریس کے وقت جو کمی مصنفین اشاعرہ وماتریدیہ سے رہ گئی ہے اس کسر کو پورا کر دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں پہلی اسلامی اہلحدیث تحریک کا زور اتنا شدید اور پر اثر تھا کہ ان غیر سلفی مدارس میں بھی حدیث کی تعلیم ہونے لگی، مگر یہاں پر حدیث کو حنفی کر کے پڑھایا جاتا ہے عمل کے لئے نہیں بلکہ احادیث کی تاویل، اس کی تنسیخ اور حنفی مذہب کے مقابلہ میں وارد شدہ صحیح احادیث کو کنڈم قرار دینے کے لئے یا پھر برائے حصول برکت جیسا کہ الفاظ کے شب روز بعجلت گردان کرانے سے ظاہر ہوتا ہے، غالباً اس کی وجہ اس قاعدہ کی کارفرمائی ہو جسے امام کرخی رحمہ اللہ نے احناف کے مسلمہ اصول کے طور پر پیش فرمایا اور اس کو عملاً پوری دنیائے حنفیت شعوری یا لاشعوری طور پر اپنائے ہوئے ہے کہ: "کل حدیث او آیۃ یخالف مذھبنا اما متاول او منسوخ"۔

چنانچہ علامہ رشید رضا مصری رحمہ اللہ جب ہندوستان تشریف لائے تو آپ کا گذر دیوبند کی عظیم درسگاہ سے ہوا وہاں پر ان کو دیوبند کے درس و تدریس کے امتیازات میں سے ایک بات یہ بھی بتائی گئی کہ احادیث

[۱] صحیح مسلم ۱/۳۶۔

کو حنفی مذہب کے مطابق بنا کر پڑھایا جاتا ہے اس پر ان کو سخت تعجب ہوا اور استنکارا فرمایا : "ھل الحدیث حنفی"[1]

گویا حدیث کی تعلیم اہل حدیث اور حدیث کی تردید کے لئے دی جاتی ہے، چنانچہ ان علمائے کرام کی خدمات حدیث کے سلسلہ میں جو شروح حدیث اور ان کی متعلقات منظر عام پر آئی ہیں ان کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حدیث کی خدمت کم اور مذہب حنفی کی خدمت ووکالت زیادہ ہے۔

اس کی روشنی میں ناظرین کرام فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ مدارس حقیقی دینی تعلیم وتدریس اور تبلیغ میں اپنی ذمہ داری کس قدر اور کیسے ادا کر رہے ہیں۔

مدارس جماعت اسلامی

جماعت اسلامی اور اس کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رح کی تاریخ دعوت وخدمات اور اس کے اثرات سے قطع نظر ان کے اصول ومبادی ومقاصد جیسے انہوں نے اپنی دعوت کے لئے متعین فرمائے اس کا ذکر مختصرا کرنا مناسب سمجھتا ہوں ان کا مقصد اول اور ان کی دعوت کا محور اعظم حکومت اور اسلامی اسٹیٹ کا قیام ہے (بعض متحمس نوجوانوں نے اس کی مزید یہ تفسیر کی ہے کہ یہ حکومت الٰہیہ ایران کی حکومت الٰہیہ کے منہج پر ہو) اس کے حصول کے لئے صلح کل کا اصول اپنایا گیا ہے، اس میں ہر عقیدہ وفکر کے لوگوں کے لئے گنجائش ہے، شیعہ اور روافض، قبوری اور آزاد خیال سب اس کے ممبر بن سکتے ہیں، مقصد صرف یہ ہے کہ کسی طرح سے حکومت قائم ہو جائے، اس کے لئے عبادات جو دین کے اہم اصول وارکان ہیں اور انسان سے مطلوب یہی عبادات ہیں ان سب کو حکومت الٰہیہ کے لئے وسائل کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

سنت رسول میں تشکیک بھی اس جماعت اور اس کے بانی کا خاص دین ہے، اس سلسلہ میں بانی جماعت اسلامی کا خاص اصول ہے جو جمہور متقدمین ومتاخرین محدثین علماء وفقہاء وعلماء اصول سے یکسر میل نہیں کھاتا۔ احادیث کی تضعیف وتصحیح اور شرح وبیان میں بھی ان کا خاص اصول ہے، بلکہ اپنے خاص ذوق ووجدان کو ہی معیار اصلی قرار دیتے ہیں، اسی وجہ سے صحیحین کی متفق علیہ احادیث بھی بسا اوقات ضعیف اور ناقابل اعتبار

---

[1] نفحۃ العنبر

ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں محدثین کرام کی بے مثال قربانیاں اور جہد مسلسل ان کے یہاں عظیم کارنامہ ہوتے ہوئے بھی مسلم نہیں ہے۔

دین کا واضح تصور ان کے یہاں مطلق نہیں ہے، انسان کلمہ گو ہو اور حکومت کے قیام کا خواہاں ہو، اعمال و عبادات خواہ کیسے بھی ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ایک بات اور ملحوظ رکھنے کی ہے، ان کے یہاں مدارس کے قیام کا مطلقاً اہتمام نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی اس لئے ان کے یہاں مدارس اسلامیہ خال خال پائے جانے لگے ہیں، اور اس کی ضرورت بھی کیوں کر پڑے جبکہ حکومت کے رکن ان کے یہاں وہی لوگ بنیں گے جو مسٹر ہوں اور مولانا مودودیؒ کے لٹریچر اور تفہیم القرآن کے مطالعہ کا ذوق رکھتے ہوں، اور بس۔

ناظرین کرام بایں ہمہ مولانا مودودیؒ کے دینی خدمات کا مثبت اور بارآور کارناموں کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی، مولانا نے ایمانداری سے دین کی خدمت کا بیڑا اٹھایا مگر کچھ علم دین میں کامل رسوخ نہ ہونے، کچھ تشیع سے مرعوب ہونے، کچھ کتاب وسنت کے منہج مستقیم سے انحراف اور دور رہنے کی وجہ سے اس میں جا بجا اصولی و فروعی غلطیوں کے شکار ہوئے ہیں۔ آپ نے الجہاد فی الاسلام اور حجاب میں جو اسلام کی ترجمانی کی ہے اور بلا مرعوب ہوئے مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جواب دیا ہے آپ کے کارناموں میں زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، تاہم اپنے ماننے والے کو ایسے راستہ پر لگا دیا جس سے امت کو فائدہ پہونچنے کے بجائے نقصان کا سامنا زیادہ کرنا پڑا، چنانچہ عدم دلچسپی کے باوجود ان کے یہاں بھی کچھ مدارس کا وجود ہے، ان مدارس میں آپ کے مسلک و منہج کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے، کتاب وسنت کی تشریح و توضیح اور اس کے رد و قبول کے سلسلہ میں آپ کے بتائے ہوئے اصول سے چند گز آگے بڑھ کر انجام دیا جاتا ہے، فروع میں فقہ حنفی مسلک ٹھہرایا ہے مگر کتاب وسنت کی تعلیم میں اکثر طلباء کا ذہن حدیث کے سلسلہ میں مسموم ہو جاتا ہے وہاں عقیدہ کا کوئی درجہ نہیں۔

الغرض دعوت کا ایک خاص مقصد حکومت الٰہیہ کا قیام ہے اس سے زیادہ اور کسی چیز پر ترکیز نہیں کی جاتی جس سے اسلام کی اصلی خدمت کے بجائے بعض سیاسی مفادات کی پاسداری کی جاتی ہے، ظاہر بات ہے عقیدہ و عمل کو الگ رہ کر دین کی جو خدمت ہوگی وہ مضرت رساں زیادہ سود مند کم ہوگی۔

مدارس دارالعلوم ندوہ

اس ادارہ کے قیام سے ہندوستان کے تعصب زدہ دقیانوسی اور فقہی جمود پر مبنی حنفی مدارس اور بحیثیت کتاب وسنت کی تعلیم دینے والے اہل مدارس کے بیچ ایک ایسے فکر کی ایجاد اور ایسے علماء کا پیدا کرنا مقصود تھا جو تصوف سے پاک صاف ہو، دینی تعلیم کسی فقہی مذہب اور اس کے تعصب کا شکار ہوئے بغیر دینی و دنیاوی تعلیم اور زبان عربی و معاصر زبانوں کے ماہر ہوں اور دور حاضر کے مسائل و مشکلات اور اعتراضات اور تنقیدات کا صاف ستھرے ذہن اور فکر اور جدید اسلوب میں جواب دیں اور حل کریں اور جائزہ لیں، عربی ادب خاص طور پر ان کا موضوع ہے اور اس سلسلہ میں فقہی تعصب اور گروہ بندی سے یکسر پاک ہوں، اس درسگاہ میں سیدھے سادے کتاب وسنت کی تعلیم ہو اور کسی بھی فقہی مذہب کی بے جا تائید و تردید نہ ہو۔

افسوس کہ یہ سلسلہ دیر تک نہ چل سکا اور خاص طور پر اس کے ایک ذمہ دار و مہتمم کے زمانہ میں ان کی عجیب پالیسیوں کی وجہ سے وہ بہت حد تک ایک خاص فقہی مذہب کا ادارہ بننے لگ گیا، حنفی مذہب کی وکالت بہت حد تک ہونے لگی، تصوف کی دعوت بھی شدہ شدہ دی جانے لگی، سلف کے صحیح عقیدہ کی جگہ بعد کا کلامی و جدلی عقیدہ رواج پا گیا اور کتاب وسنت کا تمسک نہ ہو سکا بلکہ اس کی جگہ تعصب نے لے لی۔ اور سخت متعصب قسم کے کوثری و دیوبندی لوگوں کی آمد سے اساتذہ و طلبہ میں حنفی بلکہ کوثری مسلک کی ترویج و اشاعت کے لئے راستے ہموار کئے جانے لگے، مولانا عبدالرشید نعمانی اور شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی غیر معمولی پذیرائی ندوہ کے مسلک و منہج کی کھلی مخالفت ہے، یہاں بھی عقیدہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں، ان کے رئیس و مہتمم اتجاہات الی التصوف اور حنفیت کی جانب غیر معمولی رجحان کی وجہ سے عقیدہ کی جگہ پر تصوف اور اتباع سنت کی اور عدم تعصب کی جگہ حنفی مذہب و مسلک کے لئے تعصب کی فضا قائم ہوتی جا رہی ہے، تبلیغی جماعت میں ہر جمعرات و جمعہ کو طلبہ کا نکلنا مستحسن قرار دے دیا گیا اور اس کی باضابطہ تشجیع و تلقین کی جاتی ہے، تاہم ندوہ کی قدیم روش کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے، خدا کرے کما حقہ وہ اپنا منصب اور صحیح مسلک سمجھ کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے۔

مدارس اہل حدیث

تاریخ اسلام اور اسلامی علوم سے دلچسپی رکھنے والے اور اس کے دارسین پر یہ بات مخفی نہیں کہ کتاب وسنت اور سلف صالح کے اصل منہج و مسلک پر محدثین اور اہل حدیث رہے ہیں، ان کا طرۂ امتیاز یہ رہا ہے کہ وہ کسی بھی مسئلہ میں خالی الذھن ہو کر کتاب وسنت کی رہنمائی پوری

دقت اور گہرائی وایمانداری سے کرتے ہیں اور سلف صالح نے ان نصوص سے کیا سمجھا ہے اس کو سامنے رکھ کر احکام الٰہی معلوم کرتے ہیں، عقیدہ واحکام میں کتاب وسنت کو رہنما مانتے ہیں، علم کلام اور منطق وفلسفہ کو اس کے اندر چنداں دخل نہیں دیتے، برخلاف دوسرے اصحاب رائے وغیرہ کے کہ ان کے یہاں پہلے کسی شخص کے کلام پر اعتماد کرتے ہیں پھر اس کی تائید کے لئے کتاب وسنت کی من مانی تشریح کر کے اپنے مطلب کی بات بنا لیتے ہیں۔

چونکہ اہل حدیث کے اساسی مصدر کتاب وسنت ہیں اس لئے ان کی درسگاہوں میں بھی قال اللہ وقال الرسول کی صدا کے ساتھ اس پر عمل کی تلقین کی جاتی ہے، اور عقیدہ کو اولیت حاصل ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ان کے سر آنکھوں پر ہوتی ہے اور اسی پر اپنے طلبہ کی تعلیم وتربیت کرتے ہیں، کتاب وسنت کی تدریس محدثین کے منہج ومسلک کے مطابق کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مراد کو سمجھنے کے لئے آیات ونصوص حدیث کا مفہوم وہی لیتے ہیں جو اس کا صحیح مفہوم ہے، تاویل باطل کا ان کے یہاں گذر نہیں ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفی برجاں مسلم داشتن

لہذا دعوت وتبلیغ کے صحیح تقاضے انہی کے درسگاہوں سے ممکن ہے اور حقیقی دعوت یہی دے سکتے ہیں، اور دیتے ہیں جس کے اثرات ہر جگہ ہیں کیونکہ دعوۃ اسلامی کی اصل تعریف: "الدعوة إلى توحيد الله والى الإيمان به والعمل بما جاء به الرسول صلى الله عليه وسلم وتصديق ما اخبر به" ہے۔

دعوت کی اس تعریف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مدارس اسلامیہ ھند جو ہندوستان میں اسلام کے مضبوط قلعے ہیں، اور علماء ودعاۃ ومبلغین کی پلیٹین یہاں تیار کی جاتی ہیں، ذمہ داران اور علماء ومدرسین سے اپیل ہے کہ ہر مکتب فکر اور مدارس کے علماء خالص اسلام کی خدمت کے لئے کتاب وسنت کو اپنے مناہج درس میں اساس قرار دیں، عقیدہ کی تدریس کا اہتمام کریں، حزبیت گروہ بندی اور تعصب مذہبی سے اپنے مناہج ونصاب اور درس کو پاک کر کے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کو اپنا اولین منہج قرار دیں۔ مدارس دیوبند میں جو تعصب وتقلید جامد کا دور دورہ ہے اور تصوف اور علم کلام اور علوم منطق وفلسفہ پر جو غیر معمولی زور ہے اس سے دین کی خدمت کے بجائے بسا اوقات دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور حقیقت ہے کہ اس مدرسے کی تاریخ جتنی طویل ہے اگر اس میں خالص کتاب وسنت کی تعلیم کا اہتمام ہوتا تو پورے طور پر ہندوستان میں ایک انقلاب آجاتا اور دعوت کے ثمرات اپنی اصل شکل میں مرتب ہوتے

مگر افسوس! کہ ایسا نہیں ہے۔

جماعت اسلامی کے مدارس جتنے کچھ بھی ہیں ان کے مناہج اکثر عقیدہ و منہج سلف سے الگ افکار و نظریات پر مبنی ہیں، اس لئے دعوت کے اہم تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں، اور ان کی تعلیم و تدریس سے امت مسلمہ کو نفع کم نقصان زیادہ پہونچ رہا ہے، یہی حال کچھ فراہی مکتب فکر اور اس کے مدرسے کا بھی ہے، اس لئے اس پر الگ سے مستقل بحث نہیں کی گئی ہے۔

مدارس ندوۃ العلماء کے یہاں بھی عقیدہ کے معاملہ میں زیادہ تساہل ہے اور منہج کچھ ایسا ہے بلکہ ماحول اور طریق کار روز بروز تصوف اور فقہی گروہ بندی کی سمت جا رہا ہے جس سے صحیح اسلامی فکر اور عقیدہ وعمل کی درستگی نہیں ہو سکتی، ٹھوس کتاب وسنت کی تعلیم ہی بار آور ہو سکتی ہے اور دعوت کے صحیح تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔

مدارس اہل حدیث کے مناہج بہتر ہیں اور عقیدہ واعمال اور دعوت وتبلیغ میں کتاب وسنت کو مرجع اساسی سلف صالحین کے طریقے کے مطابق بنایا گیا ہے، مگر سلفی ادارے بھی اب تدریس حدیث میں متن کے اندر محدثین وسلف کے نقش قدم پر ہیں۔ سند کے سلسلہ میں ان کے یہاں بھی محدثین کے طرز تدریس سے اعراض پایا جاتا ہے، جس سے علم حدیث کا صحیح ذوق طلبہ کے اندر پیدا نہیں ہوتا اور علم حدیث کے اندر گہرائی وگیرائی باقی نہیں رہ گئی، الا ماشاء اللہ۔ جس کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔

قدر مشترک

ایک عام عیب جو تمام مدارس کے اندر مشترک ہے وہ یہ کہ طلبہ کے اندر صحیح اسلامی تربیت اور اسلامی اسپرٹ کا فقدان ہے، اس کی اہم ذمہ داری ذمہ داران مدارس اسلامیہ پر عائد ہوتی ہے، موجودہ دور میں روز بروز دینی مدارس کے طلبہ کے اخلاق و کردار جس طرح پستی وھبوط کے شکار ہوتے جا رہے ہیں اس سے اسلامی دعوت کو ناقابل برداشت نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا اور مجبوراً شاعر کو کہنے دینا ہوگا کہ ؎

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے مایوس
نہ زندگی نہ حرارت نہ معرفت نہ نگاہ

نوٹ:۔ اس مقالہ میں ایک جم غفیر بریلوی مکتب فکر کے مدارس کی کثرت کے باوجود ان کا جائزہ نہیں

لیا گیا ہے، اس کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ ان کا منہج اکثر اہل سنت والجماعت کے منہج و مسلک سے الگ ہے، اور بدعت بلکہ بسا اوقات شرک جلی اور شرک اکبر بھی دین سمجھ کر پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، بلکہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے نام پر ان کے یہاں اہل سنت والجماعت کی تکفیر و بدعت کی تشہیر و تزئین کے لئے ہی مدارس کا قیام ہوا ہے اور ان میں اس کی تمرین و تدریب ہوتی ہے، اگر عذر مقبول ہے تو فبہا ورنہ پھر یہی چند سطور ان کے حقیقی دعوتی و تبلیغی ذمہ داریوں کی ادائگی سے متعلق کافی ہیں۔

وصلی اللہ علی النبی علیہ وسلم

اصغر علی امام مہدی السلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

الحاج سی فضل الرحمٰن کی وفات حسرت آیات

۱۲ر جنوری کو بذریعہ تار یہ خبر موصول ہوئی کہ جناب الحاج سی فضل الرحمٰن صاحب کا ۸ر جنوری ۱۹۹۴ء کو انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون !

موصوف صوبہ تامل ناڈو میں ضلع نارتھ ارکاٹ کے مشہور قصبہ پرنامبٹ کے معروف رئیس تھے آپ بڑے دیندار، مہمان نواز، مخیر اور مدارس و مساجد کے لئے بڑے کشادہ دست تھے۔ آپ کی شخصیت نہایت متحرک اور فعال تھی، موصوف جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس عاملہ کے سابق رکن تھے۔

جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ اس سانحہ سے محزون ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے آمین !

(ادارۂ محدث)

دعوت وتبلیغ میں خطبۂ جمعہ کا رول

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، وعلی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین۔ أما بعد: فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ "کنتم خیر أمۃ أخرجت للناس، تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" (آل عمران ۱۱۰) وقال تعالی فی موضع آخر "ولتکن منکم أمۃ یدعون إلی الخیر، ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر" (آل عمران ۱۰۴)۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "بلغوا عنی ولو آیۃ" (صحیح البخاری: الأنبیاء، باب ۵۰)

حاضرین کرام! اسلام آخری دینِ الٰہی ہے، اب قیامت تک نہ تو کوئی نیا دین آئے گا اور نہ ہی اس آخری دین کا کوئی نیا شارح، اب قیامت تک اس دین کی بقاء کی ذمہ داری یا تو حسب ارشاد نبوی منجانب اللہ کسی مجدد کی کے ذمہ ہوگی، یا حاملین دین وارثین نبی مکرم علماء کرام کے ذمہ، اور یہ ذمہ داری ایک دینی فریضہ ہے نہ کہ محض اجر وثواب کا ایک نفلی ذریعہ، مذکورہ بالا ارشاد باری اور فرمان نبوی نیز اس معنی کی دیگر آیات واحادیث کا یہی مستفاد ہے۔

اگر تواصی بالحق اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کسی خطہ، کسی طبقہ، کسی سماج سے ناپید ہو جائے تو وہاں سے دینی معلومات، اسلامی روایات کا دھیرے دھیرے خاتمہ ہوتا چلا جائے گا، اور ایک دن وہی صورتِ حال وہاں بھی پیش آجائے گی جیسی بہار کے شمالی مغربی خطہ "ریتیا" (؟) متصل اضلاع گورکھپور ودیوریا میں پیش آگئی ہے، جہاں کے مسلمان غیر مسلموں کی طرح سر پر چوٹی رکھتے ہیں، غیر مسلموں جیسے نام رکھتے ہیں، گوشت مچھلی انڈہ سے پرہیز کرتے ہیں، مگر کہتے ہیں کہ "ہم مسلمان ہیں" اس جیسی صورت حال ہندوستان کے دیگر خطوں میں، نیز نیپال کے پہاڑی علاقوں میں بھی موجود ہے۔

اس کے بالمقابل جن خطوں اور علاقوں میں مساجد، مدارس، مکاتب اور اجتماعات عام و خطبۂ جمعہ کے ذریعہ تعلیم وتعلم اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری ہے وہاں کے ہم سب علماء ہیں نیز وہاں کے عوام بھی دینی شعور اور معلومات سے کافی واقفیت رکھتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ، تواصی بالحق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عمل جن جن ذرائع سے مسلسل وپیہم جاری وساری رکھا جاسکتا ہے خطبۂ جمعہ ان سب میں سب سے عام، اہم اور مفید ترین ذریعہ ہے، کیونکہ:

۱۔ فرمانِ الٰہی "إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع" کے بموجب خطبۂ جمعہ میں حاضری ہر مسلمان عاقل و بالغ پر واجب ہے، بنا بریں اس کے اندر تمام ہی مسلمان حاضر ہوتے ہیں حتی کہ صرف نمازی ہی نہیں بے نمازی بھی حاضر ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگ بھی حاضر ہوتے جو مساجد کے دروس، اجتماعات اور ندوات میں حاضر نہیں ہو پاتے یا کتراتے ہیں، اس طرح امت کے ہر طبقہ میں دعوت وتبلیغ کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے جس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہر خطیب کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ یہ ہر ہفتہ اور ہر حال میں انجام دیا جاتا ہے، اگر صحافت، اجتماعات اور ندوات پر کہیں پابندی بھی لگ جائے تو دعوت وتبلیغ کا یہ ذریعہ کم سے کم داعی کے ہاتھ سے نہیں نکلتا، اس طرح سال میں باون (۵۲) خطبوں کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کا کام جاری وساری رکھا جاسکتا ہے۔

۳۔ دیگر اجتماعات کے برعکس اس کے اندر حاضرین کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے، اور آخر تک حاضرین موجود رہتے ہیں جب کہ دیگر اجتماعات میں لوگ اختتام سے قبل ہی سرکنے لگتے ہیں۔

۴۔ دیگر اجتماعات میں حاضرین کی ایک کثیر تعداد بات چیت، سرگوشی، مختلف ضروریات کے لئے یا بغیر ضرورت اٹھک بیٹھک کرتے رہتے ہیں، جب کہ خطبۂ جمعہ کے اندر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ممنوع ہے، بنا بریں حاضرین نہایت غور وخوض سے خطیب کی باتیں سنتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کے وسائل میں خطبۂ جمعہ کی مذکورہ بالا اہمیت اور افادیت کے پیش نظر خطباء کرام پر یہ اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس اہم ترین وسیلہ کو صحیح اور مناسب طور پر کام میں لائیں، اس سلسلے میں چند اہم نکات کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو بہتر نتائج کی قوی توقع کی جاسکتی ہے۔

۱۔ موضوع کا انتخاب بہت پہلے سے کرلیا جائے تاکہ موضوع کے تمام پہلوؤں پر مکمل غور وخوض اور تیاری کا

موقع مل سکے، موضوع کے انتخاب کو جمعہ کی رات تک ملتوی کردینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خطیب پریشان خیالی کا شکار ہوجائے گا، بروقت جو دماغ میں آئے گا الل ٹپ پیش کردے گا، جو قابل اطمینان نہیں ہوگا اور محض دفع الوقتی کی بات ہوگی۔

۲۔ موضوع کا انتخاب کرلینے کے بعد اس کی مکمل تیاری اور اس پر غور و خوض خطبہ دینے تک جاری رہنا چاہیئے، مشہور مقرر ڈائل کارنیجی اپنی کتاب " فن خطابت " میں لکھتا ہے کہ " اس پر پیہم دن و رات غور و فکر کرتے رہنا چاہیئے، آرام کے اوقات ہیں، غسل کرتے وقت، مقر عمل (آفس) آتے جاتے، لفٹ کے انتظار کے وقت میں کپڑوں پر پریس کرتے وقت حتیٰ کہ کھانا بناتے وقت بھی غور و فکر جاری رکھے، دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے موضوع کے متعلق ہی بات کرے، اور اس کے مختلف پہلوؤں پر خود ہی سوالات قائم کرے اور خود ہی جواب بھی دیا کرے، تب جاکر خطیب اپنے سامعین کو موضوع کے متعلق آسودگی مہیا کرسکتا ہے "

۳۔ خطبۂ جمعہ سے متعلق مذکورہ بالا دونوں نکات کا لحاظ وہی خطیب کرسکتا ہے جو کسی ایک مسجد کا مستقل خطیب ہو، یا اگر مدارس اور انجمنوں کے ذریعہ بھیجا جاتا ہو تو اس کو ہفتہ کے روز ہی بتادیا جائے، لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ نہ تو خطباء اس کا لحاظ رکھتے ہیں، اور نہ مدارس یا انجمنوں کے ذمہ دار ایک ہفتہ قبل اساتذہ کو باخبر کرتے ہیں، ہاں بعض ادارے ایسے ضرور ہیں جہاں ماہانہ چارٹ تیار کیا جاتا ہے۔

یہاں پر میں اپنے تجربہ کی بنیاد پر یہ مشورہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حتی الامکان ایک مدرس کو ایک ہی مسجد کی حد تک یہ ذمہ داری دی جانی چاہیئے تاکہ خطیب ترتیب اور ترکیز کے ساتھ اس مسجد کے مصلیان کو دینی معلومات سے مستفید کرسکے، " اِس ہفتہ یہاں، اُس ہفتہ وہاں " بھیجنے سے خطیب موضوع کے انتخاب میں حیص و بیص کا شکار ہوجاتا ہے، اور کیف ما اتفق موضوع پر الل ٹپ خطبہ دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

ہاں مختلف مناسبات جیسے عشرۂ محرم، میلاد النبی، بدعات رجب، پندرہ شعبان، رمضان و روزہ، قربانی عیدین اور حالات حاضرہ (جیسے خلیجی بحران، مسئلہ طلاق اور خاص وقت میں اٹھائے گئے مسلم پرسنل لا کے مسائل) جیسے مناسبات پر کسی خطیب کو کہیں بھی بھیجا جاسکتا ہے، لیکن ایسے موقع پر بھی خطیب کو چار پانچ دن قبل بتادیا جائے تو اسے تیاری کا موقع مل جائے گا، ویسے خطبہ دینے والے تمام علماء اور مدرسین کو ایسے موضوعات پر تو معلومات کا وافر ذخیرہ ہمہ وقت تیار رکھنا چاہیئے۔

مرتب اور مرکز اور مسلسل خطبات کے درمیان بعض مذکورہ مناسبات کے مواقع پر تسلسل کو منقطع کرکے ان سے متعلق حاضرین کی معلومات کو تازہ کرنا چاہئے۔

۴۔ موضوع کا انتخاب اپنی ضمیر کی آواز ہو، نہ کہ عوام یا کسی خاص ادارے کے دباؤ سے ہو، نیز جذبات سے ماوریٰ ہوکر یہ انتخاب عمل میں آنا چاہئے۔

۵۔ موضوعات میں تنوع ہو، اور کسی ایک ہی پہلو پر پیہم زور نہ ہو، عقیدہ، عبادات و اعمال، معاملات وسلوک اوامر ونواہی، معاشرے میں موجود فواحش و منکرات اور وعظ وتذکیر کے علاوہ حالات حاضرہ، امت کو درپیش موجود مسائل، امت کے خلاف سازشوں، غرض فرد وملت کو درپیش تمام دینی و دنیوی امور پر خطبات دیئے جائیں، جبکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کوئی تو صرف وعظ ونصیحت (تذکیری پہلو) والے خطبات دیتا ہے، تو کوئی صرف سیاسی امور پر، تو کوئی صرف اجتماعی مسائل ہی پر اکتفا کرتا ہے، حالانکہ خطباء کو یہ خیال ہونا چاہئے کہ حاضرین کی اکثریت ایسی ہوتی ہے، جنہیں علم کے حصول کا صرف ایک ہی ذریعہ میسر ہوتا ہے، بنا بریں تنوع سے ان کو ہمہ گیر دینی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔

عالم اسلام اپنی تاریخ کے ہر دور میں گوناگوں مشکلات و مسائل سے دوچار رہا ہے خصوصاً موجودہ دور میں تو اور بڑے بڑے مسائل و مشکلات درپیش ہیں ان سے متعلق صحیح معلومات اور صحیح تحلیل سے حاضرین کو مستفید کرنا چاہئے

۶۔ خطبہ میں حاضرین مسجد کے مَبلغِ علم، اور موقع اور زمانہ کا لحاظ ہونا چاہئے، اس کو میں چند مثالوں سے واضح کردوں گا۔

(الف) ایک بار ہمارے ایک متعارف جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ایک دو سال کے بعد وہاں کے ماحول سے متأثر جب پہلی بار چھٹیوں میں وطن آئے تو اپنے گاؤں یا کسی قریبی گاؤں کی مسجد میں عقیدہ کے موضوع پر خطبہ دیا جس میں جہمیہ، کرامیہ، معتزلہ، معطلہ، مجسمہ، مشبہہ، تعطیل وتشبیہ اور تجسیم جیسے دقیق مسائل دقیق الفاظ واصطلاحات کے ساتھ بیان کر بیٹھے، حاضرین کی اکثریت صم بکم عمی بنی بیٹھی رہی اور ان کے پلے کچھ نہیں پڑا، اور علاقے میں خوب چرچا ہوا

(ب) ایک سفر قسم کے واعظ صاحب کسی مسجد میں ۳۰ رمضان کو لیلۃ القدر کی فضیلت کا بیان لے بیٹھے، اب بھلا اس رات کی عبادت اور فضیلت کے پانے کا کیا امکان رہ گیا تھا؟ اس طرح کا بے تکا پن بہت

دیکھنے میں آتا ہے۔

مستقل خطباء ہوں یا کہیں وارد ہونے والے مہمان مقررین، یا کسی ادارے کی طرف سے کہیں بھیجے جانے والے واعظین، ان سب حضرات کو اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ جہاں وہ خطبہ دیتے ہیں، یا تقریر کرنے جا رہے ہیں، وہاں کے سماج میں موجود خاص فواحش ومنکرات اور سماجی برائیوں پر خاص توجہ دیں، جیسے کسی علاقہ میں معمولی معمولی باتوں پر طلاق دیدینے کا ظاہرہ بہت زیادہ ہو تو وہاں اس موضوع پر بار بار عوام کو بتایا جائے کہ طلاق حلال تو ہے مگر ابغض الحلال بھی ہے، حرم نبوی کے امام شیخ عبداللہ الزاحم سعودی سماج میں رائج اس ظاہرہ پر بار بار نکیر کیا کرتے ہیں۔

اگر کسی علاقہ میں مسلمان اشتراکیت کے دامِ فریب کے شکار ہوں تو وہاں اسلام اور اشتراکیت کے درمیان تضاد کو بار بار ظاہر کرنا چاہئے۔

اور جہاں مسلمان سماج بھی تلک وجہیز کی برائی میں مبتلا ہو تو وہاں اس ناسور پر فصد چلانے کا کام کرنا چاہئے اور اگر کسی خطہ میں مسلمان تمباکو، یا اور کسی نشہ آور اشیاء کی کھیتی کرتے ہوں تو وہاں کے خطباء یا مہمان مقررین کو وہاں کے عوام کو اس کے متعلق اسلام کے حکم سے واقف کرانا چاہئے۔ ورنہ بہت سے بھولے بھالے ناواقف مسلمان صرف ناواقفیت کی بناء پر مذکورہ بالا منکرات میں مبتلا رہ جاتے ہیں۔

۷۔ پیش کردہ معلومات خواہ شرعی ہوں یا تاریخی یا سیاسی، یا کسی نوعیت کے ہوں، اصلاً پیش کئے جائیں، یا بر سبیل تذکرہ اور مثال، ان کی صحت کا خیال ہونا چاہئے، شرعی معلومات حتی الامکان اُمّہات الکتب یا معتمد مراجع ومصادر سے مراجعہ کرکے تیار کی جائیں، احادیث کی صحت کا خاص خیال ہو، اس سلسلے میں کتبِ حدیث سے استفادہ کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے، یا کم از کم معتمد کتابوں سے تاکد کرکے احادیث کو بیان کرنا چاہئے اگر ضعیف اور موضوع احادیث بیان کی گئیں تو عوام ان کو صحیح حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھ بیٹھیں گے اور یہ دین کے اندر ایسی بات کا اضافہ ہوگا جو کسی قیمت پر دین سے نہیں ہوگا، اور خطباء خود "من قال علیّ مالم أقل فلیتبوأ مقعده من النار" کی وعید شدید کے مستحق ہوں گے۔

اگر کسی فن کی بات کو بطور مثال بیان کرنی ہوگی تو اس فن کی معتمد کتابوں یا علماء سے معلومات کا تاکد کرلینا چاہئے، ورنہ ممکن ہے حاضرین میں سے کوئی اس فن کا عالم ہو اور خطیب کی عجائب وغرائب خطیب کی

سبکی کا باعث بن جائیں ۔

۸۹۔ خطبہ کسی ایک ہی موضوع پر ہو، نہ کہ مختلف موضوعات کا ملغوبہ، حتی کہ استطراداً بھی ایسی کوئی بات نہ آنے پائے جس کا موضوع سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو، ابھی ایران کی، ابھی توران کی نہ ہانکی جائے۔

اس بیماری کے شکار وہی خطباء ہوتے ہیں جو مذکورہ بالا نکات کا لحاظ نہیں رکھتے۔

اخیر میں عرض ہے کہ: خطبہ ایک امانت ہے، اس لئے خطباء پر لازم ہے کہ اس امانت کو صحیح طور سے ادا کریں، اور اس کے لئے اخلاص فی الدعوہ کے علاوہ مذکورہ بالا نکات کا لحاظ ضروری ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس امانت کو صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، وما توفیقی إلا باللہ ۔

(اس مقالہ کی تیاری میں شیخ محمد عبداللہ الدویش کے مقالہ "حتی نستفید من خطب الجمعة" شائع شدہ مجلة البیان لندن سے استفادہ کیا گیا ہے، کچھ حذف، اضافہ اور تلخیص سے کام لیا گیا ہے)۔

...

(مولانا) احمد مجتبیٰ سلفی
مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

دعوتِ اسلامی میں موجودہ وسائل کا استعمال

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على اشرف المرسلين وخاتم النبيين، الداعي إلى الله باذنه والسراج المنير، نبينا محمد وعلى آله وصحبه والمهتدين بهديه والداعين بدعوته إلى يوم الدين، اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله وما أنا من المشركين۔ (یوسف ۱۰۸)

قابل احترام علماء کرام و حاضرین مجلس! آج کے اس علمی سیمنار اور مذاکرہ علمیہ میں جس موضوع پر مختصر بحث کرنی ہے وہ ہے "دعوت اسلامی میں موجودہ وسائل کا استعمال"

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی فطرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے پھلنا، پھولنا اور پھیلنا ودیعت کیا ہے، جمود، وقوف اور ٹھہراؤ اس کی فطرت نہیں، دنیا میں پھیلنے آیا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ پھیلے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دین اسلام دین فطرت کی طبیعت سے ناآشنا لوگوں نے ہمیشہ ہی اسے دبانے اور مٹانے کی مکمل کوشش کی ہے مگر وہ پھیلتا ہی گیا اور اسے ایک نئی زندگی ملتی گئی، دشمنان اسلام کبھی اپنے اس ناپاک ارادے اور مقصد میں کامیاب نہ ہوئے " والله متم نوره ولو كره الكافرون"

اعدائے اسلام کے نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ نے اپنے اس دین کی تکمیل کی ہے، اس کے نور سے پورے عالم انسانیت کو منور کیا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے مجدد دین بندوں سے دین کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ کا کام لیتا رہے گا فرمان نبوی ہے:

"ان الله يبعث على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔"

اس طرح دین کا کام ہوتا رہے گا، داعی دعوت الی الخیر دیتے رہیں گے۔ اور "رہے نام اللہ کا" کے مصداق دنیا میں اگر کوئی دین اپنی اصلی شکل و صورت پر برقرار رہے گا تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی دین

کے اندر یہ صلاحیت نہیں کہ وہ پھلے ، پھولے اور پھیلے۔ ویسے بھی ادیان سماویہ کی، آفتاب اسلام کے طلوع ہونیکے بعد کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے سب منسوخ قرار دیئے جاچکے ہیں اور دین اسلام کے ہوتے ہوئے ان کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی اہمیت وافادیت یہی وجہ ہے کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے توراۃ کا نسخہ لاکر پڑھنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں آگئے اور آپ کا رخ انور فرط غضب سے سرخ ہوگیا، اس موقع سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا " لو کان موسی حیا ما وسعہ إلا اتباعی" اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کرنا پڑتی۔

واضح ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپکی شریعت کے بعد ماقبل شریعتوں کی اہمیت نہیں۔

الغرض، دین اسلام کے علاوہ کسی بھی آسمانی دین کے اندر یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اس دنیا کا ابدی اور آفاقی دین قرار پائے اور ہفت اقلیم میں پھیل جائے، ادیان سماویہ جو اس وقت موجود ہیں وہ اپنی اصلی ہیئت وحالت پر موجود نہیں اور اس کے ماننے والے کئی خانوں میں بٹے ہیں چہ جائیکہ وہ اس کی کما حقہ دعوت دیں، اسے پھیلائیں اور اس کی حقیقی تعلیمات وہدایات کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ برعکس اسلام کے، اس کے ماننے والوں میں سے ہمیشہ ایک جماعت حقہ نے دین کی مکمل صحیح تعبیر پیش کی ہے، اس کی دعوت دی ہے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوگوں کو حکمت وموعظت کے ساتھ بلایا ہے اور اس کی تعلیمات وہدایات لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے دین کی امانت پوری طرح بعد کے لوگوں کو سونپ دی، انہوں نے اسے ہر تاویل وتحریف سے محفوظ رکھا، ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ عظام اور اسلاف کرام نے بار امانت کو اٹھایا ان کے زمانہ میں اُمت اسلامیہ کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، رومی، فارسی اور دیگر اقوام عالم کا اختلاط ہوا اور غیروں نے ارادی یا غیر ارادی طور پر دوسری تعلیمات داخل کرنا چاہیں اور دین کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ، اور کتاب اللہ اور سنت رسول میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے راستے نکالے گئے تو علماء کتاب وسنت کی حفاظت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے حکومت وسیاست میں انحراف اور باطل پرستوں کا پردہ فاش کیا، دین خالص کو بلاد اسلامیہ میں عام کیا اور تحفظ اسلام کی اس ذمہ داری کو بعد کی نسلوں کے حوالہ کیا، تاریخ نے ان کی جدوجہد اور کارناموں کو اپنے اوراق میں محفوظ کر رکھا ہے۔

دعوت اسلامی سے کیا مراد ہے

اس موضوع میں غور طلب امر یہ ہے کہ دعوت اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اور اس سے علماء کے نزدیک کیا سمجھا جاتا ہے

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں " هی الدعوة إلی الله والإیمان به وبما جاءت به رسله بتصدیقهم فیما اخبروا به وطاعتهم فیما أمروا "

سید جلال الدین العمری دعوت الی الخیر یا دعوت اسلامی سے متعلق فرماتے ہیں کہ " هی الدعوة إلی دین الله الذی انزله علی محمد صلی الله علیه وسلم وما آتاه تبارك وتعالی من العقائد والنظریات واصول العبادات ونظام الحیاة ومبادئ السیاسة والأخلاق ۔ الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر ص۱ ۔

یعنی اللہ رب العزت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو دین نازل کیا عقائد وافکار اور نظریات، عبادات کے طریقے، نظام زندگی اور سیاست واخلاق کے جو ضابطے بتلائے ان کی طرف بلانے کا نام " دعوت " یا " دعوت اسلامی " ہے دعوت اسلامی سے متعلق علماء کے بہت سارے اقوال وارد ہوئے ہیں مگر طوالت کے خوف سے مذکورہ اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

" دعوت اسلامی " کا حکم

دعوت اسلامی کی وضاحت کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے، مقالہ کے ابتداء میں پیش کردہ آیت سے شریعت کے حکم کو بخوبی جانا جاسکتا ہے ارشاد ہے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا طریقہ ہے کہ میں اور میرے تابعدار بصیرت (ودلیل) سے اللہ کے دین کی طرف بلاتے ہیں اور پاکی ہے اللہ کی اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں " ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : " ولتکن منکم أمة یدعون إلی الخیر ویأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر " (آل عمران ۱۰۴)

دعوت اسلامی سے متعلق احادیث کے اندر بھی اس کے حکم کو واضح کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے اندر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ " لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا ویأمر بالمعروف وینه عن المنکر " (الترمذی ۳۲۲/۴ ط مصطفی الحلبی)

یعنی جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا، ہمارے بڑے کی عزت نہیں کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دیا تو وہ ہم میں سے (ہمارے طریقہ پر) نہیں ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" والذی نفسی بیدہ لتأمُرُنّ بالمعروف ولتنہوُنّ عن المنکر اُو لیُوشِکنّ اللہ اُن یبعث علیکم عذابا منہ فتدعون فلا یستجاب لکم" (الترمذی)

مذکورہ احادیث اور پہلے منقول قرآنی آیات کی روشنی میں واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ "دعوت الی الخیر" دعوت اسلامی وجوب کا درجہ رکھتی ہے اور وہ اسلام کے اہم فرائض میں سے ایک فریضہ ہے جمہور علماء کے نزدیک "دعوت اسلامی" گرچہ فرض کفایہ ہے مگر متقدمین ومتاخرین میں سے تمام علماء کے نزدیک وہ علی الاطلاق واجب اور فرض ہے جیساکہ شیخ جلال الدین العمری اپنی کتاب میں واضح کرتے ہیں کہ "علماء متقدمین یا علماء متاخرین میں سے کسی ایسے عالم کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی ہے کہ جس نے دعوت اسلامی کو دین کا اساس نہ قرار دیا ہو اور امت مسلمہ کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ نہ شمار کیا ہو"

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" اتفقت الأمۃ علی وجوب الدعوۃ الاسلامیۃ بلاخلاف من احد منہم" (الفصل فی الملل ج ٤ ص ۱۷)

دعوت اسلامی کے وجوب پر بغیر کسی کے اختلاف کے امت کا اتفاق ہے علامہ شوکانی رقمطراز ہیں کہ دعوت اسلامی کا وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور وہ شریعت کے اہم واجبات میں سے ایک ہے۔ دعوت اسلامی کو شریعت میں ایک اہم رکن اور ایک ایسے عظیم ستون کا درجہ حاصل ہے جس سے دین کا نظام مکمل اور اس کی عمارت بلند ہوتی ہے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جامع ومانع انداز میں فرماتے ہیں کہ دعوت اسلامیہ ہر کسی پر بعینہا واجب نہیں، بلکہ بالکفایہ واجب ہے۔

دعوت اسلامی کا جمہور علماء کے نزدیک فرض (کفایہ اور بعض حالات میں فرض عین) ہونا اس کی اہمیت اور شرعی ضرورت کی دلیل ہے، امت مسلمہ اپنی اس ذمہ داری سے کبھی بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

دعوت اسلامی میں موجودہ وسائل کا استعمال

اسلام آفاقی مذہب ہے، اس کی دعوت سارے عالم تک پہونچنی چاہیئے، صحابہ کرام کے بعد قرون اولی کے مسلمانوں نے جہد مسلسل اور انتھک کوششوں سے دعوت اسلامی کی ترویج واشاعت میں کارہائے نمایاں انجام دیا جن کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

دعوتِ اسلامی کی اہمیت اور اس کی شرعی ضرورت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان تمام وسائل وذرائع کا استعمال

کیا جائے جن سے دعوت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچے، ہر چہار سو اسلام کا پیغام عام ہو، ہر کوئی اسلامی تعلیمات و ہدایات سے آشنا ہو اور اسلام سے متعلق وہ تمام غلط فہمیاں دور ہوں جو موجودہ دور میں بکثرت پھیل چکی ہیں۔

آج اسلام دشمن عناصر، باطل تحریکات، محرف اور مسخ مذاہب کے افراد اپنے غلط نظریات کی اشاعت اور دعوت میں ہر جائز و ناجائز وسائل کا استعمال کر رہے ہیں اور دولت کا ناجائز استعمال ہو رہا ہے۔

اور مذہب اسلام جو پوری دنیائے انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے آیا تھا، اس کے راستے میں مختلف قسم کی رکاوٹیں اور دشواریاں ہیں، آج اسلام کا مطالبہ ہے کہ منبر و محراب، مدارس و مساجد، مجلات و صحف اور مسلمانوں کے اموال سب اس دعوت کے کام میں لگا دیئے جائیں تاکہ اسلام کی صحیح روح باقی رہے اور اسلامی دعوت دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پھیل جائے، اور روئے زمین سے کفر و شرک مٹے اور اسلام کا بول بالا ہو۔

دور حاضر میں دعوت اسلامی کے سامنے جو امور و مسائل اور تحدیات و چیلنج ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسے وسائل و ذرائع کا استعمال ضروری ہے جو مؤثر و مناسب اور برووقت ہوں، دعوت اسلامی کی اہمیت و افادیت اور اس کی شرعی ضرورت سے قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے وسائل و ذرائع سب کے سب ہمیشہ کے لئے یکساں و برابر رہیں، ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی، یہ کوئی ضروری اور قابل قبول نہیں، حالات اور ماحول کے حساب سے تبدیلی لائی جا سکتی ہے اور ان تمام وسائل و ذرائع کا استعمال کیا جا سکتا ہے جو جائز اور شرعی حدود کے اندر ہوں۔

آج کا دور سائنس و ٹکنالوجی کا دور ہے آج کے دور میں ہر دوڑ کے لئے سائنسی اختراعات و ایجادات سے استفادہ کرنا ہمارے لئے نہایت ہی اہم ہے اور ان کے ذریعہ ہم اسلامی دعوت کم وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچا سکتے ہیں۔ برق رفتاری کے اس دور میں سست وسائل و ذرائع کا استعمال فائدہ سے زیادہ نقصان پہونچا سکتا ہے۔ یہ دور نو طرز ذرائع ابلاغ اور پریس و میڈیا کا دور ہے دعوت اسلامی کے کاز کو آگے بڑھانے اسے زیادہ عام کرنے، اور اسے زیادہ سے زیادہ مؤثر و مفید بنانے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم موجودہ وسائل و ذرائع کا استعمال کریں اور ان سے استفادہ کریں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ قدیم وسائل دعوت کو نظر انداز کر دیا جائے اور ان سے صرف نظر کر لیا جائے۔ یہ نظریہ ضرر رساں ثابت ہو سکتا ہے اور اس کے نقصانات مرتب ہو سکتے ہیں، ہر چند جدید وسائل دعوت کے استعمال کے ساتھ ساتھ ان قدیم وسائل و ذرائع کا استعمال بھی ضروری ہے جن کا ذکر اجمالاً

پہلے آچکا ہے۔

جرائد و مجلات کے علاوہ موجودہ وسائل میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر جیسی چیزوں کا استعمال کیا جائے، مسلم تنظیمیں، مدارس و جمعیات کے ذمہ داران ان وسائل کی فراہمی اور مہیا کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور ان کے استعمال کو عام کرائیں۔

وسائل حاضرہ میں کیسٹس کا استعمال بھی دعوت اسلامی کے لئے مؤثر و مفید ہوسکتا ہے، دین کے مبادی و اصول اور ارکان خمسہ کے علاوہ اتفاق و اتحاد اور مکارم اخلاق وغیرہ جیسے موضوعات پر علماء کرام اور داعیان دین کے تقاریر و بیانات اور مؤثر محاضرات کو صدا بند کر کے مشتمل " CASSETTES " کو غیر مسلموں تک عام کیا جائے اور ان کے ذریعہ انھیں اسلام کے اصول و مبادی سے روشناس کرایا جائے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ موجودہ وسائل میں جرائد و مجلات اور اخبارات سے ناخواندہ طبقہ فائدہ حاصل نہیں کرسکتا ہے اور اس طبقہ کے افراد نہ ہی اس سے مستفید ہوسکتے ہیں البتہ ریڈیو اور تقاریر و بیانات پر مشتمل " CASSETTES " سے ناخواندہ اور عامی افراد بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور حاصل کرسکتے ہیں۔

جدید وسائل دعوت کے باب میں ہر اس چیز کو شامل کیا جاسکتا ہے جس کے استعمال سے ہم ہر طرح کے گناہ سے بچ جائیں اور اس کے مرتکب نہ ہوں۔ العیاذ باللہ من کل اثم۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اسلام کی صیانت و حفاظت کی ذمہ داری لی ہے یہ اس کا محبوب و پسندیدہ دین ہے اسے ہر حال میں غالب ہونا ہے اور پورے عالم میں پھیل جانا ہے قرآن کہتا ہے" إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون، "ان الدين عند الله الاسلام"، "والله متم نوره ولو كره الكافرون"

دین اسلام دائمی دین ہے، محافظ اس کا خدا ہے اسی لئے ہمیشہ مکان و زمان کے اعتبار سے وہ اسباب و وسائل بھی پیدا کرتا ہے جن سے اللہ کے داعی بندے استفادہ کرتے ہیں اور دعوت اسلامی کو عام کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، داعیان حق کی ذمہ داری ہے کہ وہ حالات و مقتضیات پر گہری نظر رکھیں اور ان کے مطابق اسباب و وسائل استعمال کر کے دعوت اسلامی کو کما حقہ پہونچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ خدا اپنے دین کو بھٹکی ہوئی انسانیت تک پہونچانے اور کائنات میں اس کو غالب کرنے کے لئے ہر ممکن وسائل مہیا فرمائے اور مسلمانوں کو اپنے دین کے تئیں اپنی ذمہ داریاں

سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین ۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۔

(مولانا) صغیر احمد محمد عیسی المدنی
مبعوث الرئاسة إلى المدرسة الاسلامية بهوارة
مدهوبنی - بهار - الهند

مقالہ کی تیاری میں مدد لی گئی کتابیں

القرآن الکریم
الحدیث النبوی
فتح القدیر للشوکانی
الفصل فی الملل والاهواء والنحل
الحسبة فی الاسلام
کتاب " الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر "
سلفی دعوت کے علمی اصول / مترجم

احکام و مسائل صیام

علامہ نواب سید صدیق حسن خان بھوپالیؒ

(۱) قال تعالیٰ : یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۰ ایاما معدودات ط فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر، وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ۰ فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۰ [1]

اے ایمان والو ! فرض کیا گیا تم پر روزہ جس طرح فرض کیا گیا تھا تم سے پہلوں پر شاید تم ڈرو۔ یہ دن ہیں گنے ہوئے، پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں تو وہ اور دنوں میں روزہ رکھے۔ اور جن کو طاقت روزے کی نہیں ہے جیسے شیخ فانی، شیخہ فانیہ، وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، پھر جس نے ایک مد سے زیادہ کھانا دیا، یہ اس کے لئے بہتر ہوا، اور اگر تم روزہ رکھو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا اگر تم جانتے ہو۔

اس آیت شریف سے فرضیت روزے کی معلوم ہوئی، یہ بھی ثابت ہوا کہ اگلی امتوں پر بھی روزہ فرض تھا، گو عدد صوم میں کمی بیشی کیوں نہ ہو، پھر بیمار و مسافر کو اجازت دی کہ وہ حالت بیماری اور سفر میں روزہ نہ رکھے، جب اچھا ہو یا سفر سے پھر کر آوے تب قضا کرلے، پھر بوڑھے مرد و عورت کو یہ حکم دیا کہ اگر روزہ نہیں رکھ سکتے ہو تو اس کا کفارہ دو۔ ایک محتاج کو ایک مد طعام کھلاؤ، اس سے کم نہ ہو، زیادہ کا اختیار ہے۔

(۲) قال تعالیٰ : فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر ط یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ

---

[1] البقرۃ ۱۸۳ -

علی ماھداکم ولعلکم تشکرون ۝ [1]

جو کوئی حاضر ہو تم میں سے ماہ رمضان میں یعنی اپنے گھر میں موجود ہو، سفر میں نہ ہو تو وہ روزہ رکھے یعنی قضا نہ کرے۔ ہاں جو بیمار یا مسافر ہے وہ اور دنوں میں گنتی پورے کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے نہ کہ مشکل، تم پوری کرو گنتی رمضان کی۔ اللہ اکبر کہو اس بات پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت کی۔ شاید تم شکر گذار ہو۔

معلوم ہوا کہ مقیم کو بلا عذر افطار کرنا صوم کا جائز نہیں ہے۔ افطار کے لئے فقط دو ہی عذر ہیں: مرض وسفر۔ تکبیر سے مراد وہی تکبیر ہے جو رویت ہلال شوال سے کہی جاتی ہے۔

(۳) قال تعالیٰ: احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالآن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کذلک یبین اللہ اٰیاتہ للناس لعلھم یتقون ۝ [2]

حلال کیا گیا تمہارے لئے جماع عورتوں سے شب رمضان میں۔ وہ تمہارا لباس ہیں، تم ان کے لباس ہو، اللہ نے جان لیا کہ تم اپنی جان کی خیانت کرتے ہو یعنی تم سے ضبط نہیں ہو سکتا۔ سو تمہاری توبہ قبول کی، تمہارا قصور معاف کیا اب تم ان سے ملو جلو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھا ہے، یعنی اولاد وہ ڈھونڈو، کھاؤ پیو یہاں تک کہ کھل جاوے سفید ڈورہ فجر کا سیاہ ڈورے سے، پھر تم تمام کرو روزے کو رات تک یعنی غروب آفتاب تک، جس کے بعد رات آتی ہے، اور مت میل جول کرو عورتوں سے جب کہ تم اعتکاف میں ہو اندر مسجدوں کے۔ یہ حدیں ہیں اللہ کی، تم ان کے پاس نہ پھٹکو، اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کو بتاتا ہے، شاید وہ ڈریں۔

پہلے اسلام میں وقت شب بماہ رمضان عورت سے جماع کرنا حرام تھا، جب ایک صحابی سے یہ کام ہو گیا تو یہ آیت اتری۔ اللہ تعالیٰ نے جماع کی رخصت بخشی، کھانے پینے کی اجازت صبح کاذب تک دی، عورتوں کو مردوں کا لباس ٹھہرایا، یعنی جس طرح چاہیں ان سے لپٹیں چمٹیں، کپڑے کی طرح اوپر نیچے ان کو لپیٹیں، اوڑھیں

---

[1] البقرۃ ۱۸۴　　[2] البقرۃ ۱۸۷

روزے کی حد، اعتکاف کا حکم بھی بتا دیا۔ یہ بھی سنا دیا کہ اس حد سے آگے نہ بڑھیں ؎

بلاتے ہیں تو مبارک تمہیں پر اے توفیق
زیادہ حد سے نہ بڑھ جائے حوصلہ دل کا

(۴) قال تعالیٰ: إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ۔ [1]

یہ مقولہ ہے حضرت مریم علیہا السلام کا کہ میں نے نذر کا روزہ رکھا ہے، آج میں کسی سے بات نہ کروں گی، معلوم ہوا کہ اگلی امتوں میں بھی روزہ تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ نذر کا روزہ رکھنا بھی درست ہے۔

حدیث ابوہریرہ میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے، بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

ایک دروازہ کا نام ریان ہے، اس دروازے سے روزہ دار ہی بہشت میں جاویں گے۔ یہ مضمون حدیث سہل بن سعد میں آیا ہے، حدیث مذکور متفق علیہ ہے۔ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہوتا ہے، سات سو گنی تک، مگر روزہ کہ وہ خدا ہی کے لئے ہے وہی اس کی جزا دے گا۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ۔ معلوم ہوا کہ روزے کا اجر بےحساب ہے۔ سات سو چند سے بھی زیادہ ہے۔ زیادہ بھی کیا جس کی کچھ حد ہی ہم کو نہیں بتائی۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ [2] روزہ بھی مثل نماز کے فرض عین ہے جو حکم تارک نماز کا عمداً ہے، وہی حکم اس کا بھی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے جھوٹ بات کہنا نہ چھوڑا اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (رواہ البخاری)

دوسری روایت میں اتنا اور آیا ہے کہ تم میں سے جس کا روزہ ہو وہ بے حیائی نہ کرے، گپ شپ نہ لگائے اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔ اسکو بھی بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے، بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے، روزہ رکھنا آدھا صبر ہے، لیلۃ القدر میں جاگنا، عبادت

---

[1] مریم ۲۶۔ [2] السجدہ ۱۷۔ ترجمہ: پس ان لوگوں کے لئے ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے جس کو کوئی شخص نہیں جان سکتا یہ سب کچھ ان کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ہوگا۔

کرنا، بڑا اجر رکھتا ہے، رمضان میں قیام کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ سارے اگلے گناہ صغیرہ مٹ جاتے ہیں۔

عورت کو نفل روزہ رکھنا بدون اجازت شوہر کے جائز نہیں ہے۔ حدیث ابو ہریرۃ میں آیا ہے: جس عورت نے بغیر اذن شوہر کے روزہ رکھا، پھر شوہر نے اس سے ارادہ کسی بات کا کیا، اس نے نہ مانا، تو اس پر تین گناہ کبیرہ لکھے جاتے ہیں۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) یہ حدیث غریب ہے۔

سفر میں افطار عزیمت ہے جس کو قوت ہو اس کے لئے رخصت ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ باوجود قدرت کے بھی نہ رکھے۔

حدیث عمار بن یاسر میں آیا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یہ کچھ نیکی نہیں ہے کہ تم سفر میں بھی روزہ رکھو۔ اللہ نے تم کو رخصت دی ہے، تم اس رخصت کو قبول کرو (رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن)۔

افطار میں جلدی کرنا، سحری کھانے میں دیر کرنا مسنون ہے، یہ مضمون کئی حدیثوں میں آیا ہے۔ روزہ افطار کرانے کا بھی بڑا اجر ہے۔ حدیث زید بن خالد جہنی میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جس نے افطار کرایا کسی روزہ دار کو، اس کو اجر ہے برابر روزہ دار کے بدون اس کے کہ اجر اس صائم کا کم ہو۔ اس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، اس سے بڑھ کر بھی اور بہت حدیثیں اس کی فضیلت میں آئی ہیں، خدا کی رحمت کا کچھ شمار نہیں ہو سکتا۔ عطاء کا جم وفضلہ واسع۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ روزہ سپر ہے یعنی آگ دوزخ سے بچاتا ہے، جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔ (رواہ النسائی من ابی عبیدہ باسناد حسن وابن خزیمۃ فی صحیحہ والبیہقی) پھاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام روزے میں کرنا منع ہیں وہ نہ کرے۔ اگر کرے گا تو گویا روزے کو پھاڑ ڈالا۔ اب روزے کا کچھ اجر نہ ملے گا۔ طبرانی نے اوسط میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ پھاڑنا اس کا کذب وغیبت سے ہوتا ہے۔

حدیث ابوہریرۃ کا لفظ یہ ہے کہ روزہ کچھ کھانے پینے سے نہیں ہوتا ہے، روزہ تو لغو ورفث سے ہوتا ہے یعنی بیہودہ بات، بے حیائی بے شرمی کا کام نہ کرے تجھ کو اگر کوئی گالی دے یا تجھ سے الجھے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو شرط مسلم پر بتایا ہے۔

دوسری روایت میں ابوہریرۃ سے یوں آیا ہے: بہت روزہ دار ہیں جن کو روزے سے سوا بھوک کے حاصل نہیں ہوتا۔ بہت قائم ہیں جن کو قیام سے سوا جاگنے کے کچھ فائدہ نہیں ملتا۔ (رواہ ابن ماجہ واللفظ ا

والنسائی وابن خزیمہ فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرط البخاری) لفظ ان دونوں کا یہ ہے کہ بہت روزہ دار ہیں جن کا حظ روزے سے یہی بھوک پیاس ہے، بہت رات کے کھڑے ہونے والے ہیں جن کا حصہ اس قیام سے یہی جاگنا نیند کا کھونا۔ یہ مضمون بہت حدیثوں میں آیا ہے، مطلب یہ ہوا کہ جس نے روزہ رکھا پھر لغو ولہو ولعب وکذب و غیبت ونمیمہ ورفث وفسق وفجور وغیرہ امور منکر کو نہ چھوڑا، بری باتوں، برے کاموں سے نہ بچا تو اس کا روزہ مقبول نہیں ہے، وہ بے فائدہ بھوکا پیاسا رہا، اسی طرح جس نے رات عبادت میں بسر کی، مگر بری باتوں سے نہ بچا تو وہ عبادت اس کی قبول نہ ہوگی، ناحق نیند کو کھو کر ساری رات جاگتا رہا۔ ؎

ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا
چشم بیدار تو ہے پر دل بیدار نہیں

فائدہ : حدیث ابوہریرہ میں مرفوعاً آیا ہے کہ جس نے افطار کیا ایک دن رمضان میں بدون کسی رخصت ومرض کے تو سارے زمانے کا روزہ رکھنا بھی اس کا عوض نہیں ہو سکتا۔ (رواہ الترمذی واللفظ لہ وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وابن خزیمہ فی صحیحہ والبیہقی) معلوم ہوا کہ بے وجہ روزہ ترک کرنے کا بڑا گناہ ہے۔

حدیث ابوامامہ کا لفظ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : میں سوتا تھا دو آدمی آئے مجھ کو ایک سخت پہاڑ پر لے گئے، وہاں میں نے ایک قوم دیکھی کہ جن کو الٹے سر پاؤں کے بل لٹکایا ہے، ان کی باچھیں پھٹی ہوئی ہیں، ان میں سے خون بہتا ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہا وہ لوگ ہیں جو روزہ کھولنے کے وقت سے پہلے افطار کر بیٹھتے ہیں۔ (رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہما)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : رسّی اسلام کی، قاعدہ دین کا تین چیزیں ہیں جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے جس نے ایک کام کو بھی ان میں سے ترک کیا، وہ کافر حلال الدم ہے، ایک ہے لاالٰہ الا اللہ یعنی مع محمد رسول اللہ۔ دوسری نماز فرض۔ تیسرے روزہ رمضان کا۔ (رواہ ابویعلی باسناد حسن)
دوسری روایت کا لفظ اس طرح پر ہے، جس نے ترک کیا ایک کو بھی ان میں وہ کافر ہے ساتھ خدا کے۔ قبول نہیں فرض اس کا اور نہ نفل۔ اس کا خون ومال حلال ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح ترک نماز سے عمداً کفر آجاتا ہے، اسی طرح آدمی ترک صوم سے عمداً بلا عذر کافر ہو جاتا ہے۔

فائدہ : رمضان شریف کا روزہ تو فرض عین ہے، اس کے سوا نفل صوم اور بھی بہت ہیں، جیسے

چھ روزے ماہ شوال کے۔ اس کو حدیث مرفوع ابوایوب میں برابر صیام دہر کے رکھا ہے۔ (رواہ مسلم واہل السنن والطبرانی) یا جیسے روزہ عرفہ کا اس شخص کے لئے جو عرفہ میں موجود نہ ہو۔ یہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، یہ مضمون حدیث ابوقتادہ میں نزدیک مسلم کے آیا ہے، نو روزہ ذی الحجہ کی بھی بہت فضیلت آئی ہے۔ یا جیسے روزہ محرم کا، اس کو بعد رمضان کے افضل صیام فرمایا۔ ہر ایک دن کا روزہ محرم میں برابر تیس روزے کے ہوتا ہے۔ (رواہ الطبرانی عن ابن عباس مرفوعا واسنادہ لاباس بہ)

یا جیسے روزہ عاشورے کا کہ یہ ایک سال کا کفارہ ہے اس کو مسلم نے ابوقتادہ سے روایت کیا ہے، یا جیسے روزے ماہ شعبان کے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں بہت روزے رکھتے تھے۔ فرماتے: اس مہینے میں اعمال طرف خدا کے مرفوع ہوتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جب میرا عمل جاوے تو میں روزہ دار ہوں اس کو نسائی نے اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے، یا جیسے تین روزے ہر مہینے کے ان کو ایام بیض کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو وصیت کی تھی کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھا کرو (رواہ مسلم عنہ) یہ تین روزے برابر صوم دہر کے ہیں، گویا جس نے یہ روزے رکھے اس نے ساری عمر روزہ رکھا۔

یا جیسے روزہ پیر یا جمعرات کا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس دن روزہ رکھتے، فرماتے کہ آج کے دن اعمال عرض کئے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جب میرا عمل عرض کیا جاوے تو میں روزہ دار ہوں۔ (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ وقال حدیث حسن غریب)

یا جیسے روزہ چہارشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ، سنیچر، اتوار کا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے روزہ رکھا دن چہارشنبہ، پنجشنبہ کا اس کے لئے دوزخ سے برأت لکھی گئی۔ (رواہ ابویعلی) یا جس نے جمعہ بھی ان کے ہمراہ ملالیا اس کے لئے بہشت میں گھر بنایا جاوے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) ہاں تنہا روزہ جمعہ یا سنیچر کا منع ہے اس لئے ایک دن آگے یا پیچھے کا روزہ اس کے ساتھ ملالیوے۔

سب سے عمدہ طریقہ صوم کا وہ ہے جو داود علیہ السلام نے اختیار کیا تھا وہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے ایک دن افطار کرے، ہمیشہ روزہ رکھنا یا وصل کرنا منع ہے، دونوں عید یا ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اسی طرح استقبال کرنا ماہ رمضان کا ایک دو روزے سے منع ہے۔ مگر اس کو کہ جس کو عادت صوم نفل کی ہے وہ نفل اتفاقا ان دنوں میں واقع ہوا۔

فائدہ : روزہ رمضان کا ایک مرد عادل کے چاند دیکھنے یا شعبان کی گنتی پوری ہونے سے واجب ہو جاتا ہے جب تک چاند شوال کا نظر نہ پڑے تیس روزے برابر رکھے، اگر ایک شہر میں کسی نے چاند دیکھا تو اور شہر والوں کو بھی موافقت ان کی لازم ہے۔ مذہب حنفیہ کا بھی یہی ہے، روزے کی نیت صبح سے پہلے کرے۔

روزہ کھانے پینے، صحبت کرنے سے عمداً جاتا رہتا ہے، نسیان سے اگر کھالیا یا پی لیا یا جماع کیا تو نہیں جاتا۔ جان بوجھ کر اگر توڑ ڈالا ہے تو کفارہ واجب ہوگا، ایک گردن آزاد کرے، یا دو مہینے تک روزے رکھے، یا ساٹھ مسکین کھلاوے۔

جس نے کسی عذر شرعی سے روزہ نہیں رکھا اس پر قضا کرنا روزے کا واجب ہے، جس طرح عورت حیض نفاس میں، مسافر سفر میں، بیمار مرض میں روزہ نہیں رکھ سکتا ہے جس کو یہ ڈر ہو کہ روزہ رکھنے سے جہاد میں کمزور یا تلف ہو جاوے گا۔ اس کو افطار کرنا روزے کا عزیمت ہے۔

جو شخص مر گیا اور اس پر روزے تھے تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے، جو بوڑھا آدمی مرد یا عورت ادا یا قضا روزے کی نہ کر سکے، وہ ہر دن ایک مسکین کو کھلاوے۔

اعتکاف اگرچہ ہر وقت مسجد میں مشروع ہے۔ مگر رمضان میں زیادہ تر تاکید اس کی آئی ہے خصوصاً عشرہ اخیر میں۔ معتکف مسجد سے سوائے حاجت ضروری کے باہر نہ نکلے۔ یہ سب خلاصہ ہے احادیث کا۔

• • •

غیر مسلم دانشوروں کے درمیان اسلام کا تعارف کرانے میں جامعہ سلفیہ کی مشارکت

ہندوستان جس پرفتن وغیر یقینی دور سے گذر رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں، مذہب کے نام پر لوگوں کے مابین تصادم اور ٹکراؤ کی کوشش کی جا رہی ہے، خصوصاً اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دلوں میں نفرت وعداوت کے بیج بوئے جا رہے ہیں اس پر آشوب ماحول میں بھی کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو درپیش صورتحال اور اس کے ہیبت ناک عواقب سے واقفیت کی بنا پر ترساں نظر آتے ہیں۔ ملک کی سالمیت اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے ایجابی خطوط پر سوچ رہے اور کام کر رہے ہیں اور اس مقصد کے خاطر مختلف مذاہب کے دانشوروں مفکرین، اور پیشواؤں کو گاہے بگاہے جمع کرکے ان سے ان کے مذاہب کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں اور پرامن بقائے باہم کے طرق ووسائل اور اس کے امکانیات پر تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں عیسائی مشینری کے تحت چلنے والا ادارہ "میتری بھون" بنارس ایک عرصہ سے کام کر رہا ہے۔ متعدد مواقع سے اس کی دعوت پر جامعہ سلفیہ بنارس کی جانب سے ایک سے زائد بار جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری وکیل جامعہ سلفیہ نے اس کے پروگراموں میں شرکت کی ہے۔

گذشتہ ۸، ۹، ۱۰ نومبر ۱۹۹۳ء کو مذکورہ ادارہ کی جانب سے "مذہب" نجات اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی" کے عنوان سے ایک سہ روزہ قومی سیمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں مختلف مذاہب وادیان کے اسکالرز دانشوروں اور رہنماؤں کو دعوت دی گئی تھی جنہوں نے اپنے اپنے مذہب کے تعارف سمیت انسانیت کی نجات اور مختلف مذاہب کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے تعلق سے اپنے مذہب کے نقطۂ نظر اور اس کی تعلیمات پر مشتمل مقالات پیش کئے یا تقریریں کیں۔ پروگرام کے مطابق ۹/ ۱۰/ ۱۹۹۳ء کو ۵ بجے شام میں جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری کو مذہب اسلام کا تعارف اور مذکورہ بالا نقاط سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر اور اسلامی

تعلیمات کی وضاحت کردی تھی، وقت مقررہ پر جناب مولانا عبدالوحید صاحب شیخ الجامعہ، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری مع دیگر اساتذۂ جامعہ میتری بھون پہونچے، چونکہ مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا اس لئے پہلے وہیں مغرب کی نماز ادا کی گئی اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا۔

موصوف نے خطاب کے شروع میں بطور تمہید کے چند باتوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سب سے پہلے اس نوعیت کے اجتماعات کی اہمیت وضرورت کو واضح کیا، اور کہا کہ میں عرصۂ دراز سے بنارس میں مقیم ہوں بارہا میرے ذہن میں اس طرح کے خیالات آئے لیکن اس کے امکان کی کوئی واضح شکل یا سبیل میرے تصور میں نہیں آسکی تھی۔ لیکن میتری بھون کے ذمہ داران کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہم اور آپ آج یہاں اکٹھے نظر آرہے ہیں اور مختلف اہل مذاہب اپنے اپنے مذہب کا تعارف اور نقطۂ نظر واضح کر رہے ہیں۔

مختلف مذاہب کے مابین تصادم اور ٹکراؤ کی جس صورتحال کا ہم کو سامنا ہے اس سے نبردآزما ہونے کے طرق، ووسائل پر اظہارخیال فرماتے ہوئے موصوف نے تمام مذاہب کو ایک مذہب بنانے، یا طاقت کے بل بوتے پر تمام مذاہب کو ختم کر دینے کو ناممکن قرار دیا، اسی طرح مناظر جو کسی زمانہ میں بہت زیادہ رائج تھا، آج کے دور میں غیر مفید ہونے کی وجہ سے ازخود ختم ہوجانے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ صرف یہی ایک شکل باقی رہ جاتی ہے کہ اس نوعیت کی مجالس منعقد کر کے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے آپس میں تفاہم اور رواداری کی فضا قائم کرنے اور ایک دوسرے کے تئیں غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، اسلام کی ہمہ گیریت اور اس کی شمولیت پر زور دیتے ہوئے موصوف نے واضح کیا کہ اسلام کا تعارف ایک آدمی کے ذریعہ ایک تقریر کے دوران محدود وقت میں امر محال ہے۔ اس لئے چند اہم امور کی جانب اشارہ پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

اس کے بعد اسلام کا ایک مذہب کی حیثیت سے تعارف کراتے ہوئے سب سے پہلے یہ واضح کیا کہ اسلام اللہ تعالی کا بھیجا ہوا آخری مذہب ہے۔ جس پر سابقہ تمام مذاہب کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ اب اس کے بعد اللہ تعالی کی جانب سے کسی نئے دین کی آمد متوقع نہیں۔ اس وضاحت کے بعد اسلام کے مصادر (سورسیز) پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن وحدیث، اجماع و قیاس کا بھی تعارف کرایا۔ قرآن سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے موصوف نے یہ کہا کہ زمانۂ نزول کے اعتبار سے قرآن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا

ہے۔ ایک حصہ کو مکی دوسرے کو مدنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان دونوں حصوں میں احکام و قوانین کی تشکیل میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا کسی آیت سے اس کے زمانۂ نزول کا لحاظ کئے بغیر کوئی حکم مستنبط کر کے اس کو اسلام کا حکم بتلانا صحیح ترجمانی نہیں تصور کی جائے گی۔

حدیث کی اہمیت اور اس کے مقام پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا کہ تشریع و قانون سازی کے اعتبار سے حدیث کو وہی اہمیت حاصل ہے جو قرآن کو حاصل ہے۔ اسی ضمن میں ان چھ بنیادی کتبِ حدیث کا بھی مختصر تعارف کرایا جن پر اسلام کے تقریباً سارے احکام کا دار و مدار ہے۔ صحت و ضعف کے لحاظ سے حدیث کے اقسام: صحیح، حسن، ضعیف، اور موضوع کی جانب بھی یہ بتلاتے ہوئے اشارہ کیا کہ ان کی تمیز اور پہچان کے لئے ایک مستقل علم "مصطلح الحدیث" کے نام سے وجود میں آیا۔ اور اس کے تحت ایک خاص اور بہت ہی اہم علم "علم الاسناد" یا "علم الرجال" ایجاد کیا گیا جس میں کم و بیش ۵ لاکھ راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی قلم بند کئے گئے ہیں۔ اگر کسی نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی جھوٹ کا ارتکاب کیا تو اسے بھی محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اور ایسے شخص کی روایت کردہ حدیث کو قبولیت کا درجہ نہیں حاصل ہو سکتا

اسی طرح موصوف نے اجماع و قیاس اور ان کی ضرورت و اہمیت پر بھی روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ارکانِ اسلام کا تعارف کراتے ہوئے سب سے پہلے کلمۂ شہادت کے معانی و مفاہیم پر سیر حاصل بحث کی، اور بتلایا کہ اسلام میں غیر اللہ کی عبادت کی کسی بھی شکل میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی نظر میں لائق پرستش و بندگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، لہٰذا کوئی بھی ایسا کام جس میں تعبد و بندگی، خضوع و تذلل کا پہلو غالب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسری ذات (خواہ وہ کتنی ہی بلند و برتر ہو) کے لئے روا نہ ہوگا۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور آپ کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ دین کے تعلق سے آپ کی بتلائی ہوئی تمام باتیں واجب الاتباع ہیں کیوں کہ وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ہی باتیں ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ کے ضمن میں موصوف نے ایمان، ارکانِ ایمان کی قدرے اختصار کے ساتھ وضاحت فرمائی۔ بعدہ بقیہ ارکانِ اسلام: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ان سے بھی سمجھ میں آنے والے بعض اسرار و حکم کا تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ ان چاروں ارکان کی ادائیگی کے بغیر صحیح معنوں میں کوئی

شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، مناسبت کے پیش نظر موصوف نے اسلام میں عبادت کے وسیع مفہوم کو اجاگر کرتے ہوئے بتلایا کہ اسلام میں صرف یہی چار چیزیں کل عبادت نہیں ہیں، اتنا ضرور ہے کہ ان کو عبادت میں اساس اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، ورنہ اسلام میں ہر اس اچھے اور نیک کام کو عبادت کا درجہ حاصل ہے جسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے، حتیٰ کہ مرد کا اپنی بیوی کیساتھ حلال طریقے سے جنسی تعلقات قائم کرنا، یا اس کے منھ میں لقمہ ڈالنا بھی باعث ثواب اور عبادت ہے۔

ارکان اسلام کی توضیح اور تعارف کے بعد انسانی وجود کے مقصد کی اسلامی نقطۂ نظر سے وضاحت کے لئے قرآن و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت انسان کو پیدا کیا تو اسے اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا۔ لہٰذا اسلام کی نظر میں تمام انسانوں کو جملہ مخلوقات کے مقابلہ میں اشرف واکرم ہونے کا شرف حاصل ہے، کیوں کہ ان کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ ایک عظیم کام لینا چاہتا تھا۔ اور وہ عظیم کام قرآن کریم کی صراحت کے مطابق اللہ رب العزت کی پرستش و بندگی ہے۔

اسلام کی نظر میں انسانی معاشرہ کی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے موصوف نے سب سے پہلے یہ واضح کیا کہ انسانیت کے ناطے اسلام ہر فرد کو ایک ہی حیثیت دیتا ہے، اس کے نزدیک تمام انسان ایک ہی نفس (ذات) یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں ان میں کسی کو کسی پر کسی حیثیت سے برتری و فضیلت حاصل نہیں ہے، اگر کوئی شخص معزز ہوسکتا ہے تو اپنے نیک اعمال اور تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں معزز و مکرم ہوسکتا ہے۔

لہٰذا اسلام میں ایسی سوسائٹی کا وجود غلط نہیں ہے جس میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہوں یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات وہدایات میں ایسے احکام و قوانین بھی ملتے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں سمیت غیر مسلموں سے بھی ہے۔ اس کی سماجی تعلیمات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسا معاشرہ اور سماج قائم کرنا چاہتا ہے جو ظلم و زیادتی، بدامنی، لاقانونیت، اور بدخلقی و بدچلنی سے پاک و منزہ ہو۔

عام انسانوں سے متعلق اسلام کی تعلیمات پر روشنی ڈالنے کے بعد مسلمانوں کے آپسی تعلقات سے متعلق بھی اسلامی ہدایات پر گفتگو کی اور یہ واضح کیا کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں

ان کی مثال ایک جسم کی ہے کہ اگر اس کے کسی عضو میں تکلیف ہو جاتی ہے تو سارے اعضاء درد کی شدت محسوس کرتے ہیں، اسی ضمن میں مہاجرین و انصار کے مابین جو رشتۂ اخوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقعہ پر قائم کیا تھا. اس کی جانب بھی اشارہ کیا اور اسے اسلامی رشتۂ اخوت کی ایک اعلیٰ ترین عملی مثال قرار دیا۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے تعلق سے موصوف نے دلائل کی روشنی میں واضح کیا کہ اسلام میں حد درجہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ دیگر آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کے دیگر انبیاء و رسل پر صدق دل سے ایمان نہیں لاتا، اس ضمن میں آپ نے یہ بھی کہا کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے. بلکہ یہ وہی دین ہے جس کو تمام سابقہ انبیاء و رسل لے کر آئے تھے جیسا کہ قرآن کریم نے خود صراحت کی ہے: "شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی أوحینا إلیک وما وصینا بہ إبراہیم وموسیٰ وعیسیٰ..." (الشوریٰ ۱۳) چنانچہ بنیادی اصول و مبادی میں، جملہ انبیاء و رسل کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، ہاں کچھ امور ایسے ہیں جن میں مختلف وجوہات کے پیش نظر فرق پایا جاتا ہے، اس کے بارے میں بھی قرآن کی صراحت ہے: "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا" (المائدہ ۴۸)

لہٰذا اسلام میں دیگر مذاہب کے ساتھ مل کر زندگی گذارنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے اس سلسلے میں جن اصول کی جانب قرآن واحادیث میں ہم کو رہنمائی ملتی ہے. وہ یہ ہے کہ نیک اور اچھے کاموں میں آپس میں تعاون ہونا چاہیئے، ظلم وزیادتی اور برائی و بدچلنی کے کاموں میں کوئی تعاون نہیں ہو سکتا اسی طرح جو تم سے صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو تم بھی اس کے ساتھ مکمل بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ رہو، مزید وضاحت کے لئے معاہدۂ مدینہ کی جانب بھی اشارہ کیا جو ہجرت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ کے ساتھ کیا تھا، اور اس معاہدہ کی بعض دفعات پر بھی روشنی ڈالی. جن میں سب سے اہم دفعہ یہ تھی مدینہ پر کسی حملہ آور کا مشترکہ طور پر دفاع کریں گے، یہود کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی، کسی تیسرے فریق سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے درحقیقت یہ معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی رواداری اور فراخ دلی کی ایک ایسی مثال ہے

جس پر دنیا ناز کر سکتی ہے۔ اخیر میں بعض شرکاء کی جانب سے سوالات کیے گئے جن کا موصوف نے بڑی وضاحت سے جواب دیا۔ ان میں سے کچھ سوالات ایسے تھے جن کا تعلق قلت وقت کے پیشِ نظر قصداً نظر انداز کیے گئے بعض عناصر سے تھا۔

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ بی ایچ یو کے جناب مشرا صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا خلاصہ انگریزی زبان میں پیش کیا۔ تقریر، اس کے انگریزی خلاصے اور سوال وجواب کے بعد میتری جون کے ذمہ داران کی جانب سے موصوف ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا۔ بعض شرکاء نے بھی اسلام سے متعلق واضح معلومات فراہم کرنے پر ڈاکٹر صاحب کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا۔

واضح ہو کہ مذکورہ سیمینار سے کچھ دن پیشتر مورخہ ۲۷/۱۰/۱۹۹۳ء کو بدھسٹوں کی جانب سے بھی اسی نوعیت کا لیکن چھوٹے پیمانہ پر ایک اجتماع سارناتھ میں منعقد کیا گیا تھا۔ سبھی جانتے ہیں کہ سارناتھ کو بدھ مذہب کے اعتبار سے غیر معمولی مذہبی وتاریخی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں متعدد عبادت گاہیں اور ایک بڑا تعلیمی ادارہ سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف ہائر تبتن اسٹڈیز پائے جاتے ہیں، مذکورہ اجتماع کا اہتمام اسی ادارہ کی جانب سے کیا گیا تھا جس میں ہندوستان کے مشہور مذاہب ہندو، جین، عیسائی، اسلام سکھ، سمیت بعض تنظیموں کے اسکالرس و پیشواؤں کو اپنے مذہب کا تعارف کرانے اور مختلف اہل مذاہب کے مابین پرامن بقائے باہم کے امکان پر تبادلۂ خیال کرنے کے لئے دعوت دی گئی تھی۔ مدعوین میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم بنارس) بھی شامل تھا۔ اس اجتماع میں محترم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری وکیل جامعہ کی شرکت متوقع تھی۔ لیکن بروقت کسی اہم مشغولیت کے پیش آجانے کی وجہ سے مولانا اصغر علی امام مہدی صاحب مدنی استاذ جامعہ سلفیہ اور راقم السطور کو شرکت کے لئے بھیجا گیا۔ اجتماع اپنے مقررہ وقت پر دس بجے صبح شروع ہوا جس کی نظامت یو جی سی کے سابق چیرمین پروفیسر مورتی صاحب نے کی، سب سے پہلے انہوں نے شرکاء میٹنگ کا شکریہ ادا کیا۔ اور ملک کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے اجتماع کے مقصد کی جانب اشارہ کیا اور بتلایا کہ اس اجتماع سے ہمارا مقصد صرف یہ جاننا ہے کہ کیا مختلف مذاہب کے لوگ بغیر کسی تصادم اور ٹکراؤ کے پرامن طریقہ سے زندگی گذار سکتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں گذار سکتے ہیں تو کیوں؟ اور اگر گذار سکتے ہیں تو کیا زمانۂ ماضی میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے یا نہیں اگر ملتی ہے تو اب ہم کیوں نہیں پرامن

طریقہ سے زندگی گذار رہے ہیں اور ٹکراؤ کی موجودہ شکل کیوں کر رونما ہوئی کیا اس کا خاتمہ ممکن ہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات مختلف مذاہب کے نقطۂ نظر سے سننا چاہتے ہیں، ان تمہیدی کلمات کے بعد انہوں نے یکے بعد دیگرے ہندو، بودھ، جین، عیسائیت، اسلام اور سکھ کے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لئے ہر مذہب کے رہنما کو دعوت دی، اور ہر ایک نے مذکورہ سوالات کے جوابات اپنے اپنے مذہب کی روشنی میں دینے کی کوشش کی، اور ساتھ ہی اپنے مذہب کا تعارف بھی پیش کیا۔

اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لئے مولانا اصغر علی صاحب کو دعوت دی گئی۔ موصوف نے سب سے پہلے منتظمین اجتماع کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ایسے ماحول میں جب کہ ملک کے کونہ کونہ میں مذہب کے نام پر نفرت وعداوت کا بیج بویا جارہا ہے۔ اس طرح کا اجتماع منعقد کرکے انہوں نے بہت ہی قابل تحسین کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس نوعیت کے اجتماعات سے کم از کم مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے، دوسرے مذہب کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے نیز انسانیت کی بھلائی اور اس کی فلاح وبہبود کے بارے میں سوچ وچار کرنے کے مواقع فراہم ہوں گے، ان تمہیدی کلمات کے بعد موصوف نے بھی پرامن دبامقصد زندگی گذارنے کے لئے مذہب کی ضرورت کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے کمیونسٹ نظام جو مذہب کو افیون کے نام سے یاد کرتا ہے کہ فرسودگی پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ سوویت یونین کا سقوط اس کا بین ثبوت ہے۔ اس کے بعد اسلام کا مختصر تعارف کراتے ہوئے اسلام کو دین رحمت قرار دیا۔ اور بتلایا کہ یہ دین نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری انسانیت کے لئے صلح وآشتی اور امن وامان کا دین ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ کیوں کہ اسلام سلم سے بنا ہے جو عربی زبان کا ایک لفظ ہے اور اس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں، اسی طرح دوسرا لفظ ایمان ہے جو لفظ امن سے ماخوذ ہے، دین اسلام کی قدامت پر بحث کرتے ہوئے موصوف نے قرآنی تصریحات کی روشنی میں واضح کیا کہ یہ کوئی نیا دین نہیں ہے جو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو، بلکہ یہ دین ابونا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء ورسل اس جہان میں عالم بشریت کی ہدایت کے لئے تشریف لائے، سب کا یہی پیغام تھا۔ کلمہ شہادت (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کے معانی ومفاہیم پر روشنی ڈالتے ہوئے جملہ ارکان ایمان یعنی ایمان باللہ والملائکۃ والکتب والرسل والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ پر قدرے

تفصیل سے گفتگو کی، بعدہ دیگر اہل مذاہب کے ساتھ پرامن زندگی گذارنے کی اسلامی تعلیمات کو اجاگر کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ اسلام نے ظلم وزیادتی کو ہر حال میں اور ہر آدمی کے ساتھ بے غیر کسی تفریق کے حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح مذہب سے قطع نظر اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن وسلوک کی اسلام میں تاکید کا بھی ذکر کیا اسی ضمن میں موصوف نے اسلام یا مسلمانوں کے خلاف عائد کئے جانے والے اس الزام کی بھی نفی کی کہ اسلام ایک ظلم وزیادتی والا جنگجویانہ مذہب ہے، تاریخ کے مستند واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے موصوف نے بتلایا کہ اسلام نے کبھی بھی کسی کے خلاف جنگ میں پہل نہیں کی، جس کسی نے اس کے ساتھ امن وچین کی زندگی گذارنا چاہا، اسلام نے دو قدم آگے بڑھ کر اس سے دوستی کا ہاتھ ملایا ہے، غیروں کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کی خلاف ورزی پر اسلام کی سخت نکیر و وعید کا تذکرہ کرتے ہوئے موصوف نے یہ واضح کیا کہ اگر کسی خلیفہ نے غیر اسلامی حکومت کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنی چاہی تو علمائے وقت نے اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے اس سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی، اس سلسلہ میں موصوف نے حدیث کی قدیم مستند کتابوں کے حوالہ سے عمرو بن عنبسہ کا ایک واقعہ بھی نقل کیا۔ موصوف نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی بتلایا کہ اسلام نے اپنی ذاتی خصوصیات وامتیازات یا اپنے متبعین کے کریمانہ اخلاق کی وجہ سے جو ترقی حاصل کی اسے جنگی فتوحات کے ذریعہ اتنی ترقی نہیں مل سکی، اس کے بعد موصوف نے تصادم اور ٹکراؤ، نفرت وعداوت کے جس دور اور ماحول سے ہم گذر رہے ہیں اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلایا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دھرم کے اصول سے ہٹ گئے ہیں، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ دو مذہب کے صحیح پیروکاروں میں ٹکراؤ پیدا ہو، اور اس کو ایک واضح مثال کے ذریعہ یوں سمجھانے کی کوشش کی کہ جس طرح آمنے سامنے سے آئے ہوئے دو گاڑی ڈرائیور اپنے لئے مقرر کردہ ٹریفک کے اصول کو برتتے ہوئے کبھی نہیں ٹکرا سکتے، ٹکراسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ان میں سے کوئی ایک یا دونوں اپنے ٹریفک کے اصول سے روگردانی کرتے ہیں، بعینہ اسی طرح دو مختلف مذہب کے ماننے والے اپنے اپنے مذہب کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے آپس میں کبھی نہیں لڑ سکتے اور اس موقعہ پر شاعر مشرق علامہ اقبال کا مشہور شعر پڑھتے ہوئے اپنی گفتگو ختم کی۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

تقریروں کے بعد سوال وجواب کا بھی وقفہ رکھا گیا تھا، مگر تقریری سلسلہ کے طویل ہوجانے کی وجہ سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔

ناظم جلسہ نے اس میٹنگ کے خلاصہ اور نتیجہ کے طور پر ایک قرار داد پاس کرنے کی تجویز رکھی، مگر صیغۂ قرار داد پر بعض شرکاء کے عدم اتفاق کے پیش نظر اسے معرض التواء میں ڈالدینا پڑا۔ اور شاید اختلاف زبان کی وجہ سے صحیح طور پر قرار داد کا مفہوم واضح نہ ہونے کی بنا پر ایسا ہوا۔ ورنہ تمام شرکاء کے یہاں یہ احساس مشترک تھا کہ مذہب کے نام پر آپس میں تصادم اور ٹکراؤ نہیں ہونا چاہئے، اور اختلاف مذاہب کے باوجود پرامن زندگی گذارنا ممکن ہی نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ یوں تو اس قسم کے اجتماعات میں پیش کی جانیوالی تمام باتوں سے اتفاق ناممکن ہے یا ان سے بڑے انقلاب کی توقع کی جا سکتی ہے ۔ لیکن اس لحاظ سے ان میں شرکت ہمارے لئے سود مند ہو سکتی ہے کہ مختلف مذاہب کے اسکالروں، اور رہنماؤں کے درمیان اسلام کا صحیح تعارف کرانے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اور اسلام کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ ...

دکتور رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

جامعہ سلفیہ

میں

شعبہ تدریب الدعاۃ والمعلمین

کا آغاز

جامعہ سلفیہ کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تعلیم و تربیت کی ترقی اور فروغ ہے۔ ۱۹۸۰ء میں مؤتمر الدعوۃ والتعلیم کے موقع پر ہند و بیرون ہند کے علماء اور دعاۃ نے یہ تجویز منظور کی تھی، کہ جامعہ سلفیہ کے ماتحت شعبۂ تدریب کا قیام فوری طور پر عمل میں لایا جائے، یہ تجویز بیحد اہم تھی لیکن مختلف اسباب کی بناء پر پچھلے ۱۲ / ۱۳ / سال کے عرصے میں اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ شوال ۱۴۱۴ھ سے جامعہ میں دعاۃ و معلمین کی تربیت کے لئے ایک سالہ کورس شروع کیا جارہا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مدارس اسلامیہ کے فارغین میں سے جو حضرات مذکورہ تربیتی کورس سے دلچسپی رکھتے ہوں انہیں ماہ شوال سے قبل دفتر جامعہ سلفیہ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تاکہ نصاب و شرائط داخلہ وغیرہ کی تفصیل معلوم ہوسکے۔

والسلام

منجانب دفتر جامعہ سلفیہ

جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، وارانسی۔ یوپی، الہند

اہم اعلان

بشیخ الحدیث علامہ عُبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر ماہنامہ محدّث بنارس کے "خصوصی شمارہ" کی تیاری کا آغاز کردیا گیا ہے، جماعت کے علماء وفضلاء حضرات اصحاب قلم وشعراء کرام نیز شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے تعلق خاطر رکھنے والے تمام اصحاب سے گذارش ہے کہ موصوف کی حیات اور خدمات سے متعلق اپنی وقیع نگارشات اور موصوف کے خطوط وغیر مطبوعہ تحریروں کی اصل یا نقل یا فوٹو پہلی فرصت میں ماہنامہ محدث کے پتہ پر ارسال کرنے کی سعی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

(ادارہ محدّث)

ایک اہم اعلان

میرے دادا بزرگوار مولانا ابوالقاسم خالد العربی رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم دارالکتاب والسنۃ، بونت صوبہ اڑیسہ) کے احباب، متعلقین اور واقف کاروں کو اطلاع دی جارہی ہے کہ جناب میر عبدالرزاق صاحب پروفیسر حفیظ اللہ نیلپوری کی زیر نگرانی دادا مرحوم پر P.H.D. کے لئے آتکل یونیورسٹی سے رجسٹرڈ ہیں، موصوف کا عنوان "مولانا ابوالقاسم خالد العربی حیات وخدمات" ہے۔

لہذا مولانا مرحوم کے تعلق سے جو بھی معلومات آپ کے پاس ہوں اپنے تأثرات کے ساتھ قلم بند فرما کر ذیل کے پتہ پر ارسال فرما دیں تاکہ تحقیقی کام میں اس سے مدد لی جاسکے۔ نیز مولانا مرحوم کی تقریری کیسٹس اور تالیفات بھی ہوں تو کتاب کے نام اشاعتی نمبر کے ساتھ مطلع فرمائیں کیونکہ آپ کی بیشتر کتابیں مفقود ہیں۔

ادارہ آپ کے تعاون کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

طٰہٰ سعید خالد

ناظم "دارالکتاب والسنۃ"

پتہ: نورالأمین، دارالکتاب والسنۃ، سعید منزل، بونت 756114

بھدرک اڑیسہ۔

حفلۃ الخطابہ جامعہ رحمانیہ بنارس کا سالانہ تقریری انعامی مقابلہ

سابقہ روایات کی طرح امسال بھی حفلۃ الخطابہ کا سالانہ تقریری انعامی مقابلہ ۲۳ دسمبر ۱۹۹۳ء بروز جمعرات زیر صدارت مولانا عزیز احمد صاحب ندوی حفظہ اللہ منعقد ہوا، جس میں طلباء نے بہت ہی دلچسپی سے حصہ لیا۔

نشست اول جس کا موضوع تھا "نماز کی اہمیت" یہ مقابلہ متوسطہ ثالثہ و متوسطہ اولیٰ کے طلباء کے درمیان منعقد ہوا، اس میں شرکاء کی تعداد ۱۳ تھی، پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کا نام درج ذیل ہے:

۱	مامون رشید	م ۳	فرسٹ پوزیشن
۲	عنایت اللہ	"	سکنڈ پوزیشن
۳	ظفر جمال	م ۱	سکنڈ پوزیشن
۴	ضیاء الحق	م ۳	تھرڈ پوزیشن
۵	محمد اسعد	م ۱	" "

نشست دوم جس کا موضوع تھا "اطاعت والدین" یہ مقابلہ ثانویہ اولیٰ و متوسطہ رابعہ کے درمیان تھا، اس میں بھی شرکاء کی تعداد ۱۳ تھی، پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کا نام درج ذیل ہے:

۱	محمد فیصل	م ۴	فرسٹ پوزیشن
۲	ثمیر الدین	ث ۱	سکنڈ پوزیشن
۳	افضل حسین	"	تھرڈ پوزیشن
۴	عبد المبین	"	" "

(رپورٹ منجانب)
عبد المالک عظمت اللہ گونڈوی ناظم حفلۃ الخطابہ
جامعہ رحمانیہ بنارس

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ / ۴	اپریل ۱۹۹۴ء	شوال ۱۴۱۴ھ	جلد / ۱۲

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب، وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

درس قرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصغر علی امام مہدی السلفی

غلو شرک کی ابتداء ہے

وقالوا لاتذرن الھتکم ولاتذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا، وقد اضلوا کثیرا، ولا تزد الظالمین الا ضلالا ۔ (نوح)

اوران بڑے لوگوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کومت چھوڑنا اورکہا کہ نہ وّدّ کو چھوڑنا نہ سواع کو نہ یغوث کو نہ یعوق کو نہ نسر کو ۔ انھوں نے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا ہے ، اے میرے پروردگار ان ظالموں کو ضلالت ہی میں بڑھائے جا ۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو دین فطرت پر پیدا فرمایا ہے ، ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام عقیدۂ توحید اور تعلیمات ربانی لے کر آئے تھے ، یہ عقیدۂ توحید ایک زمانہ تک اپنی اصل شکل میں موجود رہا۔ بعد میں شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کے لئے ان موحدین وصالحین کی ربانی تعلیمات کی عظمت کو نکالکر انسانوں کے دلوں میں ان بزرگوں کی تعظیم وتقدس کو غلو کی حد تک جاگزیں کردیا اور انسان اپنے اصل خالق ورازق اور حاجت روا کو بھول کر ان بزرگان دین اور صلحاء امت مسلمہ کی پرستش کرنے لگا۔ صالحین اور نیکوکار لوگوں کے سلسلے میں غلو پسندی ہی بنی نوع انسان کے کفر کا اصل سبب اور ان کے دین حنیف سے دوری کا باعث ہے ۔ اسی وجہ سے حق وباطل ان کے اوپر گڈمڈ ہو کر رہ گیا ۔ اولا صلحاء کی محبت میں حد سے تجاوز اور ثانیا ان کے اولین عقیدت کیشوں کے بعض ایسے اعمال جس کی بنیاد انھوں نے کفر وشرک پر تو نہیں رکھی تھی بلکہ وہ اس سے خیر کا ارادہ رکھتے تھے مگر بعد کے لوگوں نے اسے دوسرے محمل پر محمول کر کے شرک پرستی شروع کردی ۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ پیش آیا۔ بخاری شریف میں ارشاد باری تعالیٰ " قالوا لاتذرن آلھتکم ولاتذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا ۔" انھوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑنا نہ ود کو چھوڑنا نہ

سواع کو نہ یغوث کو نہ یعوق کو نہ نسر کو ۔ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ سب نوح علیہ السلام کے نیک اور صالح و بزرگ لوگوں کے اسماء ہیں، جب یہ بزرگ لوگ مر گئے تو شیطان نے ان کے قوم کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم اپنی مجلسوں میں ان بزرگوں کی تصویر کو اور مجسمہ کو جاری کرو جوان کے نام پر ان کی یادگار ہو، تو انہوں نے کر دیا۔ اسکی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن بعد میں آنے والی نسلوں نے اپنے پرکھوں کے قصد و ارادہ کو نہیں سمجھا اور ان کی پرستش شروع کر دی۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء سلف کا بیان ہے کہ: جب یہ بزرگ و ولی لوگ انتقال کر گئے تو ان کے بعد والے لوگ غلو پسندی میں ان کے قبروں کے مجاور بن گئے پھر ان کی صورت گری کی اور دھیرے دھیرے امتداد زمانہ کے ساتھ شوق سے انہی تماثیل کی عبادت کی جانے لگی ان تمام صلحاء سے بڑے صالح اور تمام انسانوں میں افضل انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کو بندوں کی عبادت سے چھٹکارا دلانے کے بعد اپنی امت کو خاص طور پر بتا دیا کہ: لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم ... (الحدیث متفق علیه) میرے سلسلے میں غلو نہ کرو مجھے اتنا نہ بڑھاؤ چڑھاؤ جیسا کہ کرسچنوں نے حضرت ابن مریم کے ساتھ غلو کیا اور ان کو الوہیت کے درجہ تک پہنچایا میں تو بس بندہ ہی ہوں تو مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔ نیز ارشاد گرامی ہے:

ایاکم والغلو، فانما اھلک من کان قبلکم الغلو۔	میری امت کے لوگو! غلو سے بچو کیونکہ تجھ سے پہلی قومیں صلحاء کے سلسلے میں غلو ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

مسلم شریف کی ایک دوسری حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ھلک المتنطعون قالھا ثلاثا" یعنی غلو کرنے والے لوگ ہلاک ہو گئے، آپ نے یہ جملہ بد دعا اور تنبیہ شدید کے طور پر تین مرتبہ بیان فرمایا۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگوں کے قبر کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو سب سے بدترین مخلوق بتایا۔

درسِ حدیث

بنیادی باتیں

اسلام سلم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں صلح وآشتی اور سلامتی کے۔ اسی سے مسلمان ہے جسے مومن بھی کہتے ہیں، جس کا مطلب ہے امن پسند۔

اسلام دین فطرت ہے اس لئے پوری انسانیت کو بلا امتیاز رنگ ونسل فطری اصول حیات عطا کرتا ہے، اور اس کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی الاسلام علی خمس شہادۃ أن لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکاۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔ پہلا رکن توحید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو صدق دل سے ایک جاننا اور سچی زبان سے اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اس کو خالق ومالک، رازق نفع ونقصان کا مالک سمجھنا اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا کوئی ساجھی وشریک نہیں ہے، اور نہ کوئی اس کے علاوہ عبادت کے لائق ہے، ساتھ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور پکے رسول ہونے کا یقین واقرار کرنا جنہوں نے یہ توحید سکھائی تھی، اور اسلام کا سارا پیغام الٰہی ہم تک پہونچایا، اور اس بات کا اقرار ویقین کرنا کہ اللہ کی ایک مخلوق فرشتے ہیں جو نوری ہیں، اور یہ ماننا کہ انسانوں کے نیک وبد اعمال کے جزاء وسزا، حساب وکتاب کا دن آئے گا اور یہ دنیا ختم ہوگی اور آخرت ہمیشگی کی زندگی ہوگی جسمیں انسان اپنے اعمال کے مطابق درجہ پائے گا، اسلام کا یہ عقیدہ عام ہر گناہوں سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے کیونکہ اسمیں ذرہ ذرہ کا حساب وکتاب ہوگا اور اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی اجمالا ایمان لانا ضروری ہے جسے اس نے مختلف اوقات میں انبیاء کرام پر انسانیت کی بھلائی کے لئے نازل فرمایا تھا۔

نماز بندوں پر سب سے بڑا فریضہ ہے، دین کا ستون ہے، نجات کی شرط ہے ایمان کی محافظ ہے اور تقویٰ وخیر کی بنیاد ہے اور منکرات وفواحش ظاہری وباطنی سے پاک وصاف کرنے والی ہے، دل وجان اور روح وجسم کی صفائی کا ذریعہ ہے، چستی وپھرتی پیدا کرنے والی اور اوقات کی محافظ ہے، امیر وغریب اور سب سے بڑھ کر رب اور بندے

کے درمیان سب سے زیادہ قربت اور سب سے مضبوط رشتہ ربط وتعلق قائم کرنے والی چیز ہے جسے دن ورات میں پانچ مرتبہ انجام دینا ہر مسلمان پر فرض ہے ۔

زکاۃ ، یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے اور اس کی بہت تاکید بیان کی گئی ہے جس کا فلسفہ ابناء جنس پر شفقت اور صلہ رحمی ہے ، روح ومال کی صفائی ہے ، اور غریبوں کا دل حقد وکینہ اور حسد سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے ، اور سرمایہ دارانہ نظام سے بچنے اور مال کو چند افراد کے یہاں منجمد ہونے سے روکنے اور گردش کرتے رہنے کا وسیلہ ہے ، زکاۃ سے طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہوجاتا ہے ، نیز اس سے نفس کو بخل ، خودغرضی ، انانیت اور فقراء کی حق تلفی اور قلب کی قساوت سے پاک وصاف کرنا اللہ تعالیٰ کی قبولیت ورضا حاصل کرنا اور فقراء وضعفاء کی دلداری اور ہمدردی کے نتیجہ میں مال میں پاکی اور نورانیت اور خیر وبرکت کا ظہور ہے زکوٰۃ کی ادائیگی مومن کے اندر ایسا ملکہ پیدا کرتا ہے جس سے وقت آنے پر اسلام اور انسانیت کی ضرورت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیتا ہے کہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہے اس کا اصل مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور اسی کی رضا میں اس کا خرچ کرنا ضروری ہے ۔ زکاۃ کی ادائیگی سے اجتماعی اور تمدنی معاشرت کے ساتھ قوم کا نظام بھی باقی رہتا ہے اور اقتصادی حالت بھی درست ہوتی ہے ۔

روزہ چوتھا ستون ، رمضان المبارک کے مہینہ کا روزہ ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ روزہ کہتے ہیں صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانا پانی جماع اور ہر طرح کی خبیث اور برے کاموں اور باتوں سے رکے رہنے کا ۔ روزہ سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر تقوی پیدا ہوجائے ، نفس انسانی خواہشات اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہوسکے ۔ اس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو اور اس کے ذریعے سے وہ سعادت ابدی کے گوہر مقصود تک رسائی حاصل کرسکے اور حیات کے حصول کے لئے اپنے نفس کا تزکیہ کرسکے ، بھوک اور پیاس سے اس کے ہوس کی تیزی اور شہوت کی حدت میں کمی پیدا ہو اور یہ بات یاد آئے کہ کتنے مسکین بندے ہیں جو نان شبینہ کے محتاج ہیں ، وہ شیطان کے راستوں کو تنگ کردے اور اعضاء وجوارح کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے روک دے جن میں دنیا وآخرت دونوں کا نقصان ہے ۔ اس لحاظ سے یہ اہل تقوی کی لگام ، مجاہد کی ڈھال ، اور ابرار ومقربین کی ریاضت ہے اور صبر کا ملکہ پیدا کرنے کا اہم وسیلہ ہے ۔ (امام ابن قیم)

...

اصغر علی امام مہدی السلفی

افتتاحیہ

معاہدۂ غزہ اریحا اور اس کے بعد

قبلۂ اول فلسطین کی سرزمین جزیرۃ العرب کا ایک حصہ ہے، فلسطینی عرب وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے بہت پہلے آباد تھے، یہ اسراء و معراج اور مسجد اقصیٰ کی سرزمین ہے، اس سے اسلام کے بہت سے اعتقادی امور وابستہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں مسلمانوں اور سلاطین اسلام نے اسے دینی تقدس کا درجہ دیا ہے۔ ماضی قریب میں جب اتحادیوں نے سلطان عبدالحمید ثانی پر دباؤ ڈالا اور ایک سو پچاس ملین لیرہ انگریزی سونے کے سکے کی پیشکش کی کہ سلطان فلسطین کی مقدس سرزمین میں یہود کے قومی وطن کے قیام کو منظور کرے تو اسلام کے اس بطل جلیل نے جواب دیا تھا کہ اگر تم لوگ اس کے بدلہ ساری دنیا کو سونے سے بھر کر مجھے دو تو میں اسے قبول نہیں کر سکتا، میں نے اسلامی مملکت اور امت محمدیہ کی خدمت تیس سال سے زیادہ عرصہ تک کی ہے، میں اپنے مسلمان آباء و اجداد سلاطین اور عثمانی خلفاء کے صحیفے سیاہ نہیں کر سکتا، آخر ۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کر لیا پھر ۱۹۴۷ء میں اس قضیہ کو اقوام متحدہ کے حوالہ کر دیا جس نے ایک قرارداد میں فلسطین کی تقسیم کے منصوبہ کا اعلان کرتے ہوئے ۵۶ فیصد زمین یہود کو اور ۴۲٪ فلسطینیوں کو دے ڈالا، اور قدس کو اقوام متحدہ کی نگرانی میں رکھا گیا جسے ۱۹۸۰ء میں اسرائیل نے سرکاری طور پر خود میں ضم کر لیا، ۱۹۴۸ء میں یہودی لیڈر بن غورین نے فلسطین میں سلطنت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا جسے امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس وغیرہ ممالک نے فوراً تسلیم کر لیا، اس کے بعد نصاریٰ کی تائید سے اسرائیل عرب ممالک پر حملے کر کے ان کی زمینوں پر قبضہ کرتا اور اپنی سرحدیں بڑھاتا رہا، اس نے مسجد اقصیٰ میں آگ بھی لگائی، اور دریائے اردن کا پانی اپنی سمت پھیرنے کے منصوبہ کا آغاز کر دیا، قضیہ فلسطین کے تعلق سے اسی سرزمین پر خالص دینی تحریک حماس کے ذریعہ انتفاضہ کا آغاز ہوا جو الحمدللہ آج تک جاری ہے، اور انشاءاللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مقدس سرزمین فلسطین یہود کے ناپاک وجود سے آزاد ہو کر اسلام کے زیر سایہ نہیں آجاتی ہے، اس تحریک پر

اسرائیل کے مظالم مسلسل بڑھتے گئے، ساتھ ہی یاسر عرفات اپنی بدقسمتی سے قضیہ فلسطین کے جوہری دینی مزاج سے دور ہوتا گیا، اس کی پارٹی یہود کے ساتھ کئی سالوں سے خفیہ مذاکرات اور معاہدے کرتی رہی، آخر ۱۳ر ستمبر ۹۳ء کو امریکہ کے وہائٹ ہاؤس کے پارک میں امت محمدیہ کی موجودہ تاریخ کا وہ سیاہ ترین دن بھی آیا جب یاسر عرفات نے رابین کے ساتھ اعتراف کے کھلے معاہدہ پر دستخط کردیا، یہ معاہدۂ غزہ اریحا کہلاتا ہے، عرفات نے فلسطین کی مقدس سرزمین پر یہود کی قومی سلطنت کا وجود تسلیم کرلیا، رابن نے غزہ اریحا کے ایک دوسرے سے بہت دور چھوٹے چھوٹے علاقوں پر فلسطینیوں کی خود مختاری مان لی ہے جو کل فلسطین کی دو فیصد زمین ہے، یہ خود مختاری بھی اس طرح ہے کہ سکہ اور پاسپورٹ اسرائیل کا رہے گا، سرکاری عمارتوں پر فلسطینی جھنڈے کے ساتھ اسرائیلی جھنڈا بھی رہے گا، باہری ملکوں میں فلسطینی سفرا اسرائیلی سفارتخانوں میں فلسطینی امور دیکھیں گے، اسرائیل جب بھی اپنی سلامتی کے لئے کوئی خطرہ محسوس کرے گا تو اس معاہدہ کو منسوخ کردینے کا اسے اختیار رہوگا، یاسر عرفات کی پارٹی فلسطینیوں کی ان تمام دینی وسیاسی سرگرمیوں کو کلی طور پر ختم کردینے کی پابند ہے جو اسرائیل کے وجود کے خلاف جاری ہیں، فلسطینی حکومت کا بجٹ الگ سے نہیں بنے گا بلکہ اسرائیلی بجٹ کے ساتھ رہے گا، فلسطینی آزاد تجارت نہیں کرسکتے، کسی عرب ملک سے کوئی معاہدہ نہیں کرسکتے، کوئی بیرونی امداد نہیں قبول کرسکتے، غزہ اریحا میں کوئی اسرائیلی زمین خریدنا چاہے اور وہاں مکان تعمیر کرنا چاہے تو فلسطینی حکومت اسے تعاون دینے کی پابند ہوگی، خفیہ معاہدوں میں جو کویتی جرائد و مجلات میں شائع ہوچکے ہیں، دونوں فریق نے فلسطین اور اس کے باہر اصول پسند مسلمانوں کو مشترک دشمن مانا ہے اور انھیں ختم کردینے کا اقرار کیا ہے، غرض سلطان عبدالحمیدؒ جس ذلت سے امت محمدیہ کو بچانے میں اولین مرحلہ میں کامران ثابت ہوئے یاسر عرفات کے ذریعہ وہ ذلت اور سیاہ رات امت کے اوپر مسلط کردینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی، جرائد و مجلات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر فلسطینی اور دنیا بھر کے مسلمان دل سے اس معاہدہ کو مسترد کرتے ہیں، لیکن واقع کی دنیا میں اس کے مضر نتائج کے برے آثار امت محمدیہ پر عموماً اور مشرق وسطی کے عرب ممالک پر خصوصاً نمایاں ہونا شروع ہوچکے ہیں، اور بعض مضر نتائج ایسے ہیں کہ مستقبل قریب میں ان کا ظہور یقینی امر ہے۔

اس معاہدہ کے نتیجہ میں فلسطینیوں کا جو حشر ہوگا وہ تو ہوگا ہی، عرب ممالک، عالم اسلام اور تمام مسلمانوں کے لئے موت وحیات کے مسائل کھڑے ہوں گے، عرفات پارٹی دین پسند فلسطینیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرے گی غالباً اسی صورت حال کو محسوس کرکے محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی نے فلسطینیوں کی ہجرت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے،

کتاب وسنت میں جو بکثرت مختلف احکام کی علت ہی یہ ٹھہرائی گئی ہے کہ مغضوب علیہ اور ضال قوم یہود و نصاریٰ کی مخالفت کی جائے، یہ جذبہ بزور شمشیر سلب کرایا جائے گا اور دین محمدی کی اتباع بھی یہود کی مرضی اور ان کے چشم وابرو پر منحصر ہوگی، جہاں تک عالم اسلام کا سوال ہے تو اس کی شکست وریخت خلافت عثمانیہ کے تیس سے زائد ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے سے ہی شروع ہو چکی ہے، موجودہ مرحلہ میں عرب ممالک مسلمانوں کے آخری حصار کی حیثیت رکھتے تھے لیکن صدام نے پہلے ایران اور پھر کویت سے جنگ برپا کر کے عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، جنگ خلیج کے دوران فلسطینیوں کے قائد یاسر عرفات نے کھل کر صدام کی تائید جاری رکھی جس کے سبب فلسطینی خلیجی ممالک کی تائید سے محروم ہو گئے، مصر ۱۹۷۸ء ہی سے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے بعد اسرائیل کا کھلا چھپا معاون رہا ہے، اور غزہ اریحا معاہدہ نیز اس سے دو سال پہلے سے جاری خفیہ معاہدوں کو کامیاب بنانے میں مصر نے درپردہ اہم رول ادا کیا ہے، اور دوسرے عرب ممالک اگرچہ ابھی اسرائیل سے مقاطعہ جاری رکھے ہوئے ہیں مگر خلیجی تعاون کونسل کے سکریٹری شیخ فاہم القاسمی کا کہنا ہے کہ توقع ہے کہ امریکہ خلیجی ممالک پر دباؤ ڈالے گا کہ وہ اسرائیل سے بائیکاٹ ختم کر دیں، اس کے نتیجہ میں اسرائیل تمام عرب علاقوں میں داخل ہو جائے گا اور اسرائیلی مصنوعات عرب بازاروں میں پٹ پڑیں گی۔ شاہ فیصل ؒ نے ایک زمانہ میں تیل کا ہتھیار نہایت موثر طور پر استعمال کیا تھا مگر جنگ خلیج نے دنیا بھر کو پٹرول برآمد کرنے والے اور قرض دینے والے ان عرب اسلامی ملکوں کو بھاری طور پر مقروض بنا دیا ہے، جنگ خلیج دراصل یہود و نصاریٰ کی ایک بڑی ماکرانہ سازش تھی جس میں ایک بعثی عراقی شیطان کے ذریعہ سارے عالم اسلام کو عموماً اور عرب ممالک کو خصوصاً ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا، اس وقت کے امریکی صدر جارج بش نے جنگ خلیج کے موقع پر اپنے ٹیلی ویژن خطاب میں کہا تھا کہ دنیا میں نئے عالمی نظام کے نفاذ کا وقت آگیا ہے، یہود و نصاریٰ کی تدبیر سے جب عالم اسلام مکمل طور پر پارہ پارہ ہو گیا تو غلام مغرب یاسر عرفات کے ہاتھوں قبلۂ اول کے پڑوسی فلسطینیوں کو معاہدہ غزہ اریحا کا ذلت آمیز اور تباہ کن تحفہ پیش کر دیا گیا جو نئے عالمی نظام کے حق میں سب سے بڑا اور اول و آخر تحفہ ہے۔

یہ معاہدہ یہود کے لئے اقتصادی اور سیاسی ہر پہلو سے بے پناہ نفع بخش ہے اور فلسطینیوں اور عربوں کے لئے نہایت درجہ خسارہ کا باعث ہے، اسرائیلی وزیر صنعت وتجارت کا کہنا ہے کہ ہم اس کوشش میں ہیں کہ شرق اوسط میں اسرائیل کو اقتصادی قوت کا مرکز اور ترقی یافتہ محور بنا دیں اور اعداد وشمار سے یہ واضح ہے کہ پورے شرق اوسط میں اسرائیل کی آبادی ۶ رفیصد ہے، اور آمدنی اڑتالیس فیصد ہے جب کہ اسرائیل کے پڑوسی عرب ممالک کی آبادی چورانوے

فیصد ہے ، اور آمدنی باون فیصد ہے ، اور اگر بائیکاٹ ختم کردیا گیا جیسا کہ اس کی توقع ہے تو عرب بازار اسرائیلی مصنوعات کی درآمدات کے دوسرے تیسرے نمبر کے مرکز بن جائیں گے اور اسرائیل اس منطقہ کی بین الاقوامی تجارت کا مرکزی ملک بن جائے گا ، ایسی صورت حال میں یہ لازم ہے کہ نبیوں کی قاتل اور حقیقی بھائی کو کنوئیں میں پھینک دینے والی یہ قوم دین پسند عربوں کو چن چن کر قتل کرائے گی ، جیسا کہ مصر میں اس کا آغاز ہو چکا ہے ، اور یاسر عرفات نے معاہدہ میں اس کے لئے اقرار بھی کیا ہے ، نیز نشہ آور اشیاء جیسے ہیروئن وغیرہ ، اور جنس کی تجارت اس حد تک عام کردی جائے گی کہ ایڈز کا مہلک عذاب پھوٹ پڑے جیسا کہ عربوں کے پڑوسی افریقی ممالک میں یہ عذاب بری طرح مسلط ہو چکا ہے ، پورے عالم عرب کے ساتھ ان کا رویہ وہی ہو گا جو فلسطینیوں کے ساتھ اب تک رہا ہے ، اور آئندہ رہے گا ، غزہ جو پوری دنیا میں انسانی آبادی کا سب سے گھنا خطہ ہے جس میں ایک مربع کلو میٹر میں تقریباً ڈھائی ہزار افراد رہتے ہیں ، یہاں تیز موسمی بارش بھی ہوتی ہے مگر پانی کی قلت یہاں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے ، یہود سارا پانی وہاں نوآباد پانچ ہزار یہودیوں کے مصالح پر خرچ کر دیتے ہیں ، زراعتی زمینوں ، پیداوار اور اس کے اجناس میں بھی اسرائیلی حکام دخل اندازی کرتے ہیں ، تاکہ ان کی زراعتی پیداوار سے کوئی منافست نہ ہو سکے فلسطینیوں کا اقتصاد اس نے اپنے تابع بنالیا ہے ، ان کی اپنی کوئی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ بھی نہیں ہے ، حتیٰ کہ بیت المقدس کا ہوائی اڈہ بھی اس نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے ۔ فلسطینی مالیاتی اور تجارتی لین دین کے ادارے بند کر دیئے ہیں ، یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ایسا کرنا اس مغضوب علیہ قوم کی فطرت ثانیہ ہے ، قرآن مجید ، احادیث شریفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے احوال میں ان کی تخریب کاریوں اور ہلاکت خیزیوں کی مفصل روداد موجود ہے ۔ امت محمدیہ کے تمام زمانوں میں ، اور عصر حاضر کی تمام انسانی تاریخ میں اس قوم کا کردار تخریبی ہی رہا ہے ، مسلمانوں کا اور تمام بنو آدم کا اس قوم سے خیر کی توقع رکھنا فضول ہے ، اس معاہدہ کے بعد بھی بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ مسلمانوں کو ضرور ملے گی ، اس کے لئے کوشش ، صراع اور جنگ جاری رہے گی ، یہ صرف اہل اسلام ہی کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اسلام اور فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس مقدس سرزمین کے مالک وہ لوگ ہوں جو اللہ کے نیک بندے ہیں اور تمام نبیوں و رسولوں اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان

رکھتے ہیں اس کے تقدس کو تخریب کار شیاطین کی نجاست سے محفوظ رکھنے کے لئے رحمۃ للعالمین ؐ کے اس فرمان پر عمل کرنے سے کبھی گریز نہیں کریں گے "تقاتلون الیہود فتسلطون علیہم حتی یختبئ احدھم وراء الحجر، فیقول الحجر: یاعبداللہ ھذا یہودی ورائی فاقتلہ "۔ تم لوگ یہود سے جنگ کروگے تو ان پر غالب آجاؤگے یہاں تک کہ ان میں سے ایک پتھر کے پیچھے چھپ جائے گا تو پتھر کہے گا، اے اللہ کے بندے یہ میرے پیچھے یہودی ہے اسے قتل کردے۔ ...

کویت کی دینی و علمی خدمات پر ایک نظر

از ڈاکٹر مقتدیٰ احسن ازہری
ریکٹر جامعہ سلفیہ، بنارس

عرب دنیا کی خلیجی ریاستوں میں کویت ایک چھوٹا سا ملک ہے، لیکن پٹرول کی وجہ سے اس کا شمار دنیا کے امیر ترین ملکوں میں ہوتا ہے، موجودہ دور میں کسی ملک کی اقتصادی حالت کا مضبوط ہونا اس کی اہمیت کا ضامن ہے، اس لحاظ سے کویت موجودہ عرب دنیا میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن ہماری نظر میں اس چھوٹے سے عرب ملک کی عظمت واہمیت کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ اس نے دین اسلام اور اسلامی علوم وفنون سے اپنی وابستگی برقرار رکھی ہے اور دنیا بھر میں مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھ کر ان کی طرف دستِ تعاون بڑھایا ہے۔ عرب قوم کی سخاوت و فیاضی ضرب المثل ہے، اور اس کا ایک مظہر ہمیں کویت کی حکومت وعوام کے کردار میں نظر آتا ہے، انسان کو دولت ملتی ہے تو دین کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے، لیکن اہلِ کویت اس حکم سے مستثنیٰ نظر آتے ہیں، اس ملک میں سرکاری اور عوامی سطح پر دینی وعلمی خدمت کے لئے باقاعدہ تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں اور ان کی نگرانی میں دینی وعلمی پروگرام انجام پذیر ہوتے ہیں، پچھلے دنوں کویت کو عراقی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا تو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ دینی اداروں کے لئے خیر وبرکت کا یہ سرچشمہ کہیں خشک نہ ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اہلِ کویت نے اپنے ملک کی آزادی کے بعد اپنی دینی وعلمی سرگرمیوں کا سلسلہ از سرِ نو شروع کر دیا۔

مسلم ممالک کی طرف سے تعلیمی ودعوتی اداروں کی امداد کا تذکرہ ہوتا ہے تو شکوک وشبہات کے مارے ہوئے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کا محرک مذہبی تنگ نظری ہے، لیکن کویت میں اگر آپ داخلی صورتِ حال کا جائزہ لیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہاں کی دولت سے لوگوں کو بلا امتیازِ مذہب وملت فائدہ پہونچتا ہے، کویت کے ذمہ داران وعوام نے کبھی اس مسئلہ کو مذہبی آئینہ سے نہیں دیکھا حالانکہ اگر وہ ایسا کرتے تو غلط نہ ہوتا، دنیا میں متعدد ایسے ممالک موجود

ہیں جن کی اقتصادی پالیسی میں مذہبی حیثیت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے، کویت کے اقتصادی ڈھانچہ پر اگر آپ نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ یہاں کی دولت سے مستفید ہونے والوں میں یورپ، امریکہ اور ایشیا کے غیر مسلم لوگوں کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، کئی سال پیشتر ایک کویتی دوست نے بتایا کہ اس کے ملک میں کار کے پرزوں کی سب سے بڑی دکان ایک غیر مسلم ہندوستانی کی ہے، قلبی وسعت اور علمی فیاضی کی اس پالیسی کو مسلمانوں کا ایک طبقہ مستحسن نہیں سمجھتا لیکن امتِ مسلمہ کی تاریخ میں تعصب وتنگ نظری اور انانیت وخود غرضی کے مقابلہ میں رواداری و وسیع النظری اور ایثار وہمدردی کی مثالیں زیادہ ہیں۔

انسانیت کی خدمت کے لئے رفاہی وعلمی پروگراموں کا اس دور میں بڑا چرچا ہے، اس خدمت کے نام پر مختلف تنظیمیں عالمی پیمانے پر کام کر رہی ہیں، بعض لوگ رفاہی کاموں کو اہلِ مغرب کی خصوصیت سمجھتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں نے اس میدان میں۔ دوسرے بہت سے میدانوں کی طرح۔ گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، اسی لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان سطور کے ذریعہ کویت کی حکومت وعوام کی ان بعض دینی وعلمی خدمات کا تعارف پیش کریں جو چند برسوں میں انجام پذیر ہوئی ہیں، واضح رہے کہ یہ ایک سرسری تذکرہ ہوگا، اگر تمام یا اکثر خدمات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے لئے ضخیم کتاب بھی کافی نہ ہوگی۔

۱۔ کویتی حکومت نے اپنی وزارتِ اوقات میں ایک شعبہ اسلامی امور کا قائم کیا ہے، ملکی وبیرونی مذہبی امور کی دیکھ بھال اس شعبہ کا خاص کام ہے، اسی شعبہ کے تعاون سے مسلمانوں کو مذہبی کتابیں فراہم کی جاتی ہیں، اور جہاں امداد کی ضرورت ہوتی ہے وہاں امداد دی جاتی ہے، دنیا کے مختلف حصوں سے جو علماء کویت آتے ہیں ان کی ضیافت بھی یہی شعبہ کرتا ہے، اور اس طرح دنیا کے احوال سے اس شعبہ کے ذمہ دار واقف ہوتے ہیں۔ کویت نے فلسطینی عوام کے ساتھ جس ہمدردی وتعاون کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابلِ فخر ہے، ہم کسی دوسرے مقالہ میں اس کا ذکر کریں گے۔

وزارتِ اوقاف کی ایک عظیم لائبریری ہے جس میں مختلف موضوعات پر کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس سے علماء وطلبہ مستفید ہوتے ہیں۔

اس وزارت کا ایک عظیم علمی کارنامہ فقہی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری ہے، فقہ کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے علماء وطلبہ کے لئے یہ بڑا وقیع تحفہ ہے، اس کی مدد سے اسلامی شریعت سے واقفیت کے ساتھ ہی یہ اندازہ بھی ہوتا

ہے کہ فقہاءِ اسلام نے شریعت کی خدمت کے سلسلہ میں کتنی محنت و عرق ریزی کی ہے۔

مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی کے لئے وزارت کی طرف سے ایک عربی ماہنامہ "الوعی الاسلامی" کے نام سے شائع ہوتا ہے جس میں مختلف مذہبی و علمی موضوعات پر نامور اہلِ قلم کے مضامین شائع ہوتے ہیں، مسلم دنیا میں اس ماہنامہ نے اہم خدمت انجام دی ہے، اس کے قارئین کا حلقہ بیحد وسیع ہے۔

۲۔ کویت کی وزارتِ اطلاعات کا ماہنامہ "العربی" پوری عرب دنیا میں مشہور ہے، مصر میں صحافتی ترقی کے باوجود یہ پرچہ دگنی قیمت پر بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا، اس پرچہ کے مشتملات بالعموم مفید اور معلوماتی ہوتے ہیں، مذہب، سیاست، اقتصاد، ادب و ثقافت ہر موضوع پر اس میں مضامین شائع ہوتے ہیں، البتہ مذہبی حلقہ اس پرچہ کے مشتملات سے مطمئن نہیں، اور اس کی بے اطمینانی کی وجہ معقول ہے، لیکن یہ صرف "العربی" کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ایسے تمام ممالک میں جہاں مسلمانوں کی معتد بہ تعداد موجود ہے، مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو اپنی مغربی ثقافت و مادی معیار کی وجہ سے اسلامی احکام و اقدار کی مخالفت پر اصرار کرتا ہے، اور کتاب و سنت کے ضوابط کو زندگی کے تمام مسائل کے لئے ضروری نہیں سمجھتا۔

۳۔ وزارتِ اطلاعات ہی سے ایک پندرہ روزہ "الکویت" کے نام سے شائع ہوتا ہے، اس میں بھی متنوع ادبی، فنی اور مذہبی مقالات شائع ہوتے ہیں جن سے عرب اور اسلامی دنیا سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس پرچہ کے ۱۵ اپریل ۹۳ء کے شمارہ میں کویت کے وزیرِ محنت و سماجیات شیخ جاسم العون کا ایک مفصل انٹرویو شائع ہوا ہے جس میں کویت اور عالمِ اسلام سے متعلق مسائل پر ان کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ کویت پر عراق کے جارحانہ قبضہ سے متعلق وزیر موصوف نے بتایا کہ اس حملہ کا ایک مثبت نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اس سے کویت کے باشندوں کو اپنی طاقت و صلاحیت سمجھنے کا موقع مل گیا، اور جن لوگوں نے ہمیشہ امن و خوشحالی کی زندگی بسر کی تھی انھیں خوف و دہشت اور فقر و فاقہ کا بھی تجربہ ہوا۔

اسی انٹرویو میں ایک مقام پر شیخ جاسم نے دہشت گردی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں دہشت گردی و انتہاپسندی کی کوئی گنجائش نہیں، یہ دین رحم و مروت اور رواداری و انصاف کی تعلیم دیتا ہے، اور دہشت گردی کا نشانہ عام طور پر بے گناہ افراد بنتے ہیں، اسلام طاقت کے بیجا استعمال کا بھی مخالف ہے، اسلام کے نام پر جو لوگ غیر اسلامی افعال کا ارتکاب کرتے ہیں ممکن ہے انھیں ہمارے مخالفین اسلام کو بدنام کرنے کے لئے استعمال

کر رہے ہوں۔

"مجلۃ الکویت" کے اسی شمارہ میں محمد فہیم درویش کی کتاب "غزو الکویت بین شریعۃ الغاب والقانون الدولی" کے تعارف پر مشتمل جمال حموی کا مضمون بھی شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں بین الاقوامی قانون، اقوام متحدہ کے کردار اور کویت پر عراقی جارحیت وغیرہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ایک مقام پر ان جرائم کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو انسانیت کے خلاف عراقی حکومت کے ہاتھوں سرزد ہوئے، پھر مصنف نے اپنے مطالعہ کا حاصل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کویت کی آزادی کے لئے بین الاقوامی طاقتوں نے عراق کے خلاف جس جنگ کا اعلان کیا وہ مبنی بر انصاف جنگ تھی کیونکہ اس کا آغاز تمام سیاسی وسفارتی کوششوں کی ناکامی کے بعد ہوا تھا، عراقی فوجیں کویت سے انخلاد کے لئے تیار نہ تھیں، اگر عالمی برادری صدام حسین کے غاصبانہ قبضہ سے کویت کو آزاد نہ کراتی تو آمریت کی بقاء وفروغ کے لئے یہ ایک بری مثال بن جاتی۔

۴۔ کویت کی ایک غیر سرکاری تنظیم "جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی" ہے، اخوانی فکر کی حامل اس تنظیم کی سرگرمیاں متنوع ہیں، اس کی طرف سے کویت میں دعوت وارشاد کا اچھا کام ہوتا ہے، اور مختلف تعلیمی وتبلیغی اداروں کی یہاں سے مدد ہوتی ہے، اس تنظیم کے بعض ذمہ دار حضرات پورے عالم اسلام میں اپنی دینی وعلمی سرگرمیوں اور جذبۂ خیر وسخاوت کے لئے مشہور ہیں۔

اس تنظیم کا سب سے مؤثر کام ہفتہ وار رسالہ "المجتمع" کا اجراء ہے، یہ پرچہ سن ۱۹۷۰ء سے دین وعلم کی اہم خدمت انجام دے رہا ہے، دین اسلام کے مخالفین کی نقاب کشائی میں اس کا کردار بہت اہم ہے، مختلف مسائل میں اس مجلہ کے منہج وفکر سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کی افادیت وتاثیر کا انکار مشکل ہے۔

۵۔ "بیت الزکاۃ" نامی ادارہ کی خدمات بھی متنوع ومتاثر ہیں، زکاۃ دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے چونکہ اس عبادت کا تعلق مالیات سے ہے، اس لئے اس کی ادائیگی میں ترتیب وتنظیم اور بحث وتحقیق کی زیادہ ضرورت ہے، بیت الزکاۃ کے ذمہ داروں نے اس مسئلہ کو سلجھانے میں اچھی خدمت انجام دی ہے، ملک کے اندر دعوت واصلاح کا کام انجام دینے کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ بیرون ملک بھی تعلیم وتبلیغ کے فروغ کے لئے کوشش کرتا ہے، اور اس کوشش کے مثبت وخوشگوار نتائج لوگوں کے سامنے ہیں، چونکہ انسانی معاشرہ کی فلاح وبہبود میں تعلیم کی اہمیت بنیادی ہے، اس لئے بیت الزکاۃ کے اراکین اس مسئلہ کو سب سے مقدم رکھتے ہیں، اگر امت کے افراد صحیح تعلیم و

تربیت سے آراستہ ہوجائیں تو ان کی بہت سی الجھنیں اور مصیبتیں خود بخود ختم ہوجائیں گی ۔

۶ ۔ " جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی " کے نام سے قائم کویت کا یہ ادارہ متنوع علمی، تعمیری اور رفاہی خدمات انجام دیتا ہے، سلفی فکر کے حامل اس ادارہ کے اراکین کویت اور بیرونِ کویت اپنی سلامت روی اور بصیرت وخیر پسندی کے لئے معروف ہیں، تعمیری پہلو پر ان کی توجہ زیادہ ہے، دنیا کے مختلف حصوں میں ان کے بنائے ہوئے اسپتال، مسجدیں اور مدرسے انسانیت کی خدمت میں سرگرم ہیں، طالبان علوم دینیہ کو یہ لوگ اہم کتابیں فراہم کرتے ہیں اور غرباء و مساکین کے لئے بنیادی ضرورت کے سامان مہیا کرتے ہیں ۔

ان کا ایک ماہوار مجلہ " الفرقان " کے نام سے شائع ہوتا ہے جس میں سلف صالح کے منہج کی روشنی میں مسائل و معاملات کی تشریح و توضیح کی جاتی ہے ۔

مسلمانوں کے علمی ورثہ کا تحفظ واشاعت بھی اس تنظیم کا ایک اہم مقصد ہے، اور اس میدان میں اس نے قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے ۔

مجلۃ المجتمع نے اپنے ۲۵ مئی ۹۳ء کے شمارے میں ایک مضمون کویت کی ان رفاہی تنظیموں پر لکھا ہے جس میں یہ وضاحت کی ہے کہ دنیا کی ۱۸ زبانوں میں ان تنظیموں کی طرف سے اسّی لاکھ سے زائد کتابیں مفت تقسیم کی گئی ہیں، اور ایک لاکھ ٹن سے زیادہ غلہ جات، دوائیں اور دوسرے ضروری سامان فراہم کئے گئے ہیں ۔

" الھیئۃ الخیریۃ الاسلامیۃ العالمیۃ " نامی تنظیم نے کویت کی دیگر تنظیموں کے ساتھ مل کر فلسطین، افغانستان، صومالیہ، بوسنیا، نوآزاد روسی جمہوریات اور بنگلہ دیش وغیرہ کے ضرورت مندوں کے لئے بیش بہا خدمت انجام دی ہے، جس کی تفصیل ان تنظیموں کی رپورٹوں میں مندرج ہے ۔

" المجتمع " نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ کویت کی ان تنظیموں کی طرف سے جو امداد دی جاتی ہے اس کا مقصد صرف انسانیت کی خدمت اور مسلمانوں کی حاجت برآری ہے، اس کے پیچھے نہ تو کوئی دوسرا سیاسی مقصد ہے نہ کسی پر احسان کا اظہار، اللہ تعالیٰ نے کویتی حکومت اور عوام کو اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے، اور وہ لوگ اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کو اسلام کا حکم سمجھ کر بجا لاتے ہیں، انھیں یہ یقین ہے کہ اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ کار خیر میں جو دولت صرف ہوگی اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ضرور ملے گا، اور اس کی برکت سے ملک کی سرزمین اور عوام امن وخوشحالی سے بہرہ مند ہوں گے ۔ •••

مولانا عبدالمتین سلفی بنارس

اسلام میں نظافت وآرائش کی اہمیت

اسلام دین فطرت اور مکمل نظام حیات ہے، اس دین میں انسان کے تمام فطری تقاضوں کی رعایت کی گئی ہے نیز ان کے ضوابط وضع کئے گئے ہیں تاکہ انسان ان کی تکمیل میں جادۂ اعتدال سے ہٹ کر افراط وتفریط کا شکار نہ ہو جائے انسان کے فطری تقاضوں میں ثانوی حیثیت اس کے جمالیاتی ذوق کی ہے جو ہر شخص کے اندر کم وبیش کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے، نظافت پسندی، خوش پوشاکی، ذوق آرائش، تہذیب وسلیقہ اسی جمالیاتی ذوق کے مظاہر ہیں اور اس کے پیکر احسن تقویم ہونے کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ اس عالم رنگ وبو کی سب سے پرکشش اور سلیقہ مند مخلوق بن کر رہ ہے۔ اسلام نے عالم انسانیت کو صفائے ظاہر وباطن کی تعلیم دی اور اس کے حدود متعین کئے اس لئے اس دین سے انتساب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا متبع ان تعلیمات کی عملی تصویر بن کر عالم انسانیت کو یہ خوشگوار تاثر دے کہ جو دین اپنے متبعین کو نظافت وشائستگی کا پیکر بنا سکتا ہو کیا وہ شائستگی وتہذیب کا جوہر نہیں ہوگا؟ نیز ان سے اسلام کی وسعت وگہرائی اور حقیقت پسندی کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے ان جوانب حیات سے متعلق اس قدر ٹھوس اور جامع احکام وضع کئے جن کے بارے میں دیگر مذاہب فقدان یا غیر واقفیت کے شکار ہیں۔ قرآن وحدیث میں جا بجا ایسے نصوص ملتے ہیں جن میں نظافت وپاکیزگی اور جمال وآرائش کی تعلیم دی گئی بلکہ اسے ایمان کا جزو تک قرار دیا گیا گویا نظافت وپاکیزگی کا گہرا اثر ایمان پر مرتب ہوتا ہے، فرمان نبوی ہے: "الطهور شطر الايمان" (صحیح مسلم) پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے "ان الله نظيف يحب النظافة" (سنن ترمذی) بیشک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ اس مفہوم کو آیت کریمہ میں بھی بیان کیا گیا: "ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين" (سورہ بقرہ ۲۲۲) بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ آیت کریمہ واحادیث نبویہ جن کا ترجمہ پیش کیا گیا ان میں طہور ونظافت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مراد تن وجامہ کی نظافت وپاکیزگی ہے مگر کوچہ وخانہ کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دیگر نصوص میں اس کی تاکید آئی ہے۔ نظافت جمال وآرائش کا زینہ ہے جب کسی بھی چیز کو آلائش وغلاظت سے پاک کیا جائے تو اس کے رنگ ونکہت میں اضافہ ہو جاتا ہے مگر اس میں مزید تزئین

وآرائش کی گنجائش رہ جاتی ہے، اسلام نے اس خلاء کو بھی پر کر دیا، فرمان نبوی ہے : ان اللہ تعالیٰ جمیل یحب الجمال" (صحیح مسلم" بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال پسند کرتا ہے، نظافت و پاکیزگی، زیب وزینت، جمال وآرائش باوقار شخصیت کا جزء اور مہذب معاشرہ کی علامت ہے مگر اس کے اختیار کرنے میں اعتدال و توازن قائم رکھا جائے، افراط یا تفریط نام ونمود، کبر وغرور، رشک وحسد اور اسراف و تبذیر سے بچا جائے کیوں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔

انسان کی صفائی و پاکیزگی کا سب سے پہلا زینہ اس کا دل ہے، دل کو کفر وشرک، ریاء و کبر، بغض وحسد اور عداوت کی کدورت سے پاک کر کے ایمان وتقویٰ سے آباد رکھنا، اسے بزبان شریعت تزکیۂ نفس کہا جاتا ہے اور یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ نظافت و پاکیزگی اور جمال وآرائش کا دوسرا زینہ انسان کا بدن ہے، اسلام نے گوشت پوست کے اس ڈھانچہ پر خصوصی توجہ دی، اسے احترام وتقدس بخشا، اس کی حفاظت کو شریعت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصل قرار دیا اسے شرعی احکام کی تنفیذ کا مکلف بنایا۔ اس کے صحت وتحفظ کے لئے نظافت و پاکیزگی اور وقار وتمکنت کے لئے جمال وآرائش کا حکم دیا۔ اور شریعت کی نظر میں وہی شخص معزز ومحترم قرار پایا۔ جو ان آداب کی پابندی کرے کیوں کہ اس کے مادی فوائد کے ساتھ ساتھ معنوی فوائد بھی ہیں۔ جسم کے اندر صلابت و پختگی ہوتی ہے جو شرعاً مطلوب ہے جسم صحت مند و توانا رہتا ہے فکر وشعور پر مثبت اثر پڑتا ہے آپس کی قربت موانست کا جذبہ بڑھتا ہے، زندگی تہذیب و سلیقہ کی آئینہ دار ہوتی ہے اسلام نے نظافت وآرائش کے آداب بتلائے اس کے مواقع میسر کئے اور ان میں ان آداب کی رعایت کو فرض قرار دیا تاکہ پورا مسلم معاشرہ طہارت و پاکیزگی کا آئینہ بن کر رہے۔ جسم کی نظافت وآرائش سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عشرة من الفطرة قص الشارب، واعفاء اللحية، والسواك، و الاستنشاق بالماء، وقص الاظافر، وغسل البراجم، ونتف الابط، وحلق العانة، وانتقاص الماء والمضمضة" (صحیح مسلم، مسند احمد) دس چیزیں فطری ہیں، مونچھ کاٹنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک سے پانی کھینچنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کی جڑوں کو دھلنا، بغل کا بال صاف کرنا، زیر ناف صاف کرنا، پانی سے استنجا کرنا، کلی کرنا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر میں مزید دو ادب بتلائے گئے، سر کے بال کی مانگ نکالنا اور ختنہ (مصنف عبد الرزاق)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلال کا حکم دیا فرمایا: "تخللوا فانه نظافة۔" (طبرانی)

دانت کا خلال کرو کیوں کہ یہ نظافت ہے۔ گویا جسم کی نظافت و آرائش سے متعلق یہ تیرہ اسلامی آداب ہیں اگر انہیں چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سرتاپا محیط ہیں، سر کے بال کی نظافت و آرائش کے لئے کنگھی کرنا اور تیل لگانا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من کان لہ شعر فلیکرمہ" (سنن ابو داؤد) جس کے پاس بال ہو وہ اس کی عزت کرے۔ ناک کی خصوصی صفائی کے لئے ناک سے پانی کھینچنا تاکہ اس کے اندر سے گرد و غبار نکل جائے کیونکہ یہ بال کی جڑوں میں باقی رہ کر مہلک جراثیم کے سبب بنتے ہیں جو سانس کے ذریعہ سینہ میں پہونچتے ہیں، منھ کی صفائی کے لئے کلی کرنا، اسی کا ذائقہ و تازگی برقرار رکھنے اور بدبو ختم کرنے کے لئے مسواک کرنا مسواک سے دانت اور مسوڑے کا تحفظ اور اس کی آرائش بھی مقصود ہے نیز مسواک دانت کے متعدد امراض کا مجرب و مفید علاج بھی ہے خلال بھی دانت کی صفائی کا بہترین طریقہ ہے تاکہ کھانے کے آثار دانت میں باقی نہ رہیں کیونکہ عموماً یہ جراثیم کا سبب ہیں، مونچھ چھوٹی کرنے میں نظافت و آرائش دونوں پہلو ملحوظ ہے۔ خورد و نوش کے وقت یہ اذیت نہ دے اور ہونٹ کے حسن کو گرہن آلود نہ کرے۔ داڑھی مرد کے چہرہ کی زینت ہے اسی لئے اسے دراز کرنے کا حکم دیا گیا۔ بغل کا بال اس لئے صاف کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ پسینہ کی بدبو میں خفت پیدا ہو۔ زیر ناف کی صفائی، ختنہ، استنجا، اور انگلیوں کی جڑوں کو دھلنے میں نظافت کا پہلو مضمر ہے۔ ناخن تراشنے میں نظافت اور انگلیوں کی آرائش دونوں پہلو مضمر ہے گویا یہ تیرہ آداب انسان کے پورے سراپا کو محیط ہیں، جہاں تک طہارت و نظافت اور جمال و آرائش کے مواقع کا تعلق ہے تو ان میں سب سے اہم پنجوقتہ نماز ہے کیونکہ اس کی ادائیگی کے لئے طہارت کا ملہ شرط ہے، نماز سے مسلمان کو فرار نہیں اور اس بہانہ سے اس کا پورا جسم سدا پاک و صاف رہے گا۔ قضائے حاجت کے بعد استنجاء مشروع کیا گیا اور مخصوص حالات میں غسل کا حکم دیا گیا بنیادی پاکیزگی کے باوجود نماز کے لئے ہاتھ و پیر، چہرہ و سر، ناک و کان جو عموماً کھلا ہونے کی وجہ سے آلائش زدہ ہوتے ہیں انہیں دھلنے کا حکم دیا گیا تاکہ انسان کے جسم پر آلائش کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ غسل کو صرف مخصوص حالت میں ہی نہیں بلکہ ہفتہ میں ایک بار فرض کیا گیا تاکہ نظافت و پاکیزگی کا یہ عمل طوعاً یا کرھاً قائم رہے۔

نماز کے لئے نظافت کے ساتھ ساتھ آرائش کا بھی حکم دیا گیا، ارشاد باری ہے: "یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد" (اعراف/۳۱) اے انسان تم ہر نماز کے لئے زینت اختیار کرو گویا اسلام نے انسان کے کامل سراپا کی نظافت و آرائش کا مکمل نظام تربیت دے کر اسے وقار سے نوازا اور اس نظام سے گریز

نہ صرف جسم انسانی کی تحقیر بلکہ سنن اللہ سے انحراف اور عنایات الٰہی کی تحقیر ہے فرمان نبوی ہے: فاذا اتاك الله مالا فلیر اثر نعمة الله علیك وكرامته (سنن ابوداؤد) جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال سے نوازا ہے تو اس کی نعمت و نوازش کے آثار تم پر نمایاں ہوں۔ جسمانی نظافت وآرائش کے ساتھ ساتھ اسلام نے انسان کے ظاہری شکل وصورت، مظہر وہیئت اور لباس ووجاہت پر بھی توجہ دی تاکہ مسلمان خوش پوشاک ہو اس سلسلے میں متعدد نصوص وارد ہوئے ہیں فرمان باری ہے: "یا بنی آدم انا أنزلنا علیكم لباسا یواری سوآتكم وریشا" (اعراف ر۲۶) اے انسان ہم نے تم پر لباس ستر پوشی وآرائش کے لئے اتارا۔

فرمان نبوی ہے: "لا یدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال ذرة من كبر فقال رجل: إن الرجل یحب أن یكون ثوبه حسنا ونعله حسنة، فقال إن الله تعالیٰ جمیل یحب الجمال -" (صحیح مسلم) جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر گھمنڈ ہو ایک شخص نے سوال کیا کہ بیشک کسی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا لباس اور جوتا اچھا ہو تو آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال پسند کرتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اچھا لباس پہنتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اچھا لباس زیب تن کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لقد رأیت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم أحسن ما یكون من الحلل" (سنن ابوداؤد) میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے عمدہ لباس زیب تن کئے ہوئے دیکھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "كان رسول الله صلی الله علیه وسلم مربوعا وقد رأیته فی حلة حمراء ما رأیت شیئا أحسن منه قط" (صحیح مسلم) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے اور میں نے آپ کو سرخ جوڑا میں ملبوس دیکھا میں نے کبھی اس سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی ساتھی کو پراگندہ لباس دیکھا تو کہا: "أما یجد هذا ماء یغسل به ثوبه" (سنن ابوداؤد) کہا کہ اسے اتنا پانی میسر نہ ہوا کہ اپنے کپڑے دھل لیتا۔ ایک مرتبہ اپنے ایک ساتھی کو پراگندہ حال دیکھا تو فرمایا: "کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کونسا مال اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بکرے، گھوڑے اور غلام سے نوازا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دولت سے نوازا تو اس کی نعمت و نوازش کے آثار تم

پر نمایاں ہونے چاہئیں ۔ (سنن ابوداؤد)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ نظیف و دیدہ زیب پیراہن شرعاً معیوب نہیں بلکہ مطلوب ہے بشرطیکہ اس میں اسراف و تبذیر، تکبر و غرور، ریاونمود نہ پایا جائے۔ فرمان نبوی ہے: "کلوا واشربوا والبسوا وتصدقوا من غیر اسراف ولا مخیلۃ" (صحیح بخاری) کھاؤ اور پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر اسراف و بخل کے۔ انسان کے ظاہری وضع قطع کا اس کی شخصیت پر بہت گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اچھا لباس اس کی شخصیت کے نکھار اور وقار و تمکنت میں اضافہ کرتا ہے اسی لئے اسلام نے لباس کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

آج بہت سے خانقاہ نشین اپنے زہد و تقوی کی نمائش کے لئے اچھے لباس سے اجتناب کرتے ہیں اور وہ اسے عین تقوی سمجھتے ہیں دوسرا طبقہ صرف اس لئے اچھی پوشاک سے گریز کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو شرعی تکالیف اور دنیاوی مراسم دونوں سے مافوق سمجھتا ہے۔ یہ دونوں نظریئے اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں جیساکہ مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا تن وجامہ کے ساتھ ساتھ اسلام نے گھر راستہ اور مسجد کی نظافت و آرائش کے آداب بتلائے۔ انسان جس گھر میں سکونت پذیر ہوتا ہے اس کی ترتیب و آرائش اور نظافت و تزئین کا اس کی یومیہ زندگی اور اس کے صحت و تندرستی پر بہت گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے گھر کی نظافت و آرائش پر بہت زور دیا تاکہ اس کی غلاظت امراض کا اور اس کی بے ترتیبی ذہنی انتشار کا سبب نہ بنے۔ فرمان نبوی ہے: "فنظفوا افنیتکم ولا تشبهوا بالیهود" (سنن ترمذی) پس اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی مانند نہ ہو جاؤ۔

مسجد کے سلسلہ میں فرمایا: "امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تبنی المساجد فی الدور وان تطیب وتنظف" (سنن ابن ماجہ) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور انہیں صاف رکھنے کا حکم دیا۔

راستوں کے سلسلہ میں فرمایا: "وادناها اماطة الاذی عن الطریق" (صحیح مسلم) راستہ سے تکلیف دور کر دینا ایمان کی ادنی شاخ ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا: "ویمیط الاذی عن الطریق صدقة" (صحیح بخاری) راستہ سے تکلیف دور کر دینا صدقہ ہے۔

راستہ میں خواہ پتھر ہو یا کانٹا، غلاظت ہو یا چوپائے اس کی تکلیف میں سب شامل ہیں اور موجودہ دور میں اس ضمن میں وہ سواریاں بھی آجائیں گی جو راستوں میں نامناسب ڈھنگ سے کھڑی کر دی جاتی ہیں اور وہ راہ گیر یا دیگر سواریوں کے لئے باعثِ مشقت بنتی ہیں، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ سے تکلیف دور کرنے کی فضیلت بتلائی تو اسی سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ راستوں میں کسی اذیت ناک چیز پھینکنے یا کھڑی کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

آپ سے منقول ہے: "من آذى المسلمين في طرقهم وجبت عليه لعنتهم" (طبرانی) جس نے مسلمانوں کو ان کے راستوں میں تکلیف دی اس پر ان کی لعنت واجب ہے۔ مکانات کی صفائی و آرائش کا انسان کے فکر و شعور اور طرز معاشرت پر بہت گہرا اثر مرتب ہوتا ہے اور مکانات کی صفائی راستوں کی صفائی کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اور جب تک مکانات اور راستے غلاظت و گندگی سے محفوظ نہیں رہیں گے تب تک وہ علاقہ صحت مند اور فرحت بخش نہیں بن سکتا اور جب علاقہ ہی صحت مند نہ ہوگا تو صحت مند افراد کہاں سے پیدا ہوں گے؟

آج کل مسلم محلے غلاظت و پراگندگی میں ضرب المثل بن گئے ہیں اور یہ صورتحال تشویش ناک حد تک پہونچ چکی ہے، عموماً یہ دیکھا جارہا ہے کہ لوگ اپنے گھر کی غلاظت دوسروں کے دروازہ پر ڈال دیتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواتین کھڑکیوں سے غلاظت گلیوں میں پھینک دیتی ہیں جس سے راہ گیروں کو تکلیف ہوتی ہے اور راستے بھی خراب ہوتے ہیں ان مسائل کو ہم بہت حقیر سمجھتے ہیں مگر اس کے اثرات بہت مہلک ہیں یہ عمل شرعاً بھی غلط ہے اور فطرت سلیم بھی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اسی طرح پان کھا کر راستہ میں تھوکنا، پھلوں کے چھلکے پھینکنا، راستوں میں چوپائے چھوڑ دینا جو گندگی کرتے پھریں یہ تمام چیزیں غلط ہیں۔ اور جب تک ان چیزوں پر روک نہ لگے تب تک نظافت و آرائش کا صحیح اسلامی رخ سامنے نہیں آئے گا۔

• • •

سیکولر اسٹیٹ میں مناصب کی قبولیت کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا موقف

مسلمان اسلامی حکومت کے زیر سایہ ہوں تو حکومت میں شمولیت اور عہدوں کی قبولیت میں چنداں پس و پیش اور ہچکچاہٹ کا معاملہ نہیں، لیکن جب امت مسلمہ کا سابقہ ان ریاستوں سے ہو جو بدقسمتی سے اسلام کے معتدل نظام حکومت اور متوازن اسلوب حیات سے ناآشنا اور محروم ہوں اور وہاں باطل و ناقص نظریات کی حکمرانی ہو تو مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ سیکولر اسٹیٹ (لادینی ریاست) میں عہدوں کی قبولیت کے متعلق شریعت اسلامیہ کا کیا موقف ہے۔

پیش نظر مضمون تاریخ کے دو عظیم اور سبق آموز واقعات کی روشنی میں اس کا مثبت جواب دیتا ہے۔

پہلا واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ایمان افروز، عبرت آموز اور جمالی شخصیت کے متعلق ہے، جب کہ دوسرا واقعہ حبشہ کے مردِ مومن، حق شناس و انسانیت نواز حکمراں اصحمہ نجاشی سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام کی زندگی آغوشِ مادر سے لے کر مصر کے تخت پر جلوہ افروزی تک خاصی صبر آزما رہی ، قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہونا پڑا، کنویں کی مہیب تاریکی سے سابقہ پڑا، اور مصر کے تخت مرصع کی زینت بھی بننا پڑا۔ بازار مصر میں بحیثیت غلام کے بکے اور بعد میں اہل مصر کی آنکھوں کا تارا بھی بنے، لیکن استقلال و استقامت کے کوہ ہمالہ اور اخلاق و کردار کے قطب مینار جیسے شخص کی جبین نیاز شکن آلود نہ ہوئی۔

یوسف علیہ السلام ایک مومن جانباز تھے، قسمت نے ان کو دیارِ نبی کا مکین بننے کے بجائے ایک کفرستان کا زرخرید غلام بنا دیا۔ کافروں کی ایک جماعت نے اس گوہر نایاب کو بازار مصر میں جنس کم مایہ میں فروخت کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے

غربت کی زندگی میں بھی اپنے اس عظیم بندے کی دست گیری کی اور ایک ایسے انسان دوست اور کریم شخص کو آپ کا مالک بنا دیا جس نے آپ کے ساتھ بیٹے جیسا معاملہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

" وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۔ (یوسف : ۲۱)

مصر کے جس شخص نے ان کو خریدا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو اچھی طرح رکھنا، بعید نہیں کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو، یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔"

یوسف علیہ السلام کے مالک کی غم خواری اور دردمندی کی داستان قرآن یوں بیان کرتا ہے:

" اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (یوسف:۲۳) میرے مالک تو نے مجھے اچھی منزلت بخشی، ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔" آیت بالا میں "ربی" سے مقصود "سیدی" ہے اور یہی راجح ہے۔

گویا یوسف علیہ السلام کی غلامی بھی رشک آزادی تھی، عزیز مصر کا غلام اور وہ بھی مونس و غمگسار۔

قدرت کی جانب سے حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کی بے بہا دولت نصیب ہوئی تھی اور اس جمالی شخصیت میں دل کشی اور جاذبیت کا عنصر اتنی کافی مقدار میں تھا۔ کہ عزیز مصر کی زوجہ فریفتہ ہوگئی اور ظلم و عدوان کے ساتھ اس معصوم پیغمبر کی بے داغ جوانی کو داغدار کرنے کی سعی نامسعود کی، لیکن اللہ تعالیٰ کے اس پاک دل و پاکباز بندے نے اس کی طرف التفات نہیں کیا لیکن معاملہ الٹا ہوا اور" بندر کی بلا طوطے کے سر" کے مصداق آپ پر بہتان تراشی کی گئی، لیکن نصرت الٰہی اور عنایت ربانی ہر گام شامل حال رہی اور اللہ نے انہیں اس کے الزام اور اس کے اور اس جیسی دوسری مفسد عورتوں کے مکر سے انہیں بری کیا، بالآخر یوسف علیہ السلام کو پس دیوارِ زنداں کر دیا گیا۔ ؎

کرتا ہے خطا کون یہاں کس کی سزا ہوتی ہے

جیل کی آہنی سلاخیں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن و ضمیر پر قدغن نہ لگا سکیں، اور انھوں نے اس الم کدہ کو دعوت الی اللہ کا مرکز بنایا اور لوگوں کو عدل و مساوات کے قیام پر ابھارا، قصہ کوتاہ، اللہ نے سربلندی اور پاکبازی کے ساتھ آپ کو قید سے نجات دلائی اور بدخواہوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ ؎

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

پس دیوار زنداں کی غیر معروف زندگی سے رہائی پانے کے بعد بھی آپ اپنے مشن سے غافل نہ ہوئے اور ؎
چیلوں کے نجاست خانے میں بیچارہ پپیہا کیا بولے

کے برعکس ایک باطل اور کافرانہ نظام اور ان امتیازات باطلہ کے درمیان جس کے شاہان مصر عادی تھے، حسب استطاعت عدل قائم کرنے کی کوشش کی اور چنداں تساہل وتغافل سے کام نہیں لیا، مزید برآں اہل مصر کو آئندہ سات سالوں میں رونما ہونے والے قحط کی جانب اشارہ کیا، نیز اس سے بچنے کی حکیمانہ تدبیریں بتلائیں اور عزیز مصر سے مطالبہ کیا کہ: "اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔ (یوسف ۵۵)
ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں، اور علم بھی رکھتا ہوں۔"

بادشاہت کی اس چاہت کے اندر ذاتی مفاد، شخصیت سازی، اور شہرت طلبی کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا بلکہ اہل مصر کی بے ضمیری اور خدا فراموشی نے ان کے ضمیر کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ اس گندے سماج کو ایک صالح معاشرہ میں تبدیل کر دیں، اور اسی کو عملی شکل دینے کے لئے آپ نے منصب کی مانگ کی، اور اس مطالبے کا پس منظر یہ بھی تھا کہ مصری سماج میں کوئی ایسا باکردار شخص نہیں تھا جو اس خرابی کو دور کر سکے اس کے برخلاف آپ کی پاکبازی اور فہم وفراست کے قصے پورے مصر میں مشہور تھے، اور اہل مصر آپ کی دیانت داری، عالی ظرفی، اور ضبط نفس کے قائل وقتیل تھے اس لئے ان کا حفیظ وعلیم ہونا صرف ایک دعویٰ اور فریب نہیں بلکہ ناقابل انکار حقیقت تھی۔

زبان یوسفی سے اس جملے کا نکلنا تھا کہ دربار سے لے کر بازار تک ہر شخص نے اس پر لبیک کہا، مشیت الٰہی نے حضرت یوسف کو زندہ کی کوٹھری سے نکال کر مصر کے تخت پر متمکن کر دیا۔ جہاں سے توحید کی دعوت کو باآسانی پھیلا سکیں عدل ومساوات کی خوبیوں سے اہل مصر کو روشناس کرا سکیں، اور آئندہ پیش آنے والی قحط سالی کے یقینی حادثہ سے بچا سکیں۔

مصر کی بادشاہت اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ایک نعمت تھی تو اہل مصر پر بھی اللہ کے فضل عظیم تھا کہ انہیں حضرت یوسف جیسا منصف مزاج اور عادل حکمراں ملا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وكذلك مكنا ليوسف في الارض يتبوأ منها حيث يشاء نصيب برحمتنا من نشاء ولا نضيع اجر المحسنين ۔ (یوسف: ۵۶)
اس طرح ہم نے سرزمین میں یوسف کے لئے اقتدار کی راہ ہموار کی، وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہے اپنی جگہ بنالے، ہم اپنی رحمت

سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں، نیک لوگوں کا اجر ہمارے پاس مارا نہیں جاتا۔

اس اعزاز کے ملنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے مشن کی تبلیغ کے لئے ایک زریں موقع ہاتھ آگیا، لہذا آپ اہل مصر کو قحط سالی کی عظیم مصیبت سے بچانے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔

یوسف علیہ السلام کا سابقہ ایک کافر قوم سے تھا اس لئے عدل کو قائم کرنے کے لئے ان کو پریشانیاں بھی پیش آئیں لیکن حتی الامکان انہوں نے اپنے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مصر میں ایسا نظام مالیت رائج تھا جس میں عدل کی خلاف ورزی کا بھی امکان تھا جیسے ٹیکس جو وہاں کے عوام کی زمین اور غلہ جات پر فرض تھا اور ایسے مخصوص حقوق تھے جو بادشاہ، اس کے مقربین، وزراء اور حاشیہ نشینوں کے لئے خاص تھے اور اسی طرح وہ لوگ ناحق مال و منال لے لیتے تھے اور اس کو غیر عادلانہ طریقے پر رعایا کے مابین تقسیم کر دیتے تھے، لیکن یوسف علیہ السلام نے ایسے عدل شکن ماحول میں بھی حتی الامکان عدل و مساوات کا چراغ جلائے رکھا۔

علامہ ابن تیمیہ کا قول

یہ واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عدل و انصاف کے قیام کے لئے غیر مسلم کو مملکت میں مناصب اختیار کئے جا سکتے ہیں جیساکہ یوسف علیہ السلام ملک مصر کے خزائن ارضی کے منصب پر فائز ہوئے بلکہ انہوں نے عزیز مصر سے خزائن ارض کے منصب کی مانگ کی تھی اور بادشاہ اور اس کی قوم سب کافر تھے۔

جیساکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبیّنٰت فما زلتم فی شكّ ممّا جاءکم به حتی اذا هلك قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا كذلك یضلّ الله من هو مسرف مّرتاب۔ (المؤمن: ۳۴)

اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس بینات لے کر آئے تھے مگر تم انکی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے شک میں پڑے رہے پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہا اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول ہرگز نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ ان سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گذرنے والے اور شکی ہوتے ہیں۔"

دوسرے مقام پر ان الفاظ میں ان کے کفر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

"یٰصاحبی السجن ءَ اَرْباب متفرقون خیر ام اللّٰہ الواحد القہار ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم وآباءکم ما انزل اللّٰہ بہا من سلطٰن" (یوسف، ۳۹-۴۰)

اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔

یہ آیات بتا رہی ہیں کہ اہل مصر کفر میں گرفتار تھے اور ساتھ ہی ان میں ایسی عادت اور طریقہ کا ہونا ضروری ہے جو مال کے لینے اور اس کو بادشاہ کے اہل خانہ، اس کے حاشیہ برداروں، لشکروں اور رعیت پر خرچ کرنے کے متعلق ان میں رائج ہو اور یہ انبیاء کی سنت اور ان کے عدل کے مطابق جاری نہ ہو، ایسے ماحول میں یوسف علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ جو کچھ چاہتے کر گزرتے یعنی جسے وہ اللہ کا دین سمجھتے تھے قوم اسے نہ مانتی، لیکن پھر بھی انہوں نے حتی الوسع عدل واحسان کو برپا کیا اور اقتدار کے ذریعہ اپنے مومنین اہل بیت کا اکرام واعزاز حاصل کیا جو اس کے بغیر ممکن نہ تھا یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے: فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم۔ (التغابن: ۱۶)

سورہ مومن کی مذکورہ آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کو توحید کی دعوت پیش کرنے میں چنداں تغافل نہیں کیا لیکن پھر ان لوگوں نے اس دعوت کا اقرار نہیں کیا اور کفر پر مُصِر رہے لیکن یوسف علیہ السلام اقامتِ عدل سے دست بردار نہیں ہوئے ہرچند کہ وہ کلی طور پر اس باطل نظام کو تبدیل نہ کر سکے۔

چنانچہ قحط سالی سے متاثر ہو کر برادرانِ یوسف نے بھی مصر کا رخ کیا اور ان کے دربار میں پہونچے، یوسفؑ نے جب اپنے بھائی بِن یامین کو دیکھا تو اس کو اپنے پاس روکے رکھنے کی تدبیر کی اور ان کے برتن میں سرکاری کٹورا چھپا دیا تا کہ اس کے ذریعہ کامیاب ہو سکیں۔ بالآخر کٹورا کی تلاشی ہوئی اور وہ بن یامین کے پاس نکلا تو ان کے دوسرے بھائیوں سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا سزا ہونی چاہئے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ جس کے پاس سے سامان نکلا ہے اسی کو اپنے پاس رکھ لیجئے۔

یہی اس کی سزا ہے، یہاں پر بھی یوسف علیہ السلام نے ملک مصر کے قانون کا سہارا نہیں لیا بلکہ ان پر بنی اسرائیل کا قانون منطبق کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

قالوا فما جزآءه إن كنتم كاذبين قالوا جزآؤه من وُجد في رحله فهو جزاؤه كذلك نجزي الظالمين۔ (یوسف: ۷۴-۷۵)

انہوں نے کہا کہ "اس کی سزا"، جس کے سامان میں سے چیز نکلے وہ آپ ہی اپنی سزا میں رکھ لیا جائے، ہمارے یہاں تو ایسے ظالموں کو سزا دینے کا یہی طریقہ ہے۔

یوسف علیہ السلام شاہ مصر کے قانون پر عمل کرتے تب بھی آپ کا مسئلہ حل ہو جاتا، لیکن انہوں نے اس قانون کا سہارا لینا اپنی شان کے خلاف سمجھا اس لئے کہ ان کا دعویٰ تو اللہ کے احکام کو نافذ کرنا تھا۔ اور انبیاء کی شریعت کے نفاذ میں درحقیقت یہی نکتہ مضمر تھا۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہت مل جانے کے بعد سجدۂ شکر ادا کیا جس کی ترجمانی قرآن یوں کرتا ہے:

ربِّ قد آتيتني من المُلك وعلمتني من تاويل الأحاديث فاطر السمٰوات والأرض أنت وَليّ في الدنيا والآخرة توفّني مُسلما والحقني بالصالحين ۝ (یوسف: ۱۰۱)

اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی، اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہونچایا زمین و آسمان کے بنانے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

آیت بالا اس کی طرف صریح دلالت کر رہی ہے کہ مسلمانوں کو جب موقع حاصل ہو تو کافر اقوام میں قیام عدل کرنا مشروع ہے، الّا یہ کہ اس سے روک دیا جائے بلکہ اگر لوگ مسلمان کے عدل و علم کے حاجت مند ہوں اور وہ اس سے رک جائے تو گنہ گار ہوگا یہ اس وقت ہے جب لوگ کافر ہوں، مگر جب مسلمان ہوں اور مسلمانوں کو حاجت ہو کہ ان کے احوال کے ذمہ دار اہل دین و صلاح ہوں نہ کہ اہل فساد، تو اس قضیہ کی اہمیت کا حال کیا ہوگا؟

اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ

نجاشی ایک مرد مومن تھے ان کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم دیا جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو آپ نے فرمایا: مات اليوم رجل صالح فقوموا فصلوا على أخيكم اصحمة۔ (حديث رقم ۳۸۷۷) اصحمہ تم لوگوں کا ایک صالح بھائی تھا، اس کی نماز جنازہ ادا کرو۔

نجاشی اپنے ایمان اور اسلام کے ساتھ ایسی قوم کے بادشاہ اور حاکم رہے جس کی پوری رعیت کافر تھی اور توحید کی مخالف تھی۔

نجاشی نے کفر وضلالت کی ہوائے تند وتیز کے سامنے ایمان ویقین کا چراغ روشن تر کئے رکھا اور حسب استطاعت عدل وانصاف کا قیام کیا اور حبشہ کی سلطنت سے دست بردار نہیں ہوئے کیوں کہ ممکن تھا کہ اس صورت میں وہاں کسی کافر شخص کی حکومت ہو جاتی اور اس کے بعد عدل وانصاف کے قیام کا تصور خواب وخیال ہو جاتا۔

بے شبہ دعوت الی اللہ کے لئے انبیاء کا منہج ومصالح کا حصول اور ان کی تکمیل ہے، اور دعوت الی اللہ حسب استطاعت ہے، ہر شخص ایسا نہیں کر سکتا کہ کامل طور پر عدل قائم کر لے جائے اور جو چاہے اکمل طریق پر کر گزرے، اقل حد ممکن تک برائیوں کو کم کرنا، اور اکبر حد ممکن تک مصالح کا حاصل کرنا ہی انبیاء ورسل کا منہج رہا ہے۔ نجاشی کا قصہ سنت سے صریح دلیل ہے کہ کافر اقوام میں ایک مسلم عام منصب بلکہ سب سے بڑا منصب بھی اختیار کر سکتا ہے گو وہ لوگ شرک وکفر پر باقی رہیں جب تک کہ مسلم اس پر حجت کرتا رہے اور انہیں اللہ کی طرف بلاتا رہے گو وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں۔

سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب کی قیادت میں مسلمانوں کا قافلہ سخت جاں نجاشی پر وارد ہوا تو انہوں نے ان کا دلی خیر مقدم کیا اور ان کو امن وامان بھی دیا۔

قریش کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے عمرو بن عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا، عمرو بن عاص ایک فطین اور زیرک انسان تھے، انہوں نے بادشاہ کو رام کرنے کے لئے بات کا آغاز نجاشی کے مزاج کے مطابق کیا۔ اور کہا کہ مسلمان حضرت مریمؑ کو گالی دیتے ہیں، عمرو بن عاص کا یہ جملہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ایک ذہنی رشوت تھا۔

نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وضاحت طلب کی، انہوں نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں جن کو سماعت فرمانے کے بعد نجاشی نے کہا: بلا شبہ یہ اور جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ایک ہی نور کی کرنیں ہیں۔

اور زمین سے ایک لکڑی اٹھا کر کہا: حضرت عیسٰی علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ نجاشی کی اس بات پر اس کی حکومت کے وزراء چیں بہ چیں ہوئے لیکن نجاشی نے ان کے غصہ کی چنداں پرواہ نہ کی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ "البداية والنهاية" میں رقم طراز ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف بھیجا جن میں آٹھ افراد شامل تھے، ان میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عرفطہ رضی، عثمان بن مظعون، اور ابو موسیٰ وغیرہ تھے۔ قریش کو جب ہمارے حالات کا علم ہوا تو انہوں نے عمرو بن عاص اور عمارۃ بن ولید کو مکہ کی سوغات اور تحائف کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا، یہ دونوں دربار میں پہونچ کر سجدہ ریز ہو گئے اور اس کے بعد اپنا مدعا بیان کیا۔

اے بادشاہِ معظم! ہمارے چچاؤں کے لڑکوں کی ایک جماعت نے آپ کے ملک میں آکر پناہ لی اور ہمارے دین وملت سے منحرف ہو گئے ہیں۔ نجاشی نے کہا: وہ لوگ کہاں ہیں۔ ؟

سفراء قریش نے کہا کہ آپ ہی سرزمین پر موجود ہیں۔ نجاشی نے ان لوگوں کو طلب کیا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور سلام عرض کیا لیکن سجدہ نہیں کیا۔

درباریوں نے سوال کیا کہ آپ نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

اس پر اس مرد حق گو نے کہا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ حق گوئی تھی۔ سچ ہے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (علامہ اقبال)

دوبارہ سوال کیا گیا کہ تم صرف کیوں خدا کو سجدہ کرتے ہو؟

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ایک رسول مبعوث فرمایا ہے جس نے ہم کو صرف اسی ذاتِ واحد کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ صلوۃ وزکوۃ کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت جعفر رض کے اس جواب نے نجاشی کو بہت متاثر کیا۔ لہذا قریش کے سفراء نے یقینی شکست اور اہانت آمیز ناکامی کا دلخراش منظر آنا دیکھ

کر اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا جو غیر معمولی زہرناک تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم کی مخالفت کرتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پاکباز والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس کی روح اور کلمہ ہیں جو اس نے کنواری اور پاک دامن مریم پر القاء کیا۔ یہ سن کر نجاشی نے ایک لکڑی زمین سے اٹھائی اور حبشہ کے زعماء اور پادریوں کو خطاب کر کے کہا کہ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس کے تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔

نجاشی نے مسلمانوں کو خوش آمدید کہا اور ان کو اعزاز واکرام سے امان دی، اور کہا کہ یہ تو وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور فرط عقیدت سے اس نے بھی یہ کہا کہ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کی جوتیاں اٹھاتا۔

قریش کے دونوں قاصد ناکام ونامراد اور ذلیل وخوار ہو کر وہاں سے نکلے۔ ع

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

روایت سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ نجاشی نے رسالت کا اقرار کیا لیکن ان کی قوم کے لوگ ایمان نہیں لائے پھر بھی نجاشی اس غیر مسلم ریاست میں بادشاہت کے منصب پر برقرار رہے، اگر یہ اسلام کے مستلزمات اور شرائط میں یہ ہوتا کہ حکومت میں کفار کی مشارکت سے علیحدہ اور دور رہنا واجب ہے تو اس مرد حق شناس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قائم نہ رکھتے اور اس کی موت کے بعد آپ اسے یہ نہ کہتے کہ وہ رجل صالح ہے اور صحابۂ کرام کو آپ نے اس کی نماز جنازہ غائبانہ کا حکم بھی دیا، اس میں شک نہیں کہ نجاشی کا اپنی بادشاہت پر باقی رہنا اور اپنی قوم کو حق کا حکم دینا اور ان کے درمیان عدل قائم کرنا اسے ترک کر دینے سے بہتر ہے، ہم جس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں سنت سے یہ اس کی صریح دلیل ہے۔ جیسا کہ ہماری تاریخ کی دو جلیل القدر اور اولو العزم شخصیتوں نے کیا، ریاء ونمود اور ہوس اقتدار کے جذبے سے بالاتر ہو کر خالصاً لوجہ اللہ عہدوں کو قبول کرنا چاہئے اور حتی الامکان عدل وانصاف کا قیام کرنا چاہئے۔ وما علینا إلا البلاغ۔

تحریر:۔ شیخ عبد الرحمٰن عبد الخالق "الفرقان الکویت" مئی ۱۹۹۳ء، حوار فی المنہج قسط ۳

ترجمانی:۔ محمد اطہر افضال احمد متعلم جامعہ سلفیہ بنارس۔

اسلام میں جشن عید میلاد النبی منانے کی شرعی حیثیت

ابو عبد الرحمٰن محمد وصی الدین عمری، خطیب مسجد الدار القیمہ، بھیونڈی، بمبئی

الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتٰب ولم یجعل لہٗ عوجاط والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین وعلیٰ له وصحبہ اجمعین۔ امابعد! الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (مائدہ/۳)

(ترجمہ) اے نبی آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

دین اسلام کامل ومکمل آفاقی وعالمگیر سچا دین ہے جس کی حقانیت وسچائی روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہے س کو اپنا کر ہر شخص کامیاب ہو سکتا ہے۔

یہ دین ہمیں سختی سے حکم دیتا ہے کہ ہم اپنے تمام معاملات میں اعتدال کو ملحوظ رکھیں، ہمارے اسلاف اسی اعتدال والی اہ پر چل کر کامیاب وکامراں ہوئے جسے تقریباً سوا چودہ سو سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔

اسلام سے پہلے سرزمین عرب کا چپہ چپہ عام جہالت وضلالت اور اوہام وخرافات کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ وہ لوگ خدا پرستی کی جگہ بت پرستی اور اولیاء وصلحاء پرستی کی لعنت کا شکار تھے، ان کے اخلاق وکردار جانوروں و درندوں سے کہیں بدتر تھے۔ انسانیت برائے نام رہ گئی تھی، تہذیب وتمدن، رہن سہن، اخوت وبھائی چارگی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ ہر طرف برائیوں کا ڈنکا بج رہا تھا، شراب خوری، قمار بازی، سود خوری، زنا کاری بالکل عام ہو چکی تھی۔ ایسے وقت میں ایک بہترین مصلح اور رہبر کی ضرورت تھی۔ جو درندہ صفت انسانوں کی صحیح رہنمائی کرے۔ اور ہر قسم کی برائیوں کا قلع قمع کر سکے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے اسی عظیم کارنامے کو سرانجام دینے کے لئے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا ور جب آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے تو اپنے ۲۳ سالہ دور نبوت میں بڑی کد وکاوش اور جد وجہد کے ساتھ فرائض نبوت کی اہم ذمہ داری کو امانت ودیانت اور صداقت کے ساتھ نبھایا۔ اور اپنے مکارم اخلاق سے دنیا کی کایا پلٹ دی یعنی ہر طرح کی پھیلی ہوئی جہالت وضلالت قوم ووطن پرستی، تعصب وتنفر جیسی برائیوں کو مکمل طریقے سے ختم کر دیا اور ۶۳ سال

کی عمر مبارک کو پہونچ کر اللہ کے اٹل فیصلے " انک میت و انھم میتون " (اے نبی) آپ بھی دیگر انبیاء کی طرح مرنے والے ہیں) اور "کل نفس ذائقۃ الموت " (ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) کے مطابق رب حقیقی کی دعوت پر لبیک کہا اور ہمیشہ کے لئے اس دار فانی کو الوداع فرماکر ۱۲ ربیع الاول بروز پیر دوشنبہ صبح کے وقت " الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" کہتے کہتے رفیق اعلی سے جاملے۔ یعنی آپ کا انتقال ہوگیا۔(انا للہ وانا الیہ راجعون) وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین -

زیر نظر مقالہ " اسلام میں جشن عید میلاد النبیؐ منانے کی شرعی حیثیت " کے اندر مروجہ بدعات اور رسم ورواج کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے اور قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں مختلف پہلوؤں اور مدلل طریقے سے سمجھانے کی سعی کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مروجہ عید میلاد النبی اور ان جیسے دیگر رسم ورواج بالکل من گھڑت ، بدعت وناجائز اور سنتِ رسول اور طریقۂ سلف صالحین کے خلاف ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

تاریخِ ولادت تا وفات ارباب سیر ومورخین کی نظر میں

بلاشک وشبہ ماہ ربیع الاول عالم انسانیت کے لئے نہایت خیر وبرکت کا مہینہ ہے جس کی نویں تاریخ نہایت سعید ومسرت آمیز اور دوشنبہ کا دن بھی فیض ونور سے لبریز ہے، اس لئے کہ اسی تاریخ میں مصلح اعظم، خاتم النبین، رحمۃ اللعالمین، امام اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، ساتھ ہی ہمیں یہ ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ اسی مہینے کی بارہویں تاریخ کو عالم انسانیت کے سب سے بڑے رہنما اور محسن اعظم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس لئے جہاں ہمارے لئے ہزاروں خوشیاں ہیں وہیں لاکھوں غم والم بھی۔

لہذا آپ پر ایمان لانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ راہِ اعتدال کو ملحوظ رکھیں غلو اور بے اعتدالی کے کاموں سے باز رہیں اسی میں ہماری نجات اور سعادت دارین ہے۔

اب تاریخ اسلام پر ایک نظر ڈالیں

مشہور سیرت نگار رحمۃ اللعالمین کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ "آپ کی ولادت باسعادت دوشنبہ کے دن صبح صادق کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل ۹ ربیع الاول کو موسم بہار میں ہوئی، اور یہی درست اور محقق ہے، جیسا کہ مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ (بحوالہ سیرت النبی تالیف علامہ شبلی نعمانی حصہ اول ص۱۷۱)

اور محمد بن اسحٰق المطلبی نے کہا کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر کو ربیع الاول کو بارہ راتیں گذرنے کے بعد سنہ فیل میں ہوئی۔ (سیرت ابن ہشام حصہ اول ۲۸ ب ص۱۸۲) اور مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اپنی تالیف تاریخ اسلام کے ص: ۸۷ . ب پر لکھتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۴۰ جلوس کسری نوشیرواں مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

الرحیق المختوم کے مصنف تاریخ خضری اور رحمۃ للعالمین کے حوالے سے ص۸۳ پر رقم طراز ہیں کہ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل یوم دوشنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے اس وقت نوشیرواں کے تخت نشینی کا چالیسوں سال تھا اور ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ تھی۔ یہ تمام روایتیں پیش نظر رکھ کر ارباب تحقیق اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع نیر عالم تاب ہوئی (بحوالہ سیرت ابن ہشام کا حاشیہ ج ۱ ص۱۸۲)

ان تمام تاریخی شواہد سے یہ حقائق کھل کر سامنے آجاتے ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت بہ اتفاق مورخین ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ ہوئی۔

تاریخ وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات متعین کرنے میں مورخین کا قدرے اختلاف ہے لیکن زیادہ صحیح روایت جو مورخین نقل کرتے ہیں وہ ۱۲ ربیع الاول ہی کی ہے، واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو انہوں نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے اور تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ہی بتایا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (سیرت النبی جلد ۲ ص۱۶۲)

ارباب سیر عام طور پر تین روایتیں نقل کرتے ہیں۔ یکم ربیع الاول۔ دوم ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول سیرت النبی کے مصنف نے یکم ربیع الاول کو ثقہ کہا ہے گویا ان کے نزدیک یہی درست ہے اور دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن

محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کے واسطہ سے مروی ہے (طبرانی بحوالہ مذکورہ)

الرحیق المختوم کے مصنف ص۶۴۴ پر لکھتے ہیں کہ "یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ کو چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ترسٹھ سال چار دن ہو چکی تھی۔ اور تاریخ اسلام کے مصنف مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی بھی یہی تحقیق ہے کہ آپ کی وفات دوپہر کے قریب روز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو ہوئی۔ (تاریخ اسلام ج۱ ص۲۴۴)

قارئین حضرات! آپ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت اور وفات کے تعلق سے ملاحظہ کرلیا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول ہے اور وفات ۱۲ ربیع الاول کی ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ جو لوگ ۱۲ ربیع الاول کو آپ کی وفات کے دن جشن عید میلاد النبی کے نام سے ہزاروں خوشیاں مناتے ہیں، چراغاں اور رنگ برنگی لائیٹنگ کی سجاوٹ کرتے ہیں (جہاں ہزاروں و لاکھوں روپئے کا اسراف ہوتا ہے) پھر مختلف جگہوں پر اسٹیج لگاتے ہیں، بڑے بڑے علماء سو داد تحسین حاصل کرتے ہیں اور مبالغہ آمیز آپ کی تعریفیں کرتے ہیں اور عوام کو بڑا فریب یہ دیتے ہیں کہ اس دن ذکر خیر کرنا اور اس محفل میں شریک ہو کر آپ کی سیرت پاک کا بیان سننا بہت بہتر اور بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور اس دن کی یاد سال بھر کے لئے کافی ہے وغیرہ وغیرہ۔

یقیناً آپ کی سیرت پاک کا بیان سننا کار ثواب اور بہتر ہے لیکن کیا آج کے یہ سب مروجہ طریقے صحیح اور درست ہیں۔ یا ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ رہا ہے؟ جب کہ ہم شب و روز آپ کی سیرت وصورت اور اخلاق و اعمال بیان کرتے رہتے ہیں۔ پھر کسی دن کو مخصوص کرکے سال میں صرف ایک بار ذکر خیر کرلینا یہ کہاں کا انصاف اور کس کی سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بہت سے مسلمان روزمرہ والی عبادت سے گریز کرتے رہتے ہیں کہ بس ہمارے لئے سال میں ایک بار عید میلاد اور دیگر مروجہ رسم و رواج کی شرکت کافی ہے نماز روزہ کی کیا ضرورت۔ اس قسم کے مجلسوں اور محفلوں میں ۹۹ فیصد بے نمازی، شرابی اور جواری ہی لوگ شرکت کرتے ہیں اس لئے کہ انہیں باور کرایا جاتا ہے کہ جو اس مجلس میلاد میں شرکت نہیں کرے گا وہ کافر ہے۔ (العیاذ باللہ) بے چارے یہ جاہل عوام اپنے چند رسم و رواج پر تکیہ کرلیتے ہیں اور اپنے آپ کو پکے موحد مسلمان سمجھنے لگتے ہیں باقی سب کو گستاخ رسول بد دین اور کافر وغیرہ کے القاب دینے شروع کردیتے ہیں۔

آج کے اس مروجہ میلاد خوانیوں سے یہی اندازہ لگتا ہے کہ یہ تمام جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وفات کے دن خوشیاں مناتے ہیں دشمنان رسول ہیں نہ کہ محب رسول۔ جسطرح یہود و نصاریٰ نے غلو[1] کرکے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

---

[1] اہل کتاب کے غلو کی قدرے تفصیل میرے رسالہ "احترام اولیاء" میں ملاحظہ کریں۔

کی محبت کا دم بھر کران کے ساتھ برا سلوک کیا۔ بس من وعن وہی طرزِ عمل آج کے نام نہاد مسلم میلاد خوانیوں کا ہے ظاہر سی بات ہے کہ آپ کی وفات پر اگر کسی کو خوشی وشادمانی ہوئی ہوگی تو وہ منافقین مسلمان اور اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) واہل مکہ (کافر) مشرکین ہی ہیں۔

خدارا! انصاف سے فیصلہ کرو کہ جس دن آپ کی وفات ہوئی ہو اس دن ہم ہزار خوشیاں منائیں بھلا یہ کون سی محبت کا طریقہ ہے؟ کیا تم اپنے باپ دادے، خویش واقارب اور دیگر رشتہ دار کی وفات وموت کے دن بھول کر بھی جشن وخوشی کا دن مناؤ گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کوئی نادان ایسا کر بھی لے تو وہ قوم وسماج میں بہت برا اور ذلیل سمجھا جائے گا اور ہزاروں لعن وطعن کا شکار ہو جائے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم اپنے اقارب کی موت پر جشن منانا قابل ملامت ونفرت تصور کریں گے تو پھر آج آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے دن آخر کیوں اور کس کے حکم سے۔ مروجہ جاہلانہ رسم دھوم دھام سے منائی جارہی ہے۔ کیا یہی طریقہ صحابہ کا یا ائمہ اربعہ کا تھا؟ یا یہ خواہشات نفس کی پیروی ہے؟ صد افسوس!

میرے بھائیو! سال میں صرف چند رسوم ادا کر لینے سے روزمرہ والی عبادتوں۔ نماز، روزہ اور دیگر فرائض و واجبات سے آپ سبکدوش نہیں ہو سکتے اور نہ ہی چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔ اور نہ سال میں ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے اور میلاد پڑھ لینے سے رحمۃ للعالمین کی روح پاک خوش ہوگی۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروز قیامت بدعتی کے حق میں سفارش کے لئے تیار ہوں گے بلکہ اس کے برعکس اپنی بیزاری کا اظہار کریں گے اور "سحقاً سحقاً لمن غیّر بعدی" (بخاری، مسلم) کہہ کر کہ تم مجھ سے دور ہو اس لئے کہ میرے بعد تم نے نئی نئی باتیں ایجاد کر لیں تھیں چنانچہ فرشتے دھکے دے کر بھگا دیں گے۔ پھر کیا حال ہوگا جہنم کے ایندھن بنیں گے۔

اس لئے کہ آج جتنے رسم ورواج سنت کے نام پر ادا کئے جاتے ہیں حرام ہیں۔ مثلاً عید میلاد النبی کے رسم صفر کے آخری چہار شنبہ کے رسم، شب معراج کے رسم وحلوہ خوری، شب برأت کی محفلیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں اور رجب کے کونڈے، محرم اور یوم عاشورہ کے رسم، اذان کے آگے پیچھے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رسم، روزمرہ والی عبادتوں میں من گھڑت دعاؤں کو زبان سے ادا کرنے کا رواج، مردہ کے نام کی فاتحہ، نذر ونیاز، تیجہ، دسواں، چالیسواں اور قرآن خوانی کروانے کا رسم وغیرہ۔ کیونکہ یہ سب کے سب خلاف سنت ہے اور ہر خلاف شرع کام امر معصیت ہے جس کے کرنے کا حکم شریعت مطہرہ میں نہیں ہے۔ اور نہ اسلام اس کی قطعی اجازت دیتا ہے۔ مذکورہ رسم ورواج کا مذہب اسلام

سے بھی دور کا تعلق نہیں ہے. بلکہ ان کی برائی اور مذمت پر چاروں ائمہ کا اجماع اور اتفاق ہے. اس لئے کہ کسی کے دن ، وفات، سال گرہ منانے کا طریقہ غیر مسلموں کا ہے.

محبت صحابۂ کرام

اگر واقعی اسلام میں کسی کی ولادت و وفات اور دن منانا شرعاً جائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو انجام دیتے، پھر صحابہ کرام کو بھی تعلیم دیتے. آپ ہی نے ہماری پیدائش سے لے کر قبر میں دفن ہونے تک جملہ امور و معاملات میں رہنمائی فرمائی ہے تو کیا آپ خود اپنی ولادت کے دن جشن منانے کی ترغیب و تعلیم دینا بھول گئے جب کہ اتنا بڑا اہم کام تھا، یا بتانے میں کوئی کوتاہی برتی؟ چنانچہ جس دن آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ ماہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ روز دوشنبہ تھا، اس وقت آپ نے اپنی ولادت کا نہ کوئی جشن منایا اور نہ منانے کا حکم دیا جیسا کہ سنی تبلیغی جماعت کے پیشوا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ترجمہ والا قرآن کے حاشیہ نمبر ۲ اور صفحہ ۸۰۳ پر سورہ جمعہ آیت نمبر ۲ کے تحت ان کے دوسرے بریلوی عالم مفسر قرآن مولوی سید شاہ نعیم الدین مرادآبادی نے بڑی وضاحت سے لکھ دیا ہے جو بہت اہم اور قابل غور بات ہے لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بارہویں ۱۲ ربیع الاول روز دوشنبہ کو چاشت کے وقت مقام قبا میں اقامت فرمائی. دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنجشنبہ یہاں قیام فرمایا اور مسجد کی بنیاد رکھی"۔

غور کیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو بجائے اپنی ولادت کی خوشی اور جشن منانے کے لئے مسجد کی تعمیر کئے اور آج کے یہی سنی نام نہاد مسلم محض زبانی محبتِ رسول کے دم بھرنے والے آپ کی ولادت کے دن بڑے دھوم دھام سے بڑی عید اور جشن مناتے ہیں. بھلا یہ کون سی محبت کا طریقہ ہوا اور کہاں کا انصاف ہے؟

دوسری طرف جب ہم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معمولات زندگی اور ان کے عملی طور طریقے پر غور کرتے ہیں تو سرے سے ان مروجہ رسم و رواج کا نام و نشان ہی نہیں ملتا جب کہ صحابہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی سنتوں کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے.

حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں آتا ہے کہ حضور جس جگہ استنجا کے لئے بیٹھتے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمر اس کو یاد کرتے اور جب وہاں سے گذر ہوتا تو اس جگہ بغیر حاجت کے بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ میں نے حضور کو یہاں بیٹھ کر استنجا کرتے دیکھا تھا اس لئے میں بھی بیٹھ گیا. اسی طرح آپ جس درخت کے سایہ میں راحت فرماتے تو وہ بھی اس جگہ جا کر قیلولہ کر لیتے، ایک مرتبہ آپ وضو فرما رہے تھے. صحابہ کرام آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسموں

تبرکاً ملنے لگے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور کو کدو بہت پسند تھا اس لئے مجھے بھی مرغوب ہے۔

اسی طرح حضرت انس جب معصوم بچوں کے پاس سے گذرتے تو انہیں سلام کرتے اور فرماتے کہ میں نے حضور کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اس لئے میں بھی سلام کرتا ہوں یہ تھا صحابہ کرام کی زندگی کا ایک مختصر نمونہ جسے میں نے ذکر کر دیا ہے جو سب کے سب صحیح حدیث سے ثابت ہے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ صحابہ کرام کی محبت رسول کیسی تھی اور حضور کی معمولی سنت پر کس طرح کاربند تھے۔ اسی کا نام محبت رسول یعنی آپ کی سچی تابعداری کرنے والے محب رسول ہیں۔

کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی بہ نسبت نبی کی سنت پر زیادہ عمل کرنے والے ہم ہیں اور ان سے زیادہ نبی کو آج ہم چاہتے ہیں اور ان پر ایمان کامل رکھتے ہیں یا صحابہ کو نبی سے محبت کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہیں تھا۔ اس لئے وہ لوگ عید میلاد جیسی اہم اور بڑی سنت کو بھول گئے یا ترک کر دیئے جس کی تکمیل آج ہم کر رہے ہیں۔

ان تمام سوالات کے جوابات خود آپ کا ضمیر دے گا کہ ہرگز نہیں صحابہ تو ہم سے کہیں ہزار اور لاکھ گنا علمی میدان میں بہتر اور اچھے تھے اور مروجہ رسم و رواج کی تمام بدعت کے کاموں کو دانستہ ترک کئے اور بچے رہے تو پھر نبی کے چاہنے والے اور ان سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرنے والے بدعت کے کاموں کو کیوں نہیں چھوڑتے جو نبی و صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے۔

یاد رکھئے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ محض زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر اپنی پوری زندگی کو آپ کی لائی ہوئی شریعت کی مکمل پیروی اور سچی تابعداری میں ڈھال لینا اور اپنی خواہشات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع بنا لینے کا نام محبت رسول ہے اور پھر ایسے لوگوں کا دعویٰ قابل قبول ہے۔ دین اسلام اعتدال پسند ہے اور ہمیں بھی تاکیداً حکم کر رہا ہے کہ ہم اپنے تمام دینی و دنیاوی معاملات میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھیں غیر قوموں کی طرح افراط و تفریط، غلو اور بے اعتدالی سے بچیں۔ اور جاہلانہ رسم و رواج کو اپنانے کے بجائے فرائض و واجبات اور سنن و نوافل کی مکمل پابندی کریں۔ اسی راہ اعتدال کو اپنانے میں ہماری خیریت اور فلاح و نجات ہے نہ کہ غیر مذہب کے رسم و رواج کے منانے میں۔

تمام مسلمانوں اور دینی ماں بہنوں سے ہماری درخواست ہے کہ عید میلاد النبی اور ان جیسی دیگر بدعات و خرافات اور قسم قسم کی مروجہ مجلسوں کا بالکل بائیکاٹ کریں اور ان شیطانی مجلسوں میں ہرگز ہرگز شرکت نہ کریں آج کے علمائے سو محض آپ کو دھوکہ میں ڈالے ہوئے ہیں یقین مانیئے یہ غیر قوموں کا طریقہ ہے جسے اہل بدعت نے اپنا پیٹ بھرنے کا عجیب

بھرنے کے لئے ایجاد کیا ہے۔ اللہ نے ان جیسے آپ کو بھی عقل وشعور دیا ہے خود خوب غور کریں اور کوئی عمل کرنے سے قبل اہل علم حضرات سے معلوم کرلیں کہ فلاں کام نبی، صحابہ، سلف وخلف سے ثابت ہے یا نہیں۔ پھر تحقیق کے بعد قدم بڑھائیں۔

اسلام میں بدعت کی گنجائش؟

معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں بدعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ کوئی بدعت مستحسن وبہتر ہے بلکہ ہر بدعت خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی قابل مذمت اور موجب دخول جہنم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ (الحدیث) کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بعض حضرات بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کہہ کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں اور بدعت کی کئی قسمیں کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ جیسے بدعت واجبہ، بدعت مستحبہ، بدعت محرمہ اور بدعت مکروہہ وغیرہ حالانکہ یہ سب خود ساختہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نہیں ہیں۔ جو لوگ بطور دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "نعمۃ البدعۃ ھذہ" (یہ کیا ہی اچھا طریقہ ہے) کو پیش کرتے ہیں سراسر جہالت ہے اس لیے کہ اگر ہم شرعی معنی میں اچھی بدعت مراد لیتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوگا (نعوذ باللہ) صحابہ کرام بھی بدعت کے کام کرتے اور کرواتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کرتے تھے یعنی کل بدعۃ ضلالۃ کی۔ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ الگ الگ تراویح کی نماز ادا کر رہے تھے ان کو حضرت عمر نے ایک امام کے تابع کر دیا اور فرمایا یہ کیا اچھا طریقہ ہے بہ نسبت پہلے کے۔ گو حضرت عمر نے وہی طریقہ اپنایا جو حضور کے زمانے میں تھا۔ پھر بدعت حسنہ کیسے ہوئی؟

علاوہ ازیں حضرت عمر کا قول کوئی شرعی حکم نہ تھا بلکہ آپ کے اس فرمان کا لغوی معنی مراد ہے چونکہ آپ بھی سنت ہی کے تابع تھے۔ غیر نبی کے لئے قانون سازی جائز نہیں۔ اور تراویح باجماعت کا ثبوت عہد نبوی سے ہے۔ حضرت عمر نے کوئی بدعتِ حسنہ رائج نہیں کی، بدعت تو اسے کہیں گے جس چیز کا وجود دین میں سرے سے نہ ہو، بدعت کا لغوی معنی اصل مادہ: بَدَعَ یَبْدَعُ باب فَتَحَ یَفْتَحُ یعنی "بَدَعَ الاختراعِ علی غیر مثال سابقٍ" کسی چیز کی ایجاد بالکل نئے طرز سے ہو جس کی گذشتہ میں مثال نہیں مل رہی ہو جیسے: "بدیع السموات والأرض"

اللہ نے آسمان وزمین کو ایسے نئے طرز پر بنایا کہ گذشتہ زمانے میں اس طرح کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے نہ پہلے نہ بعد میں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت کی لغوی واصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بدعت لغت میں ہر اس عمل کو کہا جائے گا جس پر پہلے سے کوئی مثال نہ ہو اور" اصطلاح شرع میں بدعت کا اطلاق ہر اس نئی ایجاد پر ہوگا جس کی رسول اکرم اور صحابہ کے دور میں سرے سے کوئی اصل نہ ہو۔" یعنی دین کامل ہو جانے کے بعد اپنی طرف سے طلبِ ثواب کی نیت سے ایک ایسی نئی چیز کا ایجاد کرنا جو رسول اور صحابہ کے قول سے ثابت نہ ہو تو وہ مطلق بدعت کہلائے گی۔ فقہاء کی اصطلاح میں ہر اس نئی چیز کا نام بدعت ہے جس سے کتاب وسنت اور اجماع صحابہ کی مخالفت ہو رہی ہے اور جس کی شارع علیہ السلام نے اپنے قول وفعل سے اجازت نہیں دی ہو۔

بدعت کے جواز پر موجودہ زمانے کے ایجادات (موٹر، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ سفر کرنا، عمدہ لباس اور اچھے کھانے، مکان، مسجد ومدرسہ کی پکی تعمیر کرنا، لائیٹ پنکھے بجلی ودیگر سامان کا استعمال کرنا وغیرہ) سے استدلال کرنا اور پھر مذکورہ سواریوں کو بدعت کہنا حد درجہ حماقت ونادانی اور دینِ حق کی معرفت سے کوسوں دوری اور اندھے ہونے کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

نیز اہل بدعت قرآن پاک کے اعراب (زیر زبر پیش) لگانے اور قرآن وحدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنے پر اعتراض کرتے ہوئے بدعت کہتے ہیں اسی طرح علم نحو ودیگر فنون کے حاصل کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔ یعنی دل میں جو شیطان ڈالے بک دیتے ہیں۔ ایسے بے سر وپا بات کہنے سے پہلے ان جاہلوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عہد نبوی وعہد صحابہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا قرآن وحدیث کے جمع کرنے اور ان کے حروف پر اعراب لگانے کا حکم موجود ہے۔ قرآن پاک اعراب ہی کے ساتھ نازل ہوا اور ہی اعراب کے ساتھ قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔ صحابہ میں تعلیم وتعلم کا باقاعدہ رواج تھا۔ نیز اس وقت بھی سواریاں ہی کی جاتی تھیں (اونٹ، خچر وغیرہ کے ذریعہ) اس وقت پکی مسجدیں بھی تھیں۔ مدرسے بھی تھے، پھر موجودہ ایجادات کو بدعت پر قیاس کرنا محض شیطانی قیاس ہے اور جس طرح لعین شیطان قیاس کر کے گمراہ ہوا اسی طرح آج کے علماءِ سُوء گمراہ ہیں۔

دوسری بات موجودہ ایجادات کو ہم کوئی دینی کام سمجھ کر ثواب کی نیت سے استعمال نہیں کرتے بلکہ خود دنیوی فائدے کے لئے کرتے ہیں جسے اللہ نے خاص ہمارے فائدہ اٹھانے کے لئے پیدا فرمایا اور پھر ان چیزوں کو ہمارے

ابع دماتحت بنادیا جس کو استعمال کرنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم اورحق دیا ہے پھر بدعت کہنا چہ معنی دارد!

اسی طرح عید میلاد النبی جیسی کھلی بدعت کو ثابت کرنے کے لئے بطور جواز کے مندرجہ ذیل آیت قرآنی کو پیش کرنا غلط ہے۔ مثلاً قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا (یونس: ۵۸) ترجمہ "کہو کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اسی نے بھیجی اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیئے۔" وذکرھم بایام اللہ (ابراہیم: ۵) جس کی پوری عبارت یہ ہے: "ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا ان اخرج قومک من الظلمٰت الی النور وذکرھم بایام اللہ ان فی ذلک لآیٰت لکل صبار شکور" (ترجمہ) یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تم اپنی قوم کو اندھیریوں سے روشنی میں نکال اور انہیں خدا کے احسانات یاد دلا[1] اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر شکر کرنے والے کے لئے۔" ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا وآخرنا (مائدہ ۱۱۴) ہمارے رب ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے خوشی کا موقع قرار پائے۔

"یاایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم" اے ایمان والو! تم اپنے اوپر کی نعمت الٰہی کو یاد کرو۔

مذکورہ والی آیت کریمہ کو عید میلاد النبی کے جواز میں پیش کرنا حد درجہ کی کمینگی اور قرآن پاک کے ساتھ مذاق واستہزا اور بطرز یہود ونصاریٰ کے معنوی تحریف ہے۔ ان آیتوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے جن جن نعمتوں اور رحمتوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے دین اسلام اور اللہ کے دیگر بڑے بڑے احسانات ورحمت مراد ہیں جو مومنوں پر بوقت ضرورت وقفہ سے نازل ہوتے رہے۔ اور اگر صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی ذات مراد لی جائے تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی ولادت کی سالگرہ منائی جائے۔ لہٰذا مذکورہ آیتوں کی غلط تاویلات کر کے عید میلاد منانے کا ثبوت پیش کرنا بے وقوفی اور پاگل پنی ہے۔ قارئین خود اس قرآنی آیات کا ترجمہ وتشریح دیکھ کر فیصلہ کرلیں اور ان مکاروں کے مکر وفریب میں نہ آئیں۔

شاید کہ اب اتنی وضاحت کے بعد ہمارے برادران ہند کے دل ودماغ میں اثر ہو کر نقش ہو جائے۔ ع

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم عطا کرے اور اسلاف کے طریقے راہ اعتدال پر چلائے۔ (آمین)

• • •

[1] عام مفسرین اس سے مراد لیتے ہیں فرعون سے نجات دلانا، ان کیلئے دریا کو کھڑا کر دینا، ان پر ابر کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اتارنا وغیرہ

از فضل اللہ انصاری سلفی

نشستن، گفتن، و برخاستن!

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مقصد کا تعین اور منزل مقصود کی تحدید ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بے مقصد زندگی انسان کو شتر بے مہار، غفلت شعار اور برباد و بیکار بنا دیتی ہے۔ صبح و شام کرنا، اور کھا پی لینا زندگی یا بامعنی زندگی نہیں۔ بس وقت گذاری ہے۔ اتنا کام عقل و خرد سے محروم حیوان غیر ناطق بھی کر لیتا ہے اور حقیقت میں اس کی زندگی بس یہی ہے کہ ؎

صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے   عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

ایک انسان اور خصوصاً کسی مسلمان کی زندگی یوں ہی گذرتی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیثیت انسان زندگی اس کی اس حیوان سے بھی بدتر ہے۔ جس کا کوئی مقصد نہیں۔ "چند افراد گپ شپ، ہنسی مذاق و یاوہ گوئی میں لگے کہیں بیٹھے ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مسلم نوجوان ہیں"۔۔۔ یہ تبصرہ ہے ایک مسلم دانشور کا، جن کے دل میں بلا شبہ ملت کا درد ہے اور وہ اس درد کا درماں چاہتا ہے۔ یہاں اس تبصرہ پر تبصرہ مقصود نہیں بلکہ بتلانا یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں؟ کیا مسلم نوجوان بس اسی کام کے ہیں۔ کیا ان کا کوئی مقصد زندگی نہیں اور ان کے نزدیک زندگی کیا اسی سے عبارت ہے کہ صبح و شام گذرے اور زندگی یوں ہی تمام ہو جائے؟ مقصد حیات سے ناآگاہی و بے خبری نے کیا مسلم نوجوان کو اتنا پست کر دیا ہے کہ وہ کہیں کسی بھی سماج میں "نشستن، گفتن و برخاستن" سے زیادہ کچھ اور نہیں کر سکتے۔ ان کا یہی مشغلہ رہ گیا ہے کہ وہ غیبت و چغل خوری، عیب جوئی و یاوہ گوئی، ہنسی و مذاق اور نازیبا حرکات و سکنات میں لگے رہیں ظاہر بات ہے کہ یہ مقصد حیات نہیں۔ بس طبع کی ناروا تسکین اور وقت گذاری ہے۔

"نشستن، گفتن و برخاستن" مشغلہ مسلم نوجوان کا جب یہی رہا تو اس میں من کی خیر ہے اور نہ ہی تن کا بھلا

اسلام نے ان کو یہی سکھایا اور کیا یہی بتایا؟ جواب بلا شبہ نفی میں ہوگا کہ نہیں۔ کیوں کہ اس بے سود مشغلہ سے انسان کہیں کا نہیں رہ جاتا۔ وہ کام چور، غفلت شعار، کاہل وسست اور شتر بے مہار بن جاتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ حرکت میں میں آئے، دست وپا کو حرکت دے اور کچھ کیا جائے کہ جس سے اس کی زندگی ثمر بار ہو، اپنے اور غیر سب کے لئے وہ نفع بخش ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس مرض کا مبتلا دوسروں کو بھی حرکت میں دیکھنا نہیں چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اس زمرہ میں آجائیں۔ جس کا انجام ہلاکت وبربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ تو بہ بھلی، کتنی بے معنی اور لغو ہے وہ زندگی جس کا کوئی فائدہ نہیں اپنے لئے اور نہ دوسروں کے لئے۔

آج جب کہ مسلمان تعلیمی اور معاشی واقتصادی طور پر: افسوس ناک حد تک زبوں حال ہیں اور ہر ایک سطح پر وہ غیروں سے بہت پچھڑے ہیں۔ ان کا فرض تھا کہ وہ بیکار کی چھوڑ کے ہر میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے اور ایسے کام انجام دیتے، جن سے ان کا اپنا بھلا ہوتا مگر جس قوم کے جوان ہی آرام پسند، کاہل اور غفلت شعار ہوں۔ اور ان کی ساری دلچسپی بیکار کی چیزوں میں ہو تو پھر خدا حافظ: "ومن یؤت الحکمة فقد أوتی خیرا کثیرا" (جسے حکمت عطا کی گئی اسے بہت بڑی دولت عطا کی گئی)۔ "لاحسد الا فی اثنین۔ رجل آتاه الله مالا فسلطه علی هلکته فی الحق ورجل آتاه الله الحکمة فهو یقضی بها ویعلمها۔ (بخاری ومسلم)

حسد (رشک) صرف دو آدمیوں کے سلسلہ میں جائز ہے ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا تو اسے راہ حق میں خرچ کیا۔ اور دوسرا وہ شخص، جسے اللہ نے حکمت عطا کیا تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا اور (لوگوں) کو اس کی تعلیم دیتا ہے کسب معاش کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ: "فاذا قضیت الصلوٰة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله" جب نماز ادا کر لی جائے تو روئے زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کی روزی تلاش کرو ـــ ایک حدیث میں اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں کہ: "ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یده وان نبی الله داؤد علیه السلام کان یاکل من عمل یده - (البخاری)

یعنی، اپنے ہاتھ سے کمائے کھانا سے اچھا کبھی کسی نے کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ جس دین کے اندر حصول علم اور کسب معاش کے بارے میں اتنی واضح تعلیمات ہوں، اس دین کے ماننے والے تعلیمی اور معاشی واقتصادی سطح پر اس قدر پچھڑے ہوں، حیرت اور افسوس ہے۔ خاص طور سے مسلم نوجوان جدوجہد اور محنت وجفاکشی سے دور بھاگیں۔ تضیع اوقات میں لگے رہیں اور مقصد حیات سے بے خبر بس وہی نشست وبرخواست

اور بے جا گفت و شنید میں وقت برباد کرتے رہیں تو پھر یہ مزید افسوسناک صورتِ حال ہے۔ گرم خون، جواں عمر اور نشہ زدہ افراد قوم ہی جب اپنے ہاتھ کی کمائی سے فرار اختیار کریں گے تو سال خوردہ، عمر رسیدہ اور اپنے لئے ہی پریشان افراد کے لئے مزید پریشانی کا سبب بنیں گے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ وہ ضرورت پڑنے پر ہر کس و ناکس کے سامنے دست درازی کریں گے۔ ایک دوسرے سے مانگتے پھریں گے۔ اور پھر تنگ آکر ناجائز و حرام طریقۂ معاش تلاش کریں گے، عزت و وقار داؤ پر لگے گا، غیرت و حمیت باقی نہیں رہ جائے گی۔ اور کہیں بھی وہ سر اٹھا کے چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہ سکیں گے

کہتے ہیں کہ حاتم طائی ایک دفعہ جنگل سے گذر رہے تھے تو انہوں نے ایک نوجوان کو تیز دھوپ میں لکڑیاں کاٹتے پسینہ سے تر دیکھا ـــ حاتم طائی نے اس پریشان حال نوجوان سے کہا کہ تجھے خبر نہیں۔ آج حاتم کے دربار میں دعوتِ عام ہے۔ جا اور کھانا کھالے۔ اس غیرت مند اور خود دار نوجوان نے جواب دیا کہ اپنے ہاتھ سے حاصل کیا روٹی کا ایک ٹکڑا مجھے سخی حاتم طائی کے قیمتی اسباب خورد و نوش سے زیادہ پسند اور لذیذ ہے۔ حاتم لاجواب اور اس جفاکش نوجوان سے بہت خوش ہوا۔ کاش ملت کا ہر نوجوان ایسا ہی سوچتا، کسی کا محتاج نہ ہوتا۔ کسی کے لئے بار نہ ہوتا اور اپنے دستِ بازو پر بھروسہ کئے جائز طریقے سے معاش کی تلاش میں ہوتا۔ پھر مسلمان سب سے زیادہ "بیکار" نہ ہوتے، آج بیکاری و بے روزگاری کے سب سے زیادہ شکار مسلمان ہیں۔ اس کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہوتی اور جو نقصانات مرتب ہوتے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ اور اسے ہلاک و برباد کر کے رکھ دیتا۔ اللہ بچائے (آمین)

آج حالات بہت دِگرگوں ہیں۔ ہر کوئی اپنے میں مست الست ہے اور کسی کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ ایسے میں مسلمان اور خصوصاً مسلم نوجوان اپنا مشغلہ یہی سمجھیں کہ کہیں بیٹھ کر گپ شپ کریں، ہنسی مذاق میں لگے رہیں اور ایک دوسرے کی تضحیک کر کے طبع کی ناروا تسکین کریں۔ وہ حرکت میں آکر علم حاصل کریں۔ اور نہ ہی کسب معاش تو پھر حالت مزید خراب ہوگی، معاشی پریشانی، تنگ حالی، محتاجی و دست نگری اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں میں اور اضافہ ہوگا۔ اللہ کے رسول ؐ تنگ حال زندگی سے پناہ مانگتے تھے۔ اور ایک رسولِ خدا ہونے کے باوجود کسبِ معاش کرتے، سامان زندگی مہیا کرتے اور افراد خانہ کے حق ادا کرنے میں آپ ؐ کبھی کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سستی و کاہلی، غفلت و کوتاہی سے بچائے۔ اور کسبِ معاش کے لئے حرکت میں رہنے کی توفیق دے۔ آمین۔

• • •

باب الفتاویٰ

فتاویٰ علامہ ابن باز حفظہ اللہ

ترجمہ : مولانا عزیز الرحمن سلفی

سوال : کیا بال صفا صابن کا استعمال ایسی جگہوں پر جائز ہے جہاں کے بال دور کرنے کا حکم ہے جیسے بغل اور زیر ناف وغیرہ ؟

جواب : بغل اور زیر ناف میں بال صفا کا استعمال جائز ہے مگر زیر ناف کے لئے حلق اور بغل کے لئے بالوں کا اکھاڑنا افضل ہے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: الفطرة خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب وقلم الظفر ونتف الابط۔ اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے، استحداد کا مطلب موئے زیر ناف دور کرنے کے لئے لوہا یعنی استرا استعمال کرنا۔

سوال : کیا عورت اپنے شوہر کے اقرباء کے ساتھ سنت کے مطابق پردہ کرکے بیٹھ سکتی ہے ؟

جواب : عورت شوہر اور اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ شرعی پردہ کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے، یعنی چہرہ، بال اور جسم چھپا کر، اس لئے کہ یہ سب پردہ کرنے کی چیزیں ہیں، اور فتنہ کا سبب بھی، اور وہ بھی اس وقت جب اس طرح بیٹھنے میں کسی شک کی گنجائش نہ ہو، لیکن اگر برائی کی تہمت کا خطرہ ہو تو بالکل جائز نہیں ہے، اسی طرح گانا وغیرہ سننا اور آلات غنا کے پاس بیٹھنا بھی ناجائز ہے۔

سوال : میرے والد کار چلا رہے تھے ان کا ایک دوسری کار سے ایکسیڈینٹ ہوگیا جس کے نتیجے میں دوسری کا ڈرائیور فوت ہوگیا، پولیس والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس ایکسیڈینٹ میں پوری غلطی اسی کار کی تھی، متوفی کے اقرباء نے دیت معاف کردی اب کیا میرے والد پر کفارہ یعنی دو ماہ کا مسلسل روزہ رکھنا ہے یا نہیں ؟

جواب : اگر واقعہ آپ کے مذکورہ بیان کے مطابق ہے، تو آپ کے والدین پر کوئی کفارہ نہیں اس لئے کہ خطا پوری کی پوری دوسرے کی ہے، اس لئے آپ کے والد قاتل نہیں ہوئے۔

سوال : میں ایک آفس میں کام کرتا ہوں، بعض لوگ اپنا کام کرالینے کے بعد کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں اس لئے انھیں معلوم ہے کہ کچھ دنوں کے بعد پھران کو اس آفس میں میرے پاس آنے کی ضرورت پڑے گی، کیا میں یہ ہدیہ حسن نیتی کے ساتھ قبول کرلوں یا رشوت میں شمار ہوگا ؟

جواب : آپ یہ تحائف ہرگز نہ قبول کریں یہ سب رشوت ہے، ان کا ہدیہ ان کے معاملات کو غیروں پر مقدم کرنے پر آمادہ کرائے اور کبھی آپ کی حیا ایسا کرنے کیلئے آپ کو مجبور کرے گی، اس قسم کے ہدایا وتحائف کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ممانعت وارد ہے

سوال : بعض مضامین طالبات کو نابینا حضرات پڑھاتے ہیں کیا لڑکیوں کیلئے ان کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے ؟

جواب : نابینا آدمی کے سامنے چہرہ اور سر وغیرہ کھولنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کو طلاق کے وقت ابن ام مکتوم کے یہاں عدت گذارنے کیلئے فرمایا، اور یہ بھی کہا تھا کہ تم اپنے کپڑے اتار سکتی ہو اس لئے کہ وہ نابینا آدمی ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے، یہ روایت امام مسلم کی ہے ۔ اور صحیحین میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر ہی کی وجہ سے استئذان کا حکم ہے۔ البتہ اگر نابینا معلم محارم میں سے نہیں تو غیروں کی طرح اس کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ عورت کے ساتھ تنہائی میں رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کوئی آدمی بغیر محرم کے کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، اس حدیث کی صحت پر سب کا اتفاق ہے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان بھی ہوتا ہے (جو انھیں برائی پر آمادہ کرتا رہتا ہے) اس حدیث کو امام احمد نے حضرت عمر سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

سوال : چاشت کی نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے ؟ اس کی تحدید فرمائیں ۔

جواب : افق مشرق سے ایک نیزہ کی مقدار سورج کے اوپر آجانے کے بعد چاشت کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے اور زوال سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل ختم ہوجاتا ہے، جس وقت چاشت کی گرمی بڑھ جائے وہ وقت اس کا افضل وقت ہوتا ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوّابین یعنی چاشت کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹنیوں کے بچے گرمی محسوس کرنے لگیں، یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے، اس میں " ترمض الفصال " کا لفظ ہے جس کا یہ مطلب یہ ہے کہ اونٹ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے زمین کی گرمی تیز معلوم ہو ۔ صلاۃ الضحی (چاشت کی نماز) سنت مؤکدہ ہے، اس کی مشروعیت اور تلقین کے سلسلے میں صحیحین وغیرہ کی صحیح حدیثیں ابوھریرہ، ابوالدرداء، ابوذر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے آئی ہوئی ہیں۔

• • •

ہماری مطبوعات

نام کتاب	دعاء کے آداب واحکام
مؤلف	مولانا عزیزالرحمن سلفی، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس
صفحات	ایک سو اکتیس ۱۳۱
ناشر	ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ بنارس
ملنے کا پتہ	مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس

اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر مذہب ہے، اس کی تعلیمات زمان ومکان کی قید سے آزاد، پوری نوع انسانیت کے لئے فوز و فلاح اور کامیابی کی ضامن ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انہیں تعلیمات پر چل کر دنیا وآخرت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے، اور اپنے بعد ہونے والے مسلمانوں کے لئے ایک واضح نمونہ چھوڑ گئے، لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ اس روشن شاہراہ سے دور ہوتی گئی جس کی وجہ سے وہ اختلاف وانتشار کا شکار ہوئی اس اختلاف وانتشار کا اثر صرف ذات ہی تک محدود نہ رہا بلکہ اس کے نتیجہ میں متعدد فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے اور دین کے بہت سے اعمال واحکام میں اختلافات کی راہ کھل گئی۔

چنانچہ شریعت کے جن مسائل میں علماء دین کی آراء شروع سے مختلف ہیں اور بحث ومناقشہ کا سلسلہ جاری ہے ان میں ایک مسئلہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ اسلام میں دعا کی بہت اہمیت ہے، چنانچہ حدیث میں دعاء کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "الدعاء ھو العبادۃ"، ایک دوسری جگہ فرمایا: الدعاء مخ العبادۃ۔

لیکن اس اہمیت کے باوجود دعاء کے سلسلے میں بھی علماء امت کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی وضاحت کے لئے تحریر کی گئی ہے۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں غیر جانبداری کے ساتھ فریقین کے دلائل کا جائزہ لے کر مصنف نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور دعاء سے متعلق دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

چنانچہ ابتداء میں دعاء کے معنی بیان کئے گئے ہیں، پھر مواضع دعاء، اجابت کے مقامات اور اوقات نقل کئے گئے ہیں۔حدیث نبوی کی روشنی میں دعاء کی قبولیت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے اور دعاء کے فضائل پر مفصل بحث ہے نیز مختصراً انبیاء سابقین اور صلحاء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

مذکورہ تمہید کے بعد مصنف نے اصل مسئلہ کو شروع کیا ہے اور اس سلسلہ میں ابتداء دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے مسئلہ سے کی ہے۔ مختلف احادیث کی روشنی میں دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت پیش کیا ہے، اس مسئلے میں مصنف نے اکیس حدیثوں کو ذکر کیا ہے، ان ساری احادیث سے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، پھر نماز کے بعد ذکر و دعا کے مسئلہ پر بحث کی ہے، اور اس سلسلہ میں "دبر الصلوٰۃ" کے معنی کی وضاحت کی ہے، اور علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ کے اقوال ذکر کئے ہیں۔

دعاء میں "مطلقاً رفع یدا ور نماز کے بعد ذکر و دعاء" کے بعد مصنف نے "نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے" کے سلسلہ میں اختلافات ذکر کئے ہیں اور بڑی مفصل بحث کی ہے۔

چنانچہ مصنف لکھتے ہیں:

> "البتہ بعد الصلوٰۃ رفع ید کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء جواز کے قائل ہیں، بعض نے مستحب قرار دیا ہے اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ نماز کے بعد دعا میں رفع ید نہ تو جائز ہے اور نہ مستحب بلکہ بعض نے اسے بدعت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں۔" (ص ۴۵)

اس بحث کا آغاز جواز کے قائلین اور ان کے دلائل سے کیا ہے، اور امام نوویؒ، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ محدث کبیر علامہ عبیداللہ رحمانیؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ دیوبندی وغیرہ کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ اور فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر استحباب کے قائلین اور ان کے دلائل کا تذکرہ کیا گیا ہے، جواز اور استحباب کے قائلین کے کلام کے بعد جو لوگ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے سے منع کرتے ہیں ان کے اقوال اور دلائل بالتفصیل ذکر کئے گئے ہیں اور ائمہ کرام و محدثین عظام کے فتاوے نقل کئے گئے ہیں، جن مشہور ائمہ و محدثین کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں ان میں امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، امام عبدالرزاقؒ، امام ابن ابی شیبہ، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم، امام طیالسیؒ خاص طور پر

قابل ذکر ہیں۔ اس بحث میں "دعاء بعد الصلوٰۃ" کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے موقف کی صراحت سے وضاحت کی گئی ہے۔ موجودہ دور میں جن لوگوں نے فن حدیث میں مہارت اور اونچا مقام حاصل کیا ہے ان کے بھی اقوال ذکر کئے گئے ہیں، چنانچہ علامہ ناصر الدین البانی، شیخ ابن باز، شیخ محمد بن صالح العثیمین وغیرہم کا دعاء بعد الصلوٰۃ کے سلسلے میں کیا موقف ہے اس کو مختصرا بیان کیا گیا ہے۔

"نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کے دلائل اور ان کی اسناد کی حیثیت" کے عنوان کے تحت مصنف نے اصل بحث کو واضح کیا ہے، اور جن احادیث سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کے سلسلے میں استدلال کیا جاتا ہے ان کا علمی احتساب کیا ہے ان احادیث کی حیثیت کو واضح کیا ہے اور تقریباً نو ایسی احادیث کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے عموماً مذکورہ مسئلے میں استدلال کیا جاتا ہے، اس بحث میں خود مصنف کا رجحان واضح ہے۔ یعنی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

کتاب کے آخر میں پوری کتاب کا خلاصۂ بحث پیش کیا گیا ہے۔ خلاصۂ بحث صرف تین صفحے میں ہے لیکن حقیقت میں پوری کتاب کا نچوڑ ہے۔

"جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات" کی تصنیف اور سیرۃ البخاری (عربی) کی تحقیق وتعلیق نیز "فتح المنان بتسهيل الاتقان" کے تحشیہ وتعلیق کے بعد مصنف کی یہ ایک مزید کاوش ہے۔ کتاب کا اسلوب سنجیدہ اور متوازن ہے۔ خالص تقابلی فقہ کے انداز میں مرتب کی گئی ہے۔ مصنف اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہیں۔ اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کے منظر عام پر آنے سے اب اس مسئلہ کے بارے میں ہر فرد کے لئے صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کتاب کو قارئین کے لئے مفید بنائے اور مصنف و ناشر کو جزائے خیر دے اور مزید علمی کاموں کی توفیق بخشے۔ آمین

محفوظ الرحمٰن السلفی
جامعہ سلفیہ بنارس

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۵	مئی ۱۹۹۴ء	ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ	جلد ۱۲

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپے۔ فی پرچہ ۴ روپے

اس شمارہ میں

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے
کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

درسِ قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصغر علی السلفی

استعانت میں وسیلہ کی ضرورت

ولنبلونكم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الأموال والأنفس والثمرات و بشر الصابرين، الذين إذا أصابتهم مصيبة قالوا إنا لله وإنا إليه راجعون، أولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة وأولئك هم المهتدون ۔ (البقرہ : ۱۵۷)

(اے مومنو!) ہم تمہاری آزمائش کریں گے کچھ خوف وہراس کے ذریعے کچھ بھوک کی شدت اور اموال و جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے (لیکن ان تمام امور میں) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبر واستقامت کرنے والوں کو خوشخبری سنادیں، ایسے صابرین جن کو جب کوئی مصیبت آن پہونچتی ہے تو وہ جھٹ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ان کے اوپر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ۔

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں گذرا جو ہمیشہ یکساں حالت میں رہا ہو اور اس کو رنج وغم اور خوشی ومسرت کے لمحات سے سابقہ نہ پڑتا ہو، بلکہ زندگی معنون ہے، گردش ایام سے دوچار ہونے کا اور یہ عین فطرت اور الٰہی قانون کا عین مطلوب ہے کہ ہر انسان اور خاص طور پر مومن سرد وگرم سے دوچار ہو اور اس کی آزمائش وابتلاء ہو کہ یہی معیار کھرا و کھوٹا اور صابر وشاکر بندوں کی پہچان ہے ۔ الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا ۔

بہر حال یہ دو حالات جس سے انسان ہو کر گذرتا ہے دونوں ہی میں راہ حق سے ہٹ جانے کے خدشات زیادہ رکھتے ہیں، انسان دنیا کے مال ومنال اور عزت وجاہ اور خوشی ومسرت کے لمحات کو حاصل کر کے اس قدر مگن ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اصلیت کو فراموش کر دیتا ہے اور اپنے منعم ومحسن کا انکار کر دیتا ہے اور یہیں سے اس کی ہلاکت کا سامان بھی ہو جاتا ہے اسی لئے اس میں شکر وحمد کرنے کی تلقین کی گئی ہے ۔ دوسری حالت غم والم اور ابتلاء ومحن کی ہوتی ہے اس میں انسان دامن صبر واستقامت چھوڑ کر جادۂ حق سے برگشتہ ہو جاتا ہے گویا وہ انعام واکرام

الٰہی کا کبھی سزاوار ہی نہ تھا مصیبتوں میں گھبرا کر راہ استقامت سے ہٹ جاتا ہے اور بندۂ مؤمن کے صفت صبر سے عاری ہو جاتا ہے، حالانکہ بندۂ مؤمن حدیث رسول بموجب اس کو خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے تو شکر گذار بندہ بن کر مزید انعام واکرام کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اجر و ثواب کا مالک بن جاتا ہے، اور جب اس کو مصیبت پہونچتی ہے تو صبر کا راستہ اختیار کر کے رب کی رضامندی کو حاصل کر کے اور تقدیر الٰہی سے راضی ہو کر اجر و ثواب کا مالک بن جاتا ہے، اسی لئے ان آیات میں صابرین کو خوشخبری سنائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے طرح طرح کی آزمائشیں ہوتی رہتی ہیں، کبھی قحط و سیلاب کے ذریعہ کبھی مال و دولت میں دیوالیہ کر کے اور کبھی عزیز ترین رشتہ داروں میں سے کسی کو موت سے دوچار کر کے۔ لیکن ان تمام حالات میں مومن کو نماز و صبر کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرنے کا حکم ہے، استعینوا بالصبر والصلاۃ کا یہی مطلب ہے، اور کسی بھی امر میں استعانت کا اہم ترین وسیلہ نیک اعمال اور خاص طور پر صبر و صلاۃ ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم معاملہ اور پریشانی درپیش ہوتی تو آپ صبر و شکیبائی کے ساتھ نماز پڑھ کر مدد طلب کرتے۔

مومن کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ وہ مصائب سے گھبرائے نہیں دل کی مضبوطی سے وہ سخت سے سخت حالات و امتحان کا مردانہ وار مقابلہ کرے، اور جب بھی مصیبت پہونچے اور کچھ چھن جائے یا کھو جائے فوراً انا للہ پڑھے۔ کہ عبودیت کی اصل یہی ہے، بندہ مالک حقیقی کے ہر فیصلہ کو اپنے حق میں باعث خیر و برکت سمجھے اور اس کی راہ میں سب کچھ لٹا کر پھر سب چیز پالینے کا احساس دل میں جگائے رہے، کہ کھو کر پانے کا اس سے بہتر ذریعہ کیا ہے؟ انما یوفون الصابرون أجرھم بغیر حساب۔ کھوئی ہوئی چیزوں پر صبر کرنے والوں کو اتنا ملے گا کہ اس کا کوئی حساب وکتاب نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو ایک دعا سکھائی تھی کہ جب کسی کو مصیبت پہنچے تو وہ یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر عنایت فرمائے گا، اللھم أجرني في مصیبتي واخلفني خیرا منھا۔

حضرت ام سلمہ کے شوہر جب انتقال فرما گئے تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون اور یہ دعا پڑھی مگر دل میں یہ حقیقت دتجربہ جاگزیں تھا کہ بحکم خداوندی و حسب ارشاد نبویؐ ابو سلمہ سے بہتر کی درخواست تو کردی مگر کیا ابو سلمہ سے بھی بہتر کوئی ہو سکتا ہے مگر خود فرماتی ہیں کہ اور دنیا نے بھی دیکھا کہ صبر و شکر کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہؓ ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں میں افضل و بہتر انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی آپ کو بحیثیت خاوند و شوہر کے میسر ہوئے۔ صابرین کیلئے یہ دنیا کی عاجل برکتیں ہیں، اور آخرت میں بے انتہا اجر و ثواب۔ اللہ مہتدین کے ساتھ رکھے۔

•••

درسِ حدیث

اصغر علی السلفی

کرو مہربانی ....

عن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ بہا کربۃ من کرب یوم القیامۃ، ومن ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ۔ (البخاری، مسلم، ابوداؤد)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان آپس میں بھائی ہیں، لہذا اس پر ظلم نہ کرے نہ اس کو تباہی میں ڈالے، جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان پر سے کوئی مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر سے قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور کرے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

اس حدیث پاک میں اسلامی اخوت کی تلقین کی گئی ہے اور ہر مسلمان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا، یہ بھائی چارگی اسلام کی نظر میں بسا اوقات خونی رشتہ اور رنگ ونسل کی بنیاد پر ہونے والے بھائی چارگی اور اخوت سے بیحد پائیدار اور اہم ہے، اور اسی بنیاد پر ایک دوسرے کے عظیم حقوق اپنے بھائی کے تئیں عائد ہوتے ہیں، ان حقوق کو بدرجہ اتم ادا کئے بغیر انسان کی مسلمانی کا دعویٰ ادھورا رہتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے، اسی طرح ایک مومن کو دوسرے مومن کے تعاون اور مضبوطی کے لئے ہونا چاہئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مومنوں کی مثال ان کی آپسی دوستی اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کے مختلف اعضاء ہیں کہ جب ان میں کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس میں شریک ہو جاتا ہے نیند نہیں آتی اور بخار چڑھ جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح مومن جب ایک قالب کے مانند ہیں تو ایک دوسرے کے تعاون کے لئے ایسے ہو جائیں کہ ایک کے پاؤں کا ادنیٰ کانٹا دوسرے کے قلب وجگر میں اترتا

معلوم ہوا اور صورت حال یہ ہو تو پھر بھلا ایک بندہ مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کی برائی اور نقصان کب چاہے گا اسے کب گوارا ہوگا کہ اس کا بھائی دکھ جھیلے اور پریشانیاں اٹھائے اور یہ تو بعید ترین بات ہے کہ کوئی اپ نقصان یا تباہی وذلت چاہے، جبکہ اپنے جسم کے کسی حصے کو کسی طرح کے ضرر رساں وموذی چیز سے بچاتا ہے بلکہ سے لگے جامہ ودامن کو کانٹوں سے محفوظ رکھنے کی سعی کرتا ہے، اسی طرح سے وہ اپنے مومن بھائی کے جسم وجان کی ح کے لئے کوشاں رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اخوت وہمدردی کی ایسی دل نشیں اور بلیغ تصویر کشی کی ہے جس سے قلب مومن اپنے بھائی کے تئیں موم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی مدد اس وا خاص طور پر فرماتے ہیں بلکہ اس کی مدد میں لگے رہتے ہیں جب تک بندہ مومن اپنے بھائی کی مدد میں سرگرداں رہتا۔ یہ اتنی بڑی خوشخبری ہے اس بندہ مومن کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے لہٰذا اس کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کی مدد، ہمدردی وغم خواری کرے کہ یہی اسلامی تعلیم ہے کہ کام آ دنیا میں انسان کا انسان۔ یہ عین ممکن ہے کہ بندہ جس بھائی کی مدد میں لگا ہوا ہے وہ انجام کار کو نہ پہونچ سکے، مگ اس کے اس لگنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگے ہوئے ہیں تو اس کا کام ہو جانا عین ممکن نہیں بلکہ عین واجد ہے۔ کیونکہ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔

اسلام میں ادنی جانوروں پر رحم کرنا بے حد اجر وثواب کا کام ہے بھلا بندہ مومن جب اپنے مسلمان بھا کی کسی مصیبت میں کام آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر کس قدر اجر وثواب عطا کرے گا اس کا اندازہ مشکل ہے۔ اس حدی میں ازالہ مصیبت کا ثواب بتایا گیا ہے، دنیا کی مصیبت جو آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ بلکہ نہ کے برابر ہے اللہ تعالیٰ آخرت کے عذاب ومصیبت اور غم سے نجات بخش دے گا، بعض روایتوں میں ہے کہ دنیا وآخرت ایک ایک مصیبتیں اس سے ٹال دی جائیں گی، لیکن یہی کیا کم ہے کہ آخرت کا عذاب جو بے انتہا دردناک وا ندو ہے وہ ٹال دی جائے اس لئے ہر آدمی اپنے مال، جاہ، شورس اور جسم وجان سے جہاں تک ہو سکے مومن کا غم ہلکا کرنے اور مصیبتوں سے بچانے میں لگ جائے کہ آخرت کے غم سے نجات پائے۔ ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

افتتاحیہ

عرب پانی سازشوں کے گھیرے میں

یہ سمجھنا کہ معاہدۂ غزہ اریحا کے بعد عربوں اور صہیونیوں کے درمیان امن قائم ہوگیا اور دیرینہ عداوت کا خاتمہ ہوگیا محض ایک خیال خام ہے، بہت سے امور میں سے صرف عرب پانی ہی کا قضیہ ایسا ہے جو عرب اسرائیل کے درمیان جنگ برپا کرسکتا ہے، اس لئے کہ اس پورے علاقہ میں عرب ممالک اور اسرائیل پانی کی قلت سے دوچار ہیں اور یہ مسئلہ درحقیقت موت وحیات کا مسئلہ ہے، اس قضیہ سے متعلق عرب لیگ کی ایک رپورٹ کویت کے مشہور مجلہ المجتمع کے ستمبر ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی جس میں قضیۂ آب کے مختلف پہلوؤں کے ذکر کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صہیونی عرب پانی کی چوری کس طرح کر رہے ہیں، رپورٹ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اسرائیل امریکہ کے ساتھ اتحاد کو مضبوط کرتے ہوئے پانی کی مزید چوریوں کے لئے باضابطہ منصوبے رکھتا ہے، اور عرب ملکوں میں بہنے والے دریاؤں جیسے دریائے نیل اور دجلہ وفرات کے منبع پر بھی غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے، عرب پانی کا قضیہ دور حاضر اور مستقبل میں بہت سے اقتصادی، سیاسی اور قانونی پہلوؤں کا حامل ہے، موجودہ وقت میں پوری دنیا میں آب وہوا کے تغیرات رونما ہو رہے ہیں اور شرق اوسط میں خشک سالی اور صحرا کے پھیلنے بڑھنے کی صورت درپیش ہے جو مستقبل میں اقتصادی اور سیاسی معیار پر کشمکش کی اصل محرک ہوگی۔ رپورٹ میں دانشوروں کی رائے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ قضیہ آب اسرائیل کی نظر میں قیام امن کا بنیادی مسئلہ ہے، اور اسرائیل اور اس کے عرب پڑوسیوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے معاہدوں پر نہ صرف اسرائیل بلکہ امریکہ اور یورپی ممالک بھی غایت درجہ زور دے رہے ہیں، اور اس سلسلہ میں اسرائیلی اور امریکی موقف میں کامل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ موجودہ وقت میں اسرائیل جن آبی وسائل پر قابض ہے ان پر اپنا قبضہ باقی رکھنے کے ساتھ ساتھ مزید آبی وسائل خصوصیت سے جنوبی لبنان کے خطہ میں واقع آبی وسائل پر قبضہ وغلبہ کا بھی حریص ہے، اور ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اسرائیل اپنے غاصبانہ قبضہ کو قانونی شکل دینے کے عمل کو بھی برابر جاری رکھے ہوئے ہے، شرق

کے قضیہ آب کے متعلق صدر بش کے مشیر کے ایک بیان کا حوالہ رپورٹ میں یوں مذکور ہے کہ " پانی کا قضیہ جنگ اور امن کا قضیہ ہے، اور اس منطقہ کے بعض ممالک کی بقا کا مسئلہ ہے، اور پانی کی قلت ہی حقیقی مسئلہ ہے یہ مسئلہ سرحدی نزاعات، سیاسی اقدامات اور امن وسلامتی کے انتظامات سے بہت زیادہ اہم ہے، اسی بنا پر امریکی انتظامیہ اس بات کا اشارہ دیتی رہتی ہے کہ وہ اسرائیل پر عرب زمینوں کے خالی کرنے کے لئے دباؤ ڈالنے کو اس مسئلہ سے مربوط سمجھتی ہے کہ عرب ممالک قضیہ آب پر اسرائیل کے ساتھ گفتگو کریں۔

رپورٹ میں بعض تحقیقاتی اداروں کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ اس دہائی کے ختم ہونے سے پہلے اس خطہ کو پانی سے محرومی کے مسئلہ سے سابقہ پڑ سکتا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ علاقائی اور قومی پیمانے پر عرب پلاننگ کی جائے نئے آبی وسائل کی دریافت کی جائے، سطحی آبی وسائل اور اندرونی آبی وسائل میں تکامل کی رعایت کرتے ہوئے موجودہ آبی وسائل میں اضافہ کی کوشش کی جائے اور اس کے طرق استعمال اور اس سے نفع اندوزی کو بہتر بنایا جائے، وطن عربی کا بڑا حصہ خشک علاقہ ہے جس کی وجہ سے آبی وسائل قلیل ومحدود ہیں، اگر ان کے اضافہ کے منصوبوں کا اہتمام نہ کیا گیا تو انہیں خشک کیا جا سکتا ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل کے قیام اور نئے مہاجر یہودیوں کو آباد کرنے کے لئے مزید کالونیوں کی تعمیر کے لئے عرب سرزمین اور اس کے آبی وسائل پر اسرائیل کے قبضہ وغلبہ سے پہلے عرب علاقہ کو کبھی پانی کے مشکل مسئلہ کا سامنا نہیں ہوا، لیکن موجودہ وقت میں اور بعض خارجی عوامل کے ذریعہ بعض غیر عرب حلقے عرب آبی وسائل کو خشک کر دینے اور پانی کے حقیقی مشکل مسائل پیدا کرنے کے لئے مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں، اور یہ بات دریائے فرات کے بحری پر "سدا تاترک" اور دریائے دجلہ کے معاون چشموں پر متعدد ڈیم کی تعمیر کے لئے ترکی کے اقدام، نیز پڑوسی ملکوں کے مصالح کے حساب پر دونوں دریاؤں کے پانی کی کمیت پر اس کے من مانے تصرف کی شکل میں سامنے آئی ہے، اسی طرح یہ حلقے نیل ازرق پر بند تعمیر کرنے کیلئے ایتھوپیا پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں، پھر اس کے ذریعہ مصر اور سوڈان میں پانی کی کمیت کے تعلق سے مسائل پیدا کرنا چاہتے ہیں، بہت سے تحقیقی مراکز اور عالمی تحقیقی اداروں سے پانچ سال سے مؤتمرات کے انعقاد اور تحقیقات کے ذریعہ آگاہ کیا جا رہا ہے کہ موجودہ دہائی اس خطہ کے لئے پانی کے تعلق سے نہایت مشکلات پیدا کرے گی۔ واشنگٹن ۱۹۸۸ء میں " مرکز الدراسات الاستراتیجیۃ والدولیۃ " نے ایک کتاب " سیاسۃ ندرۃ المیاہ للشرق الاوسط " کے نام سے شائع کیا ہے، اس میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ شرق اوسط پانی کے

شکل مسئلہ کے سبب تباہی کے دہانہ پر کھڑا ہے، یہ مسئلہ اس خطہ میں بنیادی سیاسی ہتھیار کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

رپورٹ میں جنوب مشرقی ایشیائے کوچک کے جاپ "GOP" نام کے منصوبہ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جو اکیس ڈیم کی تعمیر کے ذریعہ آب پاشی اور بجلی پیدا کرنے کے تیرہ اساسی پروجیکٹوں پر مشتمل ہے، ان بندوں میں سترہ ڈیم دریائے فرات پر اور چار ڈیم دریائے دجلہ پر ہوں گے جس کا صرفہ بیس ملیار ڈالر ہو گا، اور یہ بات منصوبہ میں شامل ہے کہ سنہ ۲۰۰۵ء میں اس کی تکمیل ہو جائے گی، یہ پروجیکٹ اگرچہ ترکی کی اقتصادیات کے لئے بہت بڑا معاون ہے، مگر اس کو ان خطرات میں شمار کیا جاتا ہے جو عرب کے آبی وسائل کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں، نیز پڑوس کی دیگر مملکتوں کے لئے بھی، اس سے متعلق جو کمتر بات کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ پروجیکٹ ترکی اور اس کے عرب پڑوسیوں کے درمیان ہونے والے معاہدوں کے بالکل خلاف ہے، اور تمام بین الاقوامی قانون کے جملہ احکام و مبادی کو جو مشترک دریاؤں سے متعلق بین الاقوامی قوانین کے اداروں نے وضع کئے ہیں نظر انداز کر دیتا ہے۔

رپورٹ میں مذکور ہے کہ عرب پانی پر غلبہ سے متعلق صہیونی منصوبے عرب قومی امن کے لئے جاپ پروجیکٹ سے کم خطرناک نہیں ہیں، صہیونی منصوبے میں مزید مہاجر یہودیوں کو اسرائیل میں بسانا، ان کی ضرورت کا پانی مہیا کرنا اردن میں دریائے اردن اور دریائے یرموک اور جنوبی لبنان میں دریائے "لیطانی" کے پانی کے بڑے حصے پر قبضہ و غلبہ کے لئے اسرائیل کا اقدام کرنا شامل ہے۔ عرب شامی علاقہ جولان میں اسرائیل کا پانی سے متعلق اہتمام دریائے اردن اور دریائے یرموک پر مرکوز ہے، اسی طرح چشمۂ بانیاس پر بھی جو دریائے اردن کا معاون ہے، دریائے یرموک شام سے نکلتا ہے اور اس ملک میں بہتا ہوا اس نقطہ تک پہونچتا ہے جہاں شامی فلسطینی اردنی سرحدیں ملتی ہیں، اسرائیل اس کا بیس فیصد پانی غصب کرتا ہے کیونکہ اس دریا کے بحری کے چھ کلو میٹر حصہ پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ہے، جہاں تک دریائے یرموک کے پانی کا سوال ہے تو شام اردن کے مشترک ڈیم "سد الوحدۃ" کے پروجیکٹ کی تکمیل میں اسرائیل نے بین الاقوامی بینک میں اپنے اثر و نفوذ کی بنا پر رکاوٹ ڈال دی ہے اور اس دریا کے پانی سے سالانہ بیس فیصد حصے کا مطالبہ کیا ہے۔

رپورٹ میں باوثوق طور پر کہا گیا ہے کہ موجودہ وقت میں اسرائیل کا ۶۷ فیصد پانی کا صرفہ عرب سرزمین کے آبی وسائل سے غلبہ وغصب کے ذریعہ ہوتا ہے جن پر اس نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کیا تھا اس صرفہ کا ۳۵ فیصد غربی کنارہ کے پانی سے اور ۲۲ فیصد شام کے جولان علاقہ سے اور ۱۰ فیصد جنوبی لبنان سے حاصل کرتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسرائیل "قضیہ آب" کو اپنی حکومت کے قومی امن کے حصول کے وسیلہ کے طور پر استعمال کر رہا ہے اس کے نتیجہ میں وہ اردن اور لبنان میں اپنے سے قریب عرب دریاؤں کے پانی کی مزید سے مزید تر مقدار پر غلبہ کی سعی کرتا رہے گا، جس کے سبب عرب قوم کے اہم حیاتیاتی وسائل کو خشک کر دینے اور اس کے خلاف ظلم وعدوان کا سلسلہ جاری رہے گا، ماہرین کا اشارہ ہے کہ جولان اور جنوبی لبنان پر اسرائیلی ترکیز اس حکیمانہ ہدف کے حصول کے لئے ہے کہ دریائے اردن کے پانی کی تقسیم اور اس کے اپنی سمت پھیر لینے کے بعد سرکاری معاہدوں کے ذریعہ شامیوں اور لبنانیوں کے پانی کی تقسیم کا مقصد حاصل کیا جائے۔ ماہرین نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ اگر اسرائیل عربوں کے ساتھ امن گفتگو میں کامیابی حاصل کر لے گیا، تو یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اسرائیلی منصوبہ میں پانی کی تقسیم امن کے قیام کی کارروائی کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اور اگر اپنی شرائط کے مطابق اسرائیل امن وسلامتی کے حصول میں کامیاب نہ ہوا تو یہ پانچویں جنگ کے آغاز کے لئے ایٹم بم کی حیثیت رکھتا ہے۔

عرب قضیہ آب سے متعلق عرب لیگ کی رپورٹ نہایت اہم اور دھماکہ خیز حقائق کی حامل ہے، اس کے پیش نظر بہت ضروری ہے کہ عرب ممالک اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے آنے والے اس عظیم خطرہ کے مقابلہ کے لئے خود کو تیار کر لیں ورنہ عربوں کے ضعف واضمحلال کے اس مرحلہ میں امریکی دباؤ اور اسرائیلی چیلنجوں کا سیل رواں سب کچھ بہالے جائے گا۔

امتِ مسلمہ کے وزن اور وقار کا مسئلہ

از ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری
ریکٹر جامعہ سلفیہ، بنارس

موجودہ دور میں ہمارے ملک میں اور اسی طرح دنیا کے مختلف حصوں میں امت مسلمہ کو انسانیت دشمن عناصر کی طرف سے ظلم وجور کا نشانہ بنایا جارہا ہے، اور ذہنی وجسمانی طور پر طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائی جارہی ہے کہیں کہیں یہ سلسلہ اتنا طویل ہے کہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا انسان وحشت وبربریت اور انارکی ولاقانونیت کے قدیم واولین دور کی طرف تو نہیں لوٹ رہا ہے! مسلمانوں کے خلاف مختلف حصوں میں جو موقف اختیار کیا گیا ہے اس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ انہیں مشق ستم بنانے والے افراد اور جماعتیں ہر طرح کی قانونی واخلاقی پابندی سے آزاد اور خود مسلمانوں کی طرف سے کسی سخت ردعمل اور برابر کے جواب سے بے خوف ہیں، اور انہیں یہ یقین ہے کہ مسلم قوم کے خلاف ظلم وجارحیت کا کوئی نقصان دہ نتیجہ سامنے نہیں آئے گا۔

بدطینت ظالموں کے اندر انجام سے بے خوفی کی ایک وجہ تو ان کی جفا شعار طبیعت اور جارحیت پسند مزاج ہے، یعنی یہ جب تک ظلم وجور نہ کریں ان کو سکون حاصل نہ ہوگا، لیکن انجام سے بے خوفی کی ایک وجہ مسلم قوم کی اسلام سے دوری، کردار کا افلاس اور باہمی افتراق وانتشار اور جدال وقتال بھی ہے، ہمارے مخالف آنکھ پسارے دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان شریعت سے دور ہے، اسلامی اخوت وتعاون سے بیگانہ ہے اور اسے اس کی عزت وسربلندی اور قوت وطاقت کے لئے جو سبق پڑھایا گیا تھا اس سے دانستہ طور پر منحرف ہے۔
اسی صورت حال کی وجہ سے مخالفین مسلمانوں کی طرف سے کسی ردعمل سے پوری طرح مامون ہوکر ان کے خلاف ظلم وجارحیت پر آمادہ ہیں، مثال کے طور پر الجزائر، افغانستان اور پاکستان کی صورتِ حال کو سامنے رکھئے اور پھر اندازہ لگائیے کہ جب امت مسلمہ دنیا کے سامنے ایسا کردار پیش کرے گی تو اس کا وزن کیسے

قائم ہوگا، اور اس کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے والے کچھ سوچنے پر کیسے مجبور ہوں گے؟

مذکورہ ممالک میں مسلمانوں کے کردار پر کچھ عرض کرنے سے پہلے قرآن کریم اور حدیث شریف کی چند بنیادی باتیں پیش کرتا ہوں جن کا موضوع سے براہ راست تعلق ہے۔

انسانی معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں اسلام کا یہ معجزہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے مابین ایمانی اخوت اور اسلامی بھائی چارے کا ایک اٹوٹ رشتہ قائم کردیا جس سے بڑے بڑے کارنامے انجام پائے اور باہمی عداوت ودشمنی سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان سے انسانی معاشرہ کو نجات ملی، اسلام نے انسانوں کو باہم جوڑنے کے سلسلہ میں انسانی اخوت کی تعلیم دی، اور مسلمانوں کے مابین اتحاد کے لئے دینی اخوت کا سبق سکھایا، دینی اخوت کے سلسلہ میں درج ذیل آیات پر غور فرمائیے:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ (اہل ایمان سب بھائی بند ہیں، پس تم لوگ اپنے بھائیوں میں اصلاح کردیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) الحجرات، آیت ۱۰

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ترجمہ (مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں، اور زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں، انہی پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے) التوبہ آیت ۷۱

ملک میں امت مسلمہ کے خلاف ظلم وجارحیت کا جو سلسلہ اس وقت شروع ہوا ہے، اس کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کے ذہن میں جو تدبیریں آرہی ہیں ان میں سب سے پہلی تدبیر یہ ہے کہ وہ متحد ہوجائیں، اور باہمی اتحاد وتعاون سے جارحیت وفرقہ پرستی کا قلع قمع کریں۔

یہ تدبیر اس قدر صائب اور ضروری ہے کہ اس کے خلاف کوئی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا، لیکن ہم اس کے حصول کی راہ پر غور نہیں کرتے، باہمی اتحاد دلوں اور نیتوں کی صفائی کے بغیر ممکن نہیں، اور دلوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہی جب چاہتا ہے دلوں کو باہم متنفر کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان میں الفت ومحبت پیدا کردیتا ہے، اس لئے اتفاق واتحاد کے حصول کے لئے اسلامی شریعت پر عمل اور اللہ تعالیٰ کی طرف انابت ورجوع کی ضرورت ہے، دین سے دور رہ کر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے ہم باہمی اتحاد قائم نہیں کرسکتے۔ اس سلسلہ میں ذیل کی آیتوں پر غور فرمائیے:

ارشاد ہے : ترجمہ (اسی نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی ہے، اگر تو زمین کا کل مال بھی خرچ کر دیتا تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتا، لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈالی ہے، بے شک وہ غالب اور بڑا باحکمت ہے) الانفال آیت ۶۳ -

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ترجمہ (اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اپنے حال پر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی پس تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اس نے تم کو اس سے بچایا اسی طرح اللہ احکام بیان کرتا رہے گا تاکہ تم راہ پاؤ۔) آل عمران ۱۰۳ -

مسلمانوں کے باہمی اتحاد و تعاون کی اہمیت و افادیت پر قرآن کریم کا بیان آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اب اس فرمان نبویؐ پر غور کیجیے جس میں ایک محسوس مثال کے ذریعہ اس اتحاد و تعاون کی ضرورت کو اجاگر کیا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ : باہمی الفت و محبت اور رحم و شفقت میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم جیسی ہے، جب جسم کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو تمام اعضاء اس کی ٹیس محسوس کرتے ہیں، اور انسان کے لئے آرام و نیند حرام ہو جاتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

مسلمانوں کے مابین باہمی اتحاد و تعاون کی جو تصویر قرآن کریم اور حدیث شریف کے مذکورہ بالا بیان میں پیش کی گئی ہے اس کو سامنے رکھ کر ایک نظر ان واقعات پر ڈالئے جن سے اس وقت افغانستان دوچار ہے ۔

افغان مجاہدین کی مختلف جماعتوں نے ساتھ مل کر روسی سامراج کو شکست دی، اور اس جنگ میں غیر معمولی قربانی پیش کی، مختلف ملکوں نے اس جنگ میں مجاہدین کا ساتھ دیا تاکہ افغان عوام کو آزادی و خود مختاری کا ان کا حق مل سکے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ روسی فوجوں کے افغانستان سے انخلاء کے بعد جب ملک کی تعمیر نو کا مرحلہ سامنے آیا تو اسلامی شریعت و حکومت کا نام لینے والے یہی مجاہدین آپس میں برسر پیکار ہو گئے، اور کابل پر ان کے حملوں میں اتنی شدت پیدا ہو گئی کہ مختلف ممالک کے سفارتخانے بند ہونے لگے، اور دارالحکومت کے باشندے اپنا شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ۔

جن مسلم ممالک نے اپنی دولت اور اپنے افراد کے ذریعہ مجاہدین کی مدد کی تھی اور ملک کو کمیونسٹ فوجوں سے آزاد کرانے کے لئے قربانی دی تھی وہ آج افسوس کہ افغان مجاہدین کی باہمی قتل و خونریزی کا اندوہناک منظر دیکھ رہے ہیں، مجاہدین جب ان ملکوں سے تعاون کی درخواست کرتے تھے تو اسلامی شریعت کے نفاذ اور ملک کی آزادی کی

بات کرتے تھے، لیکن جب اقتدار کی کرسی سامنے آئی تو تمام اسلامی احکام پس پشت ڈال دیئے گئے، اور سب کی آرزوؤں کو خاک میں ملادیا گیا۔ افغان مجاہدین کی اس ناعاقبت اندیشی وخونریزی سے غیر مسلم افراد اور ممالک جو تاثر لیں گے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح کا ایک دوسرا افسوسناک واقعہ ان بہاری مسلمانوں کی پاکستان میں آبادکاری کا ہے جو سنہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد سے اب تک خیموں میں پناہ گزین کی حیثیت سے زندگی گذار رہے تھے اور جنہیں اصولی طور پر پاکستان جانا تھا۔ طویل عرصہ کے بعد جب یہ بہاری مسلمان پاکستان جاکر آباد ہونے لگے تو پاکستان کے صوبہ سندھ میں پاکستانی مسلمانوں نے اس آبادکاری کی شدید مخالفت کی، اور یہ مطالبہ کیا کہ ان کو پاکستان کے بجائے کسی اور ملک میں بسایا جائے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ پاکستان کا وجود اسلام کے نام پر ہوا تھا لیکن آج ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، جبکہ عصر نبوی کے اسلام کی تاریخ ہمارے سامنے یہ مثال پیش کرتی ہے کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے جب مسلمان مدینہ منورہ پہونچے تو وہاں کے مسلمانوں نے غیر معمولی جوش وہمدردی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور ان کی آبادکاری کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کی۔ مذہبی بنیاد پر پاکستان کے قیام کا پس منظر سامنے رکھتے ہوئے بہاری مسلمانوں کی حالت زار پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا کہ مسلمان کس طرح اسلام کی صحیح وسچی تعلیم کو فراموش کرکے حرص وہوس کے پھندے میں گرفتار ہوچکا ہے۔ ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں ملت کو غیر معمولی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن افسوس کی بات ہے کہ تقسیم کے بعد بھی ملت کے اصولوں ہی کو نشانہ بنایا جارہا ہے، جب کہ اسی ملت کے تحفظ کے نام پر پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔

اسلامی اتحاد واخوت کی پامالی کا ایک بھیانک کھیل آج کل شمالی افریقہ کے ایک ملک الجزائر میں بھی کھیلا جارہا ہے، یہاں کے ارباب اقتدار نے کچھ عرصہ قبل جمہوریت کی بحالی کے نام پر انتخاب کرایا لیکن جب اسلام پسند محاذ کی کامیابی کے آثار نظر آنے لگے تو انتخاب ملتوی کرکے مذکورہ محاذ کی پابندی عائد کردی اور ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کردیا۔ اس دوران حکومت اور محاذ کے سیکڑوں افراد کا قتل ہوچکا ہے، ہنگامی حالات میں غیر معینہ مدت کے لئے توسیع کردی گئی ہے اور باہمی کشمکش کا سلسلہ جاری ہے، فوجی حکومت اور عوام دونوں اسلام کے دعویدار ہیں، اور ہر ایک اپنے آپ کو منصف وحق پرست مانتا ہے، لیکن امن وسکون اور آزادی واستقرار کا دور دور پتہ نہیں۔

یہ تین ممالک کی تین تصویریں ہیں، ایسی تصویریں دیگر علاقوں میں بھی موجود ہیں، اب اس پس منظر میں آئیں

سوچنا چاہیے کہ دوسروں پر ہمارا وزن کیسے قائم ہوگا، اور کس طرح دنیا ہم سے کوئی اچھا سبق سیکھے گی ؟ جب ہمارے ہاتھ خود ہمارے بھائیوں کے خون سے رنگین ہیں تو غیروں کی نظر میں اس خون کی کیا حرمت وعزت ہوگی ! اگر مسلم ممالک باہمی اتحاد و یکجہتی کا نمونہ پیش کرتے تو دوسری قوموں کے لئے یہ ایک درس ہوتا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوتیں کہ اس قوم کے حقوق کی پامالی کوئی آسان کام نہیں۔ اسلامی احکام کی اتنی صریح خلاف ورزی خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے اسی لئے ہماری حیثیت خس وخاشاک جیسی ہوگئی ہے، ہوا کا کوئی معمولی جھونکا اور پانی کی ہلکی دھار بھی ہمیں ادھر ادھر پھینک دیتی ہے اور ہم کسی طرح کا کوئی احتجاج بھی نہیں کرپاتے۔ جس مسلمان نے دنیا کو عدل وانصاف اور تہذیب وتمدن کا درس دیا ہے آج کی دنیا اسی مسلمان کی تلاش میں ہے :

دہر میں جس نے کیا رائج اخوت کا نظام — جانبِ دشمن بڑھائے دوستی کو جس نے ہات
جس نے ہر کج رَو تمدن کو دکھایا راستہ — جس نے ہر تہذیب کو بخشے کریمانہ صفات

یہ جہانِ نور وظلمت منتظر ہے دیر سے
کب اٹھے گا خواب سے وہ آدمِ یزداں صفات

ضروری اعلان

شیخ الحدیث علامہ عُبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ تالیف
"مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح" کی متعدد جلدوں پر میرے مقالات بعنوان "مرعاة المفاتیح میری نظر میں" ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۴ء کے اخبار اہلحدیث دھلی اور الہدیٰ دربھنگہ میں شائع ہوئے ہیں، جن حضرات کے پاس یہ مقالے ہوں از راہ کرم ان کی فوٹو کاپی درج ذیل پتہ پر ارسال فرمادیں ہم بہت ممنون ہونگے، فوٹو وغیرہ کے اخراجات مکمل ادا کردیئے جائیں گے۔

پتہ

(مولانا) محمد رئیس ندوی، معرفت دفتر ماہنامہ محدث بی ۱/۱۸ جی ریوڑی تالاب بنارس ۲۲۱۰۱۰

حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ ایک مظلوم صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ازقلم: غازی عزیر، ص ب: ۲۰۰۸۷، الخبر ۳۱۹۵۲ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومنهم من عاهد الله لئن اٰتٰنا من فضله لنصّدّقنّ ولنكوننّ من الصالحين، فلمّآ اٰتٰهم من فضله بخلوا به وتولّوا وّهم معرضون، فاعقبهم نفاقا في قلوبهم إلى يوم يلقونه بما اخلفوا الله ما وعدوه وبما كانوا يكذبون۔ [1]

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال عطا فرمائے گا تو ہم صدقہ خیرات کریں گے، اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں مال عطا فرمایا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور روگردانی کرکے پھر بیٹھے، اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، اللہ سے ملنے کے دن تک کیونکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کے خلاف کیا اور جھوٹ بولتے رہے۔

سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیات کے اسباب نزول کے متعلق اکثر مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، اس بارے میں جو واقعہ بہت مشہور ہے اور جسے ہمارے اکثر علماء وخطباء زکوٰۃ وصدقات کی اہمیت کے متعلق اپنی تقریروں اور خطاب میں برملا ذکر کرتے سنائی دیتے ہیں، مختلف کتب حدیث وتفسیر

[1] سورہ التوبہ: ۷۵ تا ۷۷

میں معمولی لفظی کمی وبیشی کے ساتھ کچھ اس طرح وارد ہے :

أن ثعلبة بن حاطب أتى رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فقال يا رسول الله : ادع الله أن
يرزقني مالا ، قال فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم : ويحك
يا ثعلبة قليل تؤدي شكره خير
من كثير لا تطيقه ، قال ثم
قال مرة أخرى فقال ؛ أما ترضى
أن تكون مثل نبي الله ؟ فوالذي
نفسي بيده لو شئت أن تسير
الجبال معي ذهبا وفضة لسارت
قال والذي بعثك بالحق لئن
دعوت الله فرزقني مالا لأعطين
كل ذي حق حقه ، فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم :
اللهم ارزق ثعلبة مالا ، قال
فاتخذ غنما فنمت كما ينمي الدود
فضاقت عليه المدينة فتنحى
عنها فنزل واديا من أوديتها
حتى جعل يصلي الظهر والعصر
في جماعة ويترك ما سواهما،

ثعلبہ بن حاطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا : یا رسول
اللہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے خوب مال عطا
فرمائے ، آپ نے فرمایا : اے ثعلبہ وہ تھوڑا مال
جس کا شکر ادا کیا جائے اس کثیر مال سے بہتر ہے
جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو ، اس نے پھر درخواست
کی تو آپ نے سمجھایا : کیا تو یہ پسند نہیں کرتا کہ تو اللہ
کے نبی کی طرح ہو جائے ، قسم ہے اس کی جس کے
قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو پہاڑ
سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ ساتھ چلتے ،
اس نے عرض کیا : اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق
دے کر بھیجا ہے ، اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں
پھر وہ مجھے مال عطا فرمائے تو میں ہر حق دار کا حق
پورے پورے طور پر ادا کروں گا ، پس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی : اے اللہ ! ثعلبہ
کو مال عطا فرما ، اس نے ایک بکری خریدی جس میں
اس تیز رفتار سے زیادتی ہوئی جیسے کیڑے مکوڑے
بڑھ رہے ہوں یہاں تک کہ مدینہ منورہ اس کے
جانوروں کے لیئے تنگ ہو گیا تو اس نے مدینہ چھوڑ
دیا اور اس کی ایک وادی میں جا بسا ، ظہر وعصر
کی نمازیں باجماعت پڑھتا تھا مگر اسے دوسری

ثم نمت وكثرت فتنحى حتى ترك
الصلوات إلا الجمعة وهي تنمى
كما ينمي الدود حتى ترك الجمعة
فطفق يلتقي الركبان يوم الجمعة
ليسألهم عن الأخبار فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم: ما
فعل ثعلبة؟ فقالوا يا رسول الله
اتخذ غنما فضاقت عليه المدينة
فأخبروه بأمره فقال يا ويح ثعلبة
يا ويح ثعلبة وأنزل الله جل
ثناؤه (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً)[1]
الآية، نزلت فرائض الصدقة
فبعث رسول الله صلى الله عليه
وسلم رجلين على الصدقة من
المسلمين رجلا من جهينة ورجل
من سليم وكتب لهما كيف يأخذا
الصدقة من المسلمين وقال
لهما: مرا بثعلبة وبفلان - رجل من
بني سليم فخذا صدقاتهما، فخرجا
حتى أتيا ثعلبة فسألاه الصدقة

نمازیں جماعت سے نہیں ملتی تھیں، پھر ان
جانوروں میں اور اضافہ ہوا تو اسے مزید دور
جانا پڑا، اب سوائے جمعہ کے اور سب نمازیں
باجماعت اس سے چھوٹ گئیں، پھر ان جانوروں
میں کیڑوں مکوڑوں کی طرح مزید اضافہ ہوا
یہاں تک کہ جمعہ کا آنا بھی اس نے چھوڑ دیا،
آنے جانے والے سواروں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ
جمعہ کے دن کیا بیان ہوا؟ ایک مرتبہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دریافت
کیا تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس نے
بکری کا کاروبار کیا، پس مدینہ منورہ کی زمین
اس پر تنگ ہو گئی، اور پھر اس کا پورا حال
بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا: ثعلبہ پر افسوس
ہے، ثعلبہ پر افسوس ہے۔ ادھر اللہ عز وجل نے
یہ آیت نازل فرمائی (ان کے مالوں میں سے صدقہ
لیجئے) اور صدقہ کے احکام و فرائض بھی بیان
ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو
شخصوں کو مسلمانوں سے صدقہ کی وصولیابی کے
لئے روانہ کیا، ان میں ایک شخص قبیلہ جُہینہ
کا تھا اور دوسرا قبیلہ سُلیم کا، آپ نے ان دونوں

---

[1] سورہ التوبہ: ۱۰۳

وأقرأه كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما هذه إلا جزية ما هذه إلا أخت الجزية ما أدري هذا، انطلقا حتى تفرغا ثم عودا إليّ فانطلقا وسمع بهما السلمي فنظر إلى خيار أسنان إبله فعزلها للصدقة ثم استقبلهما بها فلما رأوها قالوا ما يجب عليك هذا وما نريد أن نأخذ هذا منك، فقال بلى فخذوها فإن نفسي بذلك طيبة وإنما هي له، فأخذوها منه ومرا على الناس فأخذا الصدقات ثم رجعا إلى ثعلبة فقال: أروني كتابكما فقرأه فقال ما هذه إلا جزية ما هذه إلا أخت الجزية انطلقا حتى أرى رأي فانطلقا حتى أتيا النبي صلى الله عليه وسلم فلما رآهما قال: يا ويح ثعلبة قبل أن يكلمهما ودعا للسلمي بالبركة فأخبراه بالذي صنع ثعلبة والذي صنع السلمي، فأنزل الله عز وجل (وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ) الآية، قال و عند رسول الله صلى الله عليه وسلم

کو مسلمانوں سے صدقہ وصول کرنے کی کیفیت لکھوا کر دی اور حکم دیا کہ ثعلبہ اور بنی سُلیم کے فلاں شخص کے پاس جانا ہے ان سے صدقے لے آنا، وہ دونوں روانہ ہوئے اور ثعلبہ کے پاس پہونچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس کو پڑھ کر سنایا اور صدقہ طلب کیا تو اس نے کہا یہ تو جزیہ ہوگیا، واہ یہ تو جزیے کی بہن ہے، میں اس کو نہیں جانتا کہ کیا ہے؟ اچھا تم اب تو جاؤ اور فارغ ہو کر جب لوٹو تو میرے پاس آنا پس وہ دونوں چلے گئے، دوسرا شخص جو سلمی تھا اس نے ان دونوں قاصدوں کا استقبال کیا، جب ان قاصدوں کے متعلق سنا تو اپنے مویشی اونٹوں میں سے بہترین جانور خود صدقہ کے لئے نکالے اور ان جانوروں کے ساتھ ان قاصدوں کا استقبال کیا، جب ان قاصدوں نے ان جانوروں کو دیکھا تو کہا ان عمدہ جانوروں کا دینا نہ تجھ پر واجب ہے اور نہ ہم تجھ سے ان کو لینا چاہتے ہیں، اس نے کہا، ان کو قبول کرلیں، کیونکہ میں خواہش سے یہی جانور پیش کرنا چاہتا ہوں، بالآخر ان قاصدوں نے وہ جانور قبول کرلئے اور دوسرے لوگوں کے پاس گئے اور ان سے صدقات لیکر جب ثعلبہ کے پاس لوٹے تو اس نے کہا تم مجھے اپنا وہ خط تو دکھاؤ، پس اسے پڑھ کر اس نے کہا یہ تو سراسر

رجل من أقارب ثعلبة فسمع
ذلك فخرج حتى أتاه فقال:
ويحك ياثعلبة قد أنزل
الله فيك كذا وكذا فخرج
ثعلبة حتى أتى النبي صلى الله
عليه وسلم فسأله أن يقبل
منه صدقته فقال: إن
الله منعني أن أقبل منك
صدقتك، فجعل
يحثو على رأسه التراب
فقال له رسول الله صلى
الله عليه وسلم هذا عملك
قد أمرتك فلم تطعني
فلما أبى رسول الله صلى
الله عليه وسلم أن يقبض
صدقته رجع إلى منزله
نقبض رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم ولم يقبل منه
شيئا، ثم أتى أبا بكر رضي الله
عنه حين استخلف فقال
قد علمت منزلتي من رسول
الله وموضعي من الأنصار

جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے، اچھا تم جاؤ تاکہ
میں اچھی طرح سوچ سمجھ لوں، وہ دونوں چلے گئے حتی
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہونچے، جب آپ نے
ان دونوں کو دیکھا تو ان کے کچھ کہنے سے قبل فرمایا: ثعلبہ
پر افسوس ہے اور سلمی کے لئے برکت کی دعا کی، اب انہوں
نے ثعلبہ اور سلمی دونوں کا واقعہ بیان کیا، پس اللہ تعالیٰ نے
یہ آیت نازل فرمائی (ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد
کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال عطا کریگا تو ہم صدقہ
خیرات کرینگے) اس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس ثعلبہ کا ایک رشتہ دار بھی تھا جب اس نے
یہ سنا تو فورا سفر کرکے ثعلبہ کے پاس پہونچا اور کہا:
ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے، اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق یہ آیت
نازل فرمائی ہے، یہ سن کر ثعلبہ روانہ ہوا حتی کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے حضور میں پہونچا اور عرض کیا کہ اس سے
اسکا صدقہ قبول کیا جائے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے
مجھے تم سے تمہارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے پس وہ
اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
یہ تو تیرا عمل ہے، میں نے تو تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے اطاعت نہ کی
جب ناامید ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکا صدقہ قبول
فرمائیں گے تو اپنی منزل کو ناکام واپس لوٹ گیا، پھر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی، اور آپ نے اس کی کوئی چیز قبول
نہ فرمائی، پھر جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنے تو ثعلبہ انکی خدمت میں

فأقبل صدقتي فقال أبوبكر لم يقبلها منك رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي أن يقبلها فقبض أبوبكر ولم يقبلها، فلما ولي عمر رضی اللہ عنه أتاه فقال: يا أمير المؤمنين أقبل صدقتي فقال لم يقبلها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبوبكر وأنا أقبلها منك؟ فقبض ولم يقبلها، فلما ولي عثمان رضی الله عنه أتاه فقال: أقبل صدقتي فقال لم يقبلها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبوبكر ولا عمر وأنا أقبلها منك؟ فلم يقبلها منه فهلك ثعلبة في خلافة عثمان۔"

حاضر ہوا اور عرض کیا: میری جو عزت رسول اللہؐ کے نزدیک تھی اور جو میرا مقام انصار میں ہے وہ آپ خوب جانتے ہیں، آپ میرا صدقہ قبول فرمائیے، ابوبکرؓ نے جواب دیا: تجھے تیرا صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ غرض آپ نے بھی اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور تاحیات قبول نہ کیا، پھر جب حضرت عمرؓ مسلمانوں کے ولی بنے تو وہ انکے پاس بھی آیا اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین میرا صدقہ قبول فرمائیے تو آپ نے جواب دیا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے قبول نہیں فرمایا تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا، پھر جب حضرت عثمانؓ ولی بنے تو ثعلبہ ان کے پاس بھی آیا اور درخواست کی کہ میرا صدقہ قبول فرمائیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی حضرت ابوبکر وعمر نے تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ چنانچہ قبول نہیں فرمایا، حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔"

اس روایت کی تخریج واحدیؒ نے "اسباب النزول"[۳] میں بطریق معان بن رفاعہ السلامی عن علی بن یزید عن ابی عبد الملک القاسم بن عبد الرحمٰن مولی عبد اللہ بن یزید ابن معاویہ عن ابی امامہ الباہلی بہ کی ہے، اور علی ھذا الوجہ بیہقیؒ نے "الدلائل"

---

[۳] اسباب النزول للواحدی ص ۱۹۱-۱۹۲، [۴] دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۹۔

اور "شعب الایمان" میں طبرانی نے "معجم الکبیر"[5] میں، ابن جریرؒ نے جامع البیان فی تفسیر القرآن[6] "میں، عسکری نے "الامثال" میں، نیز ماوردیؒ، ابن السکنؒ، ابن المنذرؒ، ابن شاہینؒ، ابوالشیخؒ، ابن مندہؒ، ابونعیمؒ، ابن عساکر، ابن مردویہؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

بیہقی نے "الدلائل النبوۃ[7]" میں ابن جریر الطبریؒ نے "جامع البیان فی تفسیر القرآن[8]" میں، نیز ابن ابی حاتمؒ اور ابن مردویہؒ نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس واقعہ کو بطریق محمد بن سعد ثنی ابی (سعد بن محمد بن الحسن بن عطیہ العوفی) ثنی عمی (الحسین بن الحسن بن عطیہ) ثنی ابی (حسن بن عطیہ ابو عبداللہ بن سعد بن جنادہ العوفی) عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تخریج کیا ہے۔

علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر "معانی القرآن[9]" میں، واقدی نے "کتاب المغازی[10]" میں، حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے "لباب النقول فی اسباب النزول[11]" میں، علامہ آلوسیؒ نے "تفسیر روح المعانی[12]" میں، علامہ شوکانی نے "فتح القدیر[13]" میں، علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر "جامع لاحکام القرآن[14]" میں، حسین بن مسعود بغدادیؒ نے "معالم التنزیل[15]" میں، ابن الجوزی حنبلی بغدادی نے "زاد المیسر فی علم التفسیر[16]" میں، خازنؒ نے "لباب التاویل فی معانی التنزیل[17]" میں اور مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے "تفسیر مظہری[18]" وغیرہ میں اس واقعہ کو زیادہ سے زیادہ انہی دو طرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بعض دوسری تفاسیر وکتب مثلاً "المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب العزیز[19]" لابن عطیہ اندلسیؒ، "ارشاد العقل الی مزایا القرآن الکریم[20]" لابی سعود، "مدارک التنزیل وحقائق التاویل[21]" للنسفی، "تفسیر الکبیر[22]" للرازیؒ، "تفسیر الجواہر

---

[5] معجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۲۶ [6] جامع البیان فی تفسیر القرآن لابن جریر ج ۱۴ ص ۳۷۱-۳۷۲ [7] دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۹ [8] جامع البیان لابن جریر ج ۱۴ ص ۳۷۲ [9] معانی القرآن لابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۳-۳۲۴ [10] المغازی للواقدی ج ۱ ص ۱۵۹ [11] لباب النقول للسیوطی علی المصحف الشریف ص ۴۵۹-۴۶۱ [12] روح المعانی للآلوسی ج ۱۰ ص ۱۴۳ [13] فتح القدیر للشوکانی ج ۲ ص ۳۸۶ [14] جامع للاحکام القرآن للقرطبی ج ۸ ص ۲۰۹ [15] معالم التنزیل لابن مسعود بغدادی ج ۲ ص ۳۱۲ [16] زاد المیسر لابن الجوزی ج ۳ ص ۴۷۲-۴۷۳ [17] لباب التاویل للخازن ج ۳ ص ۱۲۵ [18] تفسیر مظہری از ثناء اللہ پانی پتی ج ۴ ص ۲۷ [19] المحرر الوجیز لابن عطیہ ج ۱ ص ۴۴۳ [20] ارشاد العقل لابی سعود ج ۱ ص ۴۵ [21] مدارک التنزیل للنسفی ج ۲ ص ۲۳۹ [22] تفسیر الکبیر للرازی ج ۱۶ ص ۱۳۸۔

الحسان[۲۳] " للثعالبی، تفسیر الکشاف[۲۴] " للزمخشری، تفسیر جلالین[۲۵] " للسیوطی، " تیسیر العلی القدیر لاختصار تفسیر ابن کثیر[۲۶] " للشیخ محمد نسیب الرفاعی، " الاستیعاب[۲۷] " للقرطبی المالکی، " مراح اللبید[۲۸] "، " تفسیر " عبدالماجد دریابادی[۲۹]، " تفسیر " شبیر احمد عثمانی[۳۰]، " تفسیر " نعیم الدین مرادآبادی[۳۱]، " تفسیر حقانی[۳۲] "، " مختصر تفسیر بیان القرآن[۳۳] " از اشرف علی تھانوی، " معارف القرآن[۳۴] " للمفتی محمد شفیع، اور " معارف القرآن " للمولوی محمد ادریس کاندھلوی[۳۵] وغیرہ میں اس واقعہ کو بلا سند نقل کیا گیا ہے، حالانکہ یہ روایت حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بن عمرو ابن عبید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف پر ایک صریح ظلم اور بہتانِ عظیم ہے۔

حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے دو عظیم اسلامی غزوات (یعنی غزوہ بدر اور غزوہ اُحد) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت فرمائی اور دادِ شجاعت دی تھی۔ آپ کے تفصیلی ترجمہ کے لئے " الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ[۳۶] " لابن حجر عسقلانی، " اسد الغابۃ[۳۷] " لابن اثیر عزالدین، " جمہرۃ الانساب العرب[۳۸] " لابن حزم، " الاستیعاب[۳۹] " للقرطبی المالکی، " مغازی[۴۰] " للواقدی، " ثقات[۴۱] " لابن حبان، اور " معجم الکبیر[۴۲] " للطبرانی وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا بدری صحابی ہونا ہی ان تمام الزام تراشیوں کے بطلان کے لئے کافی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں اہل بدر کے مغفور اور جنتی ہونے کی بشارت منجانب اللہ عزوجل یوں بیان فرمائی ہے:

---

۲۳ الجواہر الحسان للثعالبی ج ۲ ص ۱۴۳ ۲۴ تفسیر الکشاف للزمخشری ج ۲ ص ۲۹۲ ۲۵ تفسیر جلالین السیوطی علی ہوامش المصحف الشریف ص ۲۵۳ ۲۶ تیسیر العلی القدیر للرفاعی ج ۲ ص ۳۵۷ ۲۷ استیعاب للقرطبی علی ہوامش الاصابہ ج ۱ ص ۲۰۳-۲۰۴ ۲۸ مراح اللبید ج ۱ ص ۳۴۸ ۲۹ تفسیر عبدالماجد دریابادی ص ۴۱۵ ۳۰ تفسیر شبیر احمد عثمانی ص ۲۶۳ ۳۱ تفسیر نعیم الدین مرادآبادی ص ۲۸۹ ۳۲ تفسیر حقانی ج ۲ ص ۲۹۳ ۳۳ مختصر بیان القرآن از اشرف علی تھانوی برحاشیہ قرآن کریم ص ۱۷۹ ۳۴ معارف القرآن للمفتی محمد شفیع ج ۴ ص ۴۲۶ ۳۵ معارف القرآن الکاندھلوی ج ۳ ص ۳۸۲

۳۶ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر ج ۱ ص ۱۹۹-۲۰۰ ۳۷ اسد الغابۃ لابن اثیر ج ۱ ص ۲۸۳-۲۸۵ ۳۸ جمہرۃ الانساب العرب لابن حزم ص ۳۳۳ ۳۹ الاستیعاب للقرطبی المالکی علی ہوامش الاصابہ ج ۱ ص ۲۰۳-۲۰۴ ۴۰ مغازی للواقدی ج ۱ ص ۱۵۹ ۴۱ ثقات لابن حبان ج ۳ ص ۳۶ ۴۲ معجم الکبیر للطبرانی ج ۲ ص ۸۲ ۔

" اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم "[۴۳] " تم جو چاہو سو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے ۔ "

ایک اور حدیث میں مروی ہے : " لا یدخل النار أحد شہد بدرا والحدیبیہ "[۴۴]

جب کہ زیر مطالعہ تفسیری روایت ان صحیح احادیث نیز مجمع علیہ قاعدہ کے خلاف ایک بدری صحابی کو عہد شکن، بخیل، ابدی منافق اور مانع زکوۃ بتا کر جہنمی بتانے پر مصر ہے، عین ممکن ہے کہ کسی سبائی نے اس عظیم المرتبت صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں کے دل میں سے قدر و منزلت گرانے اور در پردہ تبرا بھیجنے کی غرض سے اس منکر روایت کو شائع و عام کر دیا ہو ۔ پس ظاہر ہوا کہ سورہ التوبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ بدری صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کے بارے میں نہیں بلکہ بعض دوسرے منافقین اور مانعین زکوۃ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، ورنہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور آیات زیر بحث کے مابین تطبیق کیونکر ممکن ہوگی ۔ یہاں اصل دشواری یہ آتی ہے کہ ان حدیثوں سے آیات محولہ کا بطلان لازم آتا ہے (نعوذ باللہ من ذلک) اور چونکہ یہ حدیثیں بھی باعتبار صحت قوی اور لائق احتجاج ہیں لہذا نہ آیات کا انکار ممکن ہے اور نہ ہی ان احادیث کا، پس اس دشواری کے حل کے لئے دو ممکنہ صورتیں یہ ہو سکتی ہیں :

۱۔ پہلی صورت تو یہ کہ ان آیات کے نزول کا سبب بدری صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کے بجائے بعض دوسرے منافقین او مانعین زکوۃ کو سمجھا جائے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ جو چیز ہمارے اس امکان کو تقویت دیتی ہے وہ بعض قدمائے مفسرین کے وہ اقوال ہیں جو اس بارے میں وارد ہیں مگر کسی سبائی سازش کی بنا پر شہرت نہ پا سکے مثلاً حضرات حسن بصری اور مجاہد رحمہما اللہ نے ثعلبہ کے ساتھ معتب بن قشیر کو، ابن السائبؒ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو، اور ضحاک نے نبتل بن الحارث، جد بن قیس، معتب ابن قشیر کو بھی ان منافقین میں شمار کیا ہے[۴۵] جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی تھیں ۔ ابو الشیخ نے حضرت حسن بصریؒ سے ایک روایت کی تخریج یوں بھی کی ہے : " انصار میں سے ایک شخص تھا جس نے ایسا عہد کیا تھا پھر جب اس کا چچا زاد بھائی فوت ہوا اور اس کی جانب سے اس انصاری کو مال و دولت ورثہ میں ملی تو اس نے بخل کیا اور اس عہد کا پاس نہ کیا جو اس نے اللہ تعالیٰ سے ورثہ پانے سے قبل کیا تھا (پس یہ

۴۳؎ سنن ابو داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۳۴۵ و مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۵ ج ۲ ص ۲۹۵ ۔

۴۴؎ مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۶ ۴۵؎ کما فی زاد المیسر لابن الجوزی ج ۳ ص ۴۷۲-۴۷۴ و تفسیر قرطبی ج ۴ جزء ۸ ص ۲۱۰ ۔

آیات نازل ہوئیں[۴۶]۔

حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کے پورے قصہ کہ جس میں اس کے بکریوں کے ریوڑ میں بیشمار اضافہ ہونے وغیرہ کی تفصیلات مروی ہیں، کی تکذیب کرتا ہے اور اس رجل مبہم کی تعیین کے لئے قطعی غیر مفید ہے غالباً امام ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کی روشنی میں حضرت حسن بصری کے قول: "رجل من الأنصار" سے مراد ثعلبہ بن حاطب کو لیا ہے[۴۷] جو کہ آں رحمہ اللہ کا سہو ہے۔ افسوس کہ شیخ محمد نسیب الرفاعی نے "تیسیر العلی القدیر[۴۸]" میں اس کی تصحیح کا اہتمام نہیں فرمایا ہے۔

امام ابن الجوزی حنبلی بغدادیؒ نے ان آیات کے اسباب نزول میں ایک اور قول اس طرح نقل فرمایا ہے:

"قبیلہ بنی عمرو بن عوف کا ایک شخص کہ جس کا مال ملک شام میں پھنسا ہوا تھا اور اس کی وصولیابی میں بہت دقت و تاخیر ہو رہی تھی حالانکہ وہ شخص اس مال کی بازیابی کے لئے شدید جد و جہد کر چکا تھا، اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے اسے اس مال میں سے جو کچھ بھی نوازا، اس میں سے وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اس مال سے نواز دیا تو اس نے عہد شکنی کی چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی[۴۹]۔"

بظاہر یہ تفسیری قول بھی حضرت ثعلبہ کے شہرت یافتہ واقعہ اور اسکی جملہ تفصیلات کی تکذیب کرتا نظر آتا ہے پھر ہمیں کوئی ایسی خاص وجہ نظر نہیں آتی کہ قدمائے مفسرین کے ان مختلف اقوال کی موجودگی میں فقط حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور سعید بن جبیر کے اقوال پر ہی اعتماد کرتے ہوئے اس آیت کے نزول کا سبب بدری صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کو ٹھیرایا جائے۔

۲۔ دوسری ممکنہ صورت یہ ہے کہ یہ آیات ثعلبہ نامی شخص کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہوں، لیکن وہ ثعلبہ بدری صحابی نہیں بلکہ ان کا ہم نام کوئی دوسرا شخص ہو۔ اس امکان کی پہلی وجہ یہ ہے کہ سورہ التوبہ کی آیات زیر مطالعہ میں جس مانع زکوۃ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے بعض روایات میں اس کا نام ثعلبہ بن حاطب اور بعض میں ثعلبہ بن ابی حاطب مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے نام نہیں ہو سکتے، چنانچہ یہ ممکن ہے کہ جس شخص

---

۴۶ فتح القدیر للشوکانی ج ۲ ص ۳۸۶ ۴۷ معانی القرآن لابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۳ ۴۸ تیسیر العلی القدیر للرفاعی ج ۲ ص ۲۵۷ ۴۹ زاد المیسر لابن الجوزی ج ۳ ص ۴۷۲-۴۷۴۔

کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہوں وہ بدری صحابی ثعلبہ بن حاطب کے بجائے ثعلبہ بن ابی حاطب یا ثعلبہ بن حاطب نامی ہی کوئی دوسرا غیر بدری شخص ہو۔ ہمارے اس شک کو وہ صحیح احادیث تقویت دیتی ہیں جن میں اصحاب بدر کے مغفور اور جہنم سے بری ہونے کی صریح بشارتیں اور شہادتیں موجود ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں مانع زکوٰۃ ثعلبہ کو بدری ثعلبہ سے مختلف شخص قرار دیا ہے، چنانچہ رقم طراز ہیں:

"ثعلبہ بن حاطب یا ابن ابی حاطب الانصاری کا ذکر اسحاق نے ان لوگوں میں کیا ہے جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی، (پھر زیر تحقیق پورا قصہ مختصراً لکھنے کے بعد فرماتے ہیں) وہ بدری صحابی ہے ـــ یہ قول محل نظر ہے۔ ان دونوں ثعلبہ کے درمیان مغایرت ابن الکلبی کے اس قول سے بھی مؤکد ہوتی ہے کہ اس بدری صحابی نے غزوہ اُحد میں شہادت پائی تھی، اس مغایرت کو تقویت ابن مردویہؒ کی اس روایت سے بھی ملتی ہے جسے آں رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بطریق عطیہ عن ابن عباسؓ آیت مذکور (لَئِنْ آتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ الخ) کے تحت پورے قصہ کی تفصیلات کے ساتھ وارد کیا ہے ابن مردویہؒ کی روایت میں اس شخص کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب بتایا گیا ہے جب کہ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بدری صحابی کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانا ثابت ہے کہ: "لا یدخل النار احد شهد بدرًا والحدیبیة" اور آں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے اہل بدر کے متعلق بیان فرمایا ہے: "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم[۵۰]" جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو اللہ تعالیٰ ثعلبہ بن حاطبؓ کے دل میں نفاق

۵۰ـ علامہ منذریؒ کا قول ہے کہ یہ وہ فصل ہے جس کی تخریج بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کی طویل حدیث سے کی ہے مگر اس حدیث سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ اصحاب بدر کو ہر جائز و ناجائز فعل کی رخصت دیدی گئی ہے بلکہ یہ کمال رضا، صلاح الحال اور خیر کی توفیق کا کنایہ ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی عیاضؒ نے اصحاب بدر پر حد لگانے کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے انہیں سے بعض بدریوں پر حد قائم بھی کی تھی۔ خود نبی صلی اللہ نے مسطح بن اثاثہ بن عباد پر حد لگائی تھی حالانکہ وہ ایک بدری صحابی تھے (ملاحظہ ہو الاصابہ لابن حجر ج۱ ص۲۴۲، ۳۸۸) امام نووی نے اس حدیث کا مطلب یہ بتایا ہے کہ "آخرت میں ان کے لئے غفران ہے۔" واللہ اعلم۔

ڈال کر کس طرح زیر عقاب کر سکتا ہے اور اس کے بارہ میں وہ آیت نازل فرما سکتا ہے جو کہ نازل ہوئی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ وہ مانع زکوۃ کوئی دوسرا شخص ہے۔ واللہ اعلم۔" [۵۱]

مانع زکوٰۃ ثعلبہ اور بدری ثعلبہ میں مغایرت کی تاکید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بدری صحابی نے غزوۂ احد میں جام شہادت نوش فرمایا تھا جیسا کہ ابن الکلبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے مذکورہ بالا اقتباس سے مستفاد ہوتا ہے جب کہ مانع زکوٰۃ ثعلبہ کی وفات کے متعلق بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس نے عہد فاروقی میں اور بعض کے نزدیک عہد عثمانی میں وفات پائی تھی [۵۲]

اگر قرآن کریم کی زیر مطالعہ آیات پر تھوڑا سا تدبر کیا جائے تو ہمیں نظر آئے گا کہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جگہ جگہ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد شکنی، وعدہ خلافی، زکوۃ کی ادائیگی میں بخالت اور منافقت کا مرتکب کوئی فرد واحد نہیں بلکہ متعدد اشخاص تھے تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں فقط مظلوم بدری صحابی رسول حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کو ہی مطعون کیا جا رہا ہے ؟

اگر بفرض محال سورہ التوبہ کی آیات ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی ہوں اور وہ ثعلبہ بدری صحابی ہی ہوں تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ثعلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے فعل پر نادم اور تائب ہوئے تو آخر ان کی توبہ قبول کیوں نہیں کی گئی ؟ حالانکہ ایک معروف شرعی قاعدہ ہے کہ جو گنہگار اپنے گناہوں سے توبہ کر لے اور ایمان واسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا چاہئے۔ آخر ثعلبہ بن حاطب کے معاملہ میں اس شرعی قاعدہ کے خلاف کیوں کیا گیا ؟ اس سوال کا جواب مولانا اشرف علی تھانوی اور ان سے نقل کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے یوں دینے کی کوشش کی ہے :

> "وجہ صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اب بھی اخلاص کے ساتھ توبہ نہیں کر رہا ہے، اس کے دل میں نفاق موجود ہے، محض وقتی مصلحت سے مسلمانوں کو دھوکہ دے کر راضی کرنا چاہتا ہے اس لئے قبول نہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۵۱] اصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر ج ۱ صہ ۱۹۹-۲۰۰ [۵۲] کما فی کتب التفسیر والاستیعاب للقرطبی علی حواشی الاصابہ ج ۱ صہ ۲۰۲۔

اس کو منافق قرار دیدیا تو بعد کے خلفاء کو اس کا صدقہ قبول کرنے کا حق نہیں رہا کیونکہ زکوٰۃ کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ کسی شخص کے دل میں نفاق قطعی طور پر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا، اس لئے آئندہ کا حکم یہی ہے کہ جو شخص توبہ کر لے اور اسلام و ایمان کا اعتراف کر لے اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے خواہ اس کے دل میں کچھ بھی ہو[۴۳]

اس بارے میں پہلی بات تو یہ جان لینی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعۂ وحی ثعلبہ کے عدم اخلاص اور نفاق پر مطلع ہونا یا اس سے صدقہ قبول نہ کرنے کی ہدایت پانا کسی طرح ثابت نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ واقعی اپنے مذموم فعل پر نادم و شرمسار نہ ہوتا تو اپنے سر میں خاک ڈالتا ہوا، کف افسوس ملتا ہوا دربار نبوت میں حاضر ہو کر تائب نہ ہوتا پھر ایک بار دھتکار دیئے جانے کے بعد بھی بار بار آں صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفائے ثلاثہ کے پاس جا جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنی عزت اور انصار میں اپنے مقام و مرتبہ کا واسطہ دے کر مسلسل منت و سماجت نہ کرتا پھرتا۔ اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ واقعہ مذکورہ کے مطابق جب آں صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ نے اس کو ناکام و نامراد واپس کر دیا تو نہ اس پر کوئی آسمانی آفت نازل ہوئی اور نہ ہی اس کو کسی قسم کی مالی یا معاشرتی دشواری پیش آئی تو آخر وہ کون سی "وقتی مصلحت" تھی کہ "مسلمانوں کو دھوکہ دے کر راضی کرنا چاہتا" تھا؟ اور پھر ان تمام باتوں کا علم حاصل کرنے کے مولانا تھانوی اور مفتی شفیع صاحبان کو کون سے وسائل میسر تھے کہ اس قدر اعتماد و یقین کے ساتھ یہ بلا دلیل دعویٰ کر بیٹھے؟ پس معلوم ہوا کہ کوئی بات بھی بنائے نہ بن سکی۔

اب اس واقعہ کی اسنادی کیفیت بھی ملاحظہ فرمائیں :

معان بن رفاعہ کے طریق میں تین مجروح رواۃ موجود ہیں : علی بن یزید بن أبی زیاد الألهانی الدمشقی (ابو عبدالملک)، معان بن رفاعہ السلامی الدمشقی اور قاسم بن عبدالرحمٰن ابو عبدالرحمٰن الدمشقی۔

علی بن یزید بن أبی زیاد الألهانی کے متعلق امام نسائیؒ فرماتے ہیں: "یہ قاسم سے روایت کرتا ہے اور ثقہ نہیں ہے"۔ دارقطنیؒ اور ازدیؒ کا قول ہے: "متروک ہے"۔ ابو زرعہ کا قول ہے: "قوی نہیں ہے"۔

۴۳؎ تفسیر بیان القرآن للتھانوی بحوالہ معارف القرآن للمفتی محمد شفیع ج ۴ ص ۴۲۸-۴۲۹

" ابوحاتم فرماتے ہیں: "ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث منکر ہوتی ہے" محمد بن عثمان بن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینیؒ سے علی بن یزید کے متعلق سوال کیا تو آپ رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا" ابن حبانؒ کا قول ہے: " منکر الحدیث جدا فلا أدری التخلیط فی روایته ممن هؤلاء" حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: " امام بخاری نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے" علامہ برہان الدین حلبیؒ کا قول ہے: " علی بن یزید پر بہت کچھ کلام کیا گیا ہے" علامہ ہیثمیؒ مختلف مقامات پر فرماتے ہیں: " ابوحاتمؒ اور ابن عدیؒ نے اس کی تضعیف کی ہے جب کہ ابن حبانؒ اور امام احمدؒ نے اس کی توثیق کی ہے" "ضعیف اور متروک ہے لیکن اس کی توثیق کی گئی ہے" "بہت زیادہ ضعیف ہے لیکن اس کی توثیق کی گئی ہے" "متروک ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ صالح ہے" "اس کے ضعف پر اجماع ہے" تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ نمبر ۵۴ کے تحت درج شدہ کتب ملاحظہ فرمائیں۔

۵۴ے ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۲۵۴-۲۵۵، جرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۳ ص ۲۰۸، مجروحین لابن حبان ج ۲ ص ۱۱۰، کامل فی الضعفاء لابن عدی ج ۵ ترجمہ ۱۸۲۵، سؤالات محمد بن عثمان ص ۱۵۵، تاریخ الکبیر للبخاری ج ۳ ص ۳۰۱، تاریخ الصغیر للبخاری ج ۱ ص ۳۰۴، ضعفاء الصغیر للبخاری ترجمہ ۲۵۵، ضعفاء والمتروکون للدارقطنی ترجمہ ۴۰۲، ضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ ۴۳۲، میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۱۶۱، مغنی فی الضعفاء للذہبی ج ۲ ص ۴۵۷، کنی للدولابی ج ۲ ص ۷۱، ضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۲ ص ۲۰۰، تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ج ۷ ص ۳۹۶، تقریب التہذیب لابن حجر ج ۲ ص ۴۶، مجموع الضعفاء والمتروکین للسیروان ص ۱۷۰، ۳۴۸، ۴۶۴، کشف الحثیث عمن امی بوضع الحدیث الحلبی ص ۳۰۱، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص ۲۸۰، تنزیۃ الشریعۃ المرفوعۃ لابن عراق الکنانی ج ۱ ص ۸۹، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۲ ص ۲۵۹، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱ ص ۲۰۸، ۲۷۸، ج ۴ ص ۲۶۰، ۳۱۴، ۳۲۶، ج ۷ ص ۳۲، ج ۹ ص ۵۹، الخلاصہ ج ۲ ص ۲۵۹، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للألبانی ج ۲ ص ۲۳۸، ۳۳۵، ۳۷۸، ج ۳ ص ۴۵۰، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ج ۴ ص ۸، ۹۳، ۵۶۴۔

اس سند کے دوسرے راوی معان بن رفاعہ السلامی الدمشقی کے متعلق محمد بن عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں: "علی بن مدینیؒ نے فرمایا: کان شیخاً ضعیفاً" ابوحاتمؒ کا قول ہے: "اس کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ احتجاج نہیں کیا جاتا" امام احمد کا قول ہے کہ "اس میں کوئی حرج نہیں ہے" امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں: "منکر الحدیث ہے، بکثرت مراسیل بیان کرتا ہے نیز اقوام مجاهیل سے بھی روایت کیا کرتا ہے، اس کی احادیث اثبات کی حدیثوں سے مشابہت نہیں رکھتیں..... اس کے ساتھ احتجاج مستحق ترک ہے" امام عقیلیؒ بیان کرتے ہیں: "یحیی بن معینؒ کا قول ہے کہ ضعیف ہے" علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "متقن نہیں ہے، ابن المدینیؒ نے اس کی توثیق کی ہے، یحییؒ نے اس میں لچک بیان کی ہے، جوزجانیؒ کا قول ہے کہ حجت نہیں ہے" علامہ ابن حجر عسقلانی "تقریب" میں فرماتے ہیں: "لین الحدیث اور کثیر الارسال ہے" آں رحمہ اللہ ہی "تہذیب" میں ابن المدینیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "انہوں نے فرمایا ثقہ ہے اس سے لوگوں نے روایت کی ہے" واقعہ یہ ہے کہ امام ابن المدینیؒ سے معان بن الرفاعہ کے متعلق دو مختلف اقوال منقول ہیں، ایک توثیق میں اور دوسرا تضعیف میں، امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: "امام رازیؒ، سعدیؒ اور ازدیؒ نے اسے حجت تسلیم نہیں کیا ہے، ملا طاہر پٹنی گجراتی فرماتے ہیں: "متروک ہے" معان بن رفاعہ کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ ۵۵ میں مذکورہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

اس سند کا تیسرا مجروح راوی قاسم بن عبدالرحمٰن ابوعبدالرحمن الدمشقی ہے جس کے متعلق امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں: "امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے: "منکر الحدیث ما أری البلاء إلا من قبل القاسم" امام احمد بن حنبلؒ کا ایک اور قول اس طرح مروی ہے: "روی عنه علی بن یزید أعاجیب وما أراها إلا من قبل القاسم" یعنی علی بن یزید نے اس سے عجیب وغریب روایات

۵۵ے تقریب التہذیب لابن حجر ج ۲ ص ۲۵۸، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۲۵۶، سؤالات محمد بن عثمان ص ۱۵۸، میزان الاعتدال للذہبی ج ۴ ص ۱۳۴، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص ۲۹۶، تاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۷، جرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۴ ص ۴۲۱، مجروحین لابن حبان ج ۳ ص ۳۶، تہذیب التہذیب لابن حجر ج ۱۰ ص ۲۰۱، ضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۳ ص ۱۲۶، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۴ ص ۱۱۱۔

نقل کی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ سب داستانیں قاسم نے تیار کی ہیں، امام ابن حبان مزید فرماتے ہیں: "قاسم یہ دعویٰ کیا کرتا تھا کہ اس نے چالیس بدری صحابیوں سے ملاقات کی ہے حالانکہ وہ ان رواۃ میں سے ہے جو عام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی معضلات روایت نیز ثقات کی طرف مقلوبات بیان کرتے ہیں۔" امام ابن حبانؒ کا ایک اور قول ہے کہ: "حدیث میں بہت ضعیف ہے۔" علامہ ذہبیؒ بیان کرتے ہیں: "ابن معینؒ نے اس کے کئی طرق میں اس کی توثیق کی ہے، جوزجانی کا قول ہے کہ خیار فاضل تھا۔" امام ترمذیؒ نے بھی اسے "ثقہ" قرار دیا ہے، یعقوب بن شیبہؒ کا قول ہے کہ "یہ ان رواۃ میں سے ہے جس کی تضعیف کی گئی ہے۔" علامہ برھان الدینؒ حلبی فرماتے ہیں: "متکلم فیہ ہے، امام ابن الجوزیؒ نے کتاب الموضوعات کے ایک مقام پر لکھا ہے کہ اس حدیث کی آفت یہی قاسم ہے۔" عجلی فرماتے ہیں: "ثقہ تابعی ہے، اس کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن قوی نہیں ہے۔" عقیلیؒ بیان کرتے ہیں: "شعبہؒ کا قول ہے: الحقوه به۔" علامہ ہیثمی مختلف مقامات پر فرماتے ہیں: "ضعیف ہے۔" "متروک ہے۔" "امام بخاریؒ نے اس کی توثیق کی ہے مگر امام احمدؒ نے ضعیف بتایا ہے۔" "امام احمدؒ وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔" قاسم بن عبدالرحمٰن کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ ۵۶ کی طرف رجوع فرمائیں۔

---

۵۶ کنی للدولابی ج ۲ ص ۶۸، سؤالات محمد بن عثمان ص ۱۵۳، میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۳۷۳، تقریب التہذیب لابن حجر ج ۲ ص ۱۱۸، تہذیب التہذیب لابن حجر ج ۸ ص ۳۲۲، تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۴۸۱، تاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۱۵۹، تاریخ الصغیر للبخاری ج ۱ ص ۲۲۰، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۴۷۶، جرح و التعدیل لابن ابی حاتم ج ۳ ص ۱۱۳، کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی ص ۳۳۸، ضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۳ ص ۱۴، معرفۃ الثقات للعجلی ج ۲ ص ۲۱۳، مجروحین لابن حبان ج ۲ ص ۲۱۱، ۲۱۲، ۳۰۱، ۱۱۰، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص ۲۸۵، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۱ ص ۳۲۸ ج ۲ ص ۲۵۹، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱ ص ۲۳، ۵۷، ۹۳، ۱۲۵، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ج ۲ ص ۴۱۱، ج ۴ ص ۵۵۰، ۵۹۹، ۶۵۸، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۲ ص ۲۳۸، ۳۳۵۔

اس روایت کا دوسرا طریق تو پورا کا پورا مظلم نظر آتا ہے، عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی الجدلی الکوفی ابو الحسن پھر ان سے روایت کرنے والا ان کا بیٹا حسن بن عطیہ ابو عبداللہ پھر ان سے روایت کرنے والا ان کا فرزند حسین بن الحسن اور پھر ان سے روایت کرنے والا ان کا بھتیجہ سعد بن محمد بن الحسن اور پھر ان کا فرزند محمد بن سعد بن محمد بن الحسن سب کے سب مجروح رواۃ ہیں، ذیل میں ان سب کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی کو امام نسائیؒ نے "ضعیف"، ابن معینؒ نے "صالح"، امام احمدؒ نے "ضعیف الحدیث"، دارقطنیؒ نے "ضعیف"، ابن القطانؒ نے "مضعف"، اور بیہقیؒ نے "ضعیف سیٔ الحال نیز غیر محتج بہ" قرار دیا ہے۔ علامہ ابن عبدالہادیؒ فرماتے ہیں: "عطیہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے زیادہ ضعیف ہے۔ امام احمد وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔" ابن عدیؒ کا قول ہے: "اس کے ضعف کے باوجود اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔" علامہ عبدالحقؒ فرماتے ہیں: "اس کے ساتھ حجت نہیں ہے۔" امام ترمذیؒ نے اس کی حدیث کی "تحسین" فرمائی ہے مگر امام ترمذی کی "تحسین" قابل اعتماد نہیں ہے۔ عجلیؒ کا قول ہے کہ "ثقہ تھا مگر قوی نہ تھا۔" ابو حاتمؒ کا قول ہے "یکتب حدیثہ، ضعیفا" سالم مرادیؒ بیان کرتے ہیں کہ "عطیہ تشیع کیا کرتا تھا۔" علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بیان کرتے ہیں کہ: "صدوق تھا مگر بکثرت خطا کرتا تھا۔ اس میں شیعیت موجود تھی اور وہ مدلس بھی تھا۔" آں رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر عطیہ کو "ضعیف" بتایا ہے، امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: "واہ ہے، نسائیؒ اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف بتایا ہے۔" امام عقیلیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول یوں نقل کیا ہے: "سفیان ثوریؒ عطیہ العوفی کی حدیث کو ضعیف بتایا کرتے تھے۔" علامہ ہیثمیؒ کی تحقیق کے مطابق "ضعیف ہے لیکن اس کی توثیق کی گئی ہے۔" اور "ابن معینؒ نے اس کی توثیق کی ہے لیکن امام احمدؒ اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف گردانا ہے۔" عطیہ العوفی کے تفصیلی ترجمہ کے لئے حاشیہ ۵۷ میں مذکورہ کتب مطالعہ مفید ہوگا۔

---

۵۷ - تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۴۰۳، تاریخ الکبیر للبخاری ج ۷ ص ۸، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۳۵۹، مجروحین لابن حبان ج ۲ ص ۱۷۶، جرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۶ ص ۳۸۲، کامل فی الضعفاء لابن عدی ج ۵ ترجمہ ۲۰۰۷، میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۷۹، تہذیب التہذیب لابن حجر ج ۷ ص ۲۲۴، ضعفاء والمتروکین

اس سند کا دوسرا مجروح راوی حسن بن عطیہ ابو عبداللہؒ ہے، امام ابوحاتم فرماتے ہیں: "ضعیف" ہے، امام بخاریؒ کا قول ہے: "لیس بذاك" امام ابن حبان فرماتے ہیں: "منکر الحدیث ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اس کی احادیث میں بلا یا اس کی جانب سے ہوتی ہیں یا اس کے والد کی طرف سے یا پھر ان دونوں کی طرف سے کیونکہ اس کا والد حدیث کے معاملہ میں کچھ بھی نہیں ہے اور اس کی اکثر روایات اس کے والد سے ہی مروی ہوتی ہیں پس یہاں اس کا معاملہ مشتبہ، اور واجب ترک ہے" علامہ ابن حجر عسقلانی اور ھیثمی رحمہما اللہ نے بھی حسن بن عطیہ کو "ضعیف" قرار دیا ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ ۵۸ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

اس سند کا تیسرا راوی حسین بن الحسن العوفی جس کی امام نسائی اور یحیی بن معین رحمہما اللہ نے تضعیف کی ہے، ابن معینؒ کا قول ہے: "العوفی فی حدیثه خرز من خرز یهود وجوز من جوز یهود" اور امام ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ "منکر الحدیث ہے، اعمش وغیرہ سے ایسی چیزیں روایت کرتا ہے جن کی کوئی متابعت نہیں ہوتی، وہ روایات کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا اور کبھی مراسیل

لابن الجوزی ج ۲ ص ۱۸۰، تقریب التہذیب لابن حجر ج ۲ ص ۲۲۴، ضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ ۱۴۸،
معرفۃ الثقات للعجلی ج ۲ ص ۱۴۰، قانون الموضوعات والضعفاء للفتنی ص ۲۷۸، علل لابن حنبل ج ۱ ص ۱۹۸،
فتح الباری لابن حجر ج ۹ ص ۴۶، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۱ ص ۳۴۷ ج ۳ ص ۲۱۰ ج ۴ ص ۴۰،
نصب الرایہ للزیلعی ج ۱ ص ۳۸۹، ۴۰۴ ج ۲ ص ۲۰۶ ج ۳ ص ۱۰۹، ۲۲۷ ج ۴ ص ۵۱، ۶۸، ۲۱۹، ۳۹۷،
سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۲۶ ج ۶ ص ۳۰ ج ۷ ص ۴۶ ج ۸ ص ۱۲۶، سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۳۹،
تلخیص المستدرک للذہبی ج ۴ ص ۲۲۲، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۴ ص ۵۹ ج ۹ ص ۱۰۹ ج ۱۰ ص ۳۳۱، سلسلۃ الاحادیث
الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۱ ص ۳۵، ۲۱۴، ۲۷۹ ج ۲ ص ۱۵، ۲۹۱ ج ۳ ص ۴۵، ۴۶، ۲۹۸، ۴۵۸ ج ۴
ص ۲۹۹، ۳۵۲، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ج ۱ ص ۸۰۶ ج ۲ ص ۴۷۳ ج ۴ ص ۱۱۹، ۱۳۹، ۲۲۱، ۳۱۵، ۳۳۵

۵۸ میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ ص ۵۰۳، ضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۰۵، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۳ ص ۱۴۰، تقریب التہذیب لابن حجر ج ۱ ص ۱۶۸، مجروحین لابن حبان ج ۱ ص ۲۳۴
تاریخ الکبیر للبخاری ج ۲ ص ۳۰۱، الخلاصہ ج ۱ ص ۲۱۵۔

کو مرفوع اور موقوفات کو مسند بنا دیتا تھا، اس کی خبر کے ساتھ احتجاج درست نہیں ہے۔" مزید تفصیلی حالات کے لئے حاشیہ ۵۹ ملاحظہ فرمائیں۔

اس طریق کا چوتھا راوی سعد بن محمد بن الحسن العوفی ہے جس کے متعلق امام اثرمؒ بیان کرتے ہیں: "میں نے ایک بار امام احمد بن حنبل سے کہا کہ آج ایک شخص نے مجھے بتایا کہ سعد کی روایات لکھا کرو، کیونکہ وہ بہت ثقہ ہے۔ امام احمدؒ نے اسے بہت بڑی بات جانا اور فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ، سبحان اللہ سعد تو جہمی ہے، اگر وہ جہمی نہ ہوتا تو بھی اس کا اہل نہ تھا کہ اس کی روایت لکھی جائے کہ وہ اس مقام کا حامل نہ تھا۔" مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ ۶۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

اس طریق کا آخری راوی محمد بن سعد بن محمد بن الحسن العوفی ہے جس کے متعلق خطیب بغدادیؒ کا قول ہے کہ "وہ حدیث میں لچک دار تھا" مگر امام حاکمؒ نے امام دارقطنیؒ سے نقل کیا ہے کہ "اس میں کوئی حرج نہیں ہے" مزید تفصیلات کے لئے حاشیہ ۶۱ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

ان دونوں روایتوں کی اسنادی کیفیت آپ نے ملاحظہ فرمالی، اب ان روایتوں کے متعلق چند مشاہیر علماء و شراح حدیث کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ھیثمیؒ فرماتے ہیں: "اس کو طبرانیؒ نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں علی بن یزید الالھانی موجود ہے جو کہ متروک ہے[۶۲]" حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں: "اس کی سند ضعیف ہے[۶۳]" حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "وھذا اسناد ضعیف جدا۔ (یعنی نہایت ضعیف سند ہے[۶۴])" آں رحمہ اللہ ہی "الاصابہ" میں اس

---

۵۹ میزان الاعتدال للذھبی ج ۱ ص ۵۳۲-۵۳۳، ضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۱، مجروحین لابن حبان ج ۱ ص ۲۴۶، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۱ ص ۲۵، کامل فی الضعفاء لابن عدی ج ۲ ترجمہ ۳۷۷،

۶۰ لسان المیزان لابن حجر ج ۳ ص ۱۹، تاریخ بغداد للخطیب ج ۹ ص ۱۲۶ ۶۱ لسان المیزان لابن حجر ج ۵ ص ۱۷۴، تاریخ بغداد للخطیب ج ۵ ص ۳۲۲-۳۲۳، میزان الاعتدال للذھبی ج ۳ ص ۵۶۰۔

۶۲ مجمع الزوائد و منبع الفوائد للھیثمی ج ۷ ص ۳۲ ۶۳ تخریج الاحیاء للعراقی ج ۳ ص ۱۳۵،

۶۴ کافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف لابن حجر ج ۴ ص ۷۷، ۱۳۲۔

واقعہ کو مختصراً نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " ان صح الخبر ولا أظنه يصح (یعنی میرا گمان نہیں کہ یہ روایت صحیح ہوگی)[۶۵] " علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: " بسندٍ ضعیف[۶۶] " حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: " وقول من قال في ثعلبة رضي الله عنه انه مانع الزكوة الذي نزلت فيه الآية غير صحيح، (یعنی ان لوگوں کا قول صحیح نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ ثعلبہؓ مانع زکوٰۃ تھا اور یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی)[۶۷] " امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: " فما روي عنه غير صحيح، (یعنی جو کچھ ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے[۶۸]) " محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: " یہ حدیث شہرت کے باوجود منکر ہے اور اس کی آفت علی بن یزید الألهانی (متروک) اور معان (لیّن الحدیث) ہیں[۶۹] "

ان محدثین کے علاوہ ایک حنفی عالم شیخ عبد الفتاح ابو غدہ مصری (استاذ بجامعۃ الریاض) فرماتے ہیں: " یہ قصہ تالفہ مریضہ ہے، اس کی سند میں معان بن رفاعہ ہے جو لین الحدیث، کثیر الارسال ہے۔ جو کچھ وہ روایت کرتا ہے عموماً اس کی متابعت نہیں کی جاتی[۷۰] " آں موصوف ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: " بعض مفسرین مثلاً قرطبیؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حدیث قصہ گو اور نقال مفسرین کے نزدیک مشہور ہے۔ اس مشہور سے مراد محدثین کی اصطلاح میں مشہور ہونا نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، اس کی طرف التفات یا اس کے ساتھ استشہاد درست نہیں ہے[۷۱] "

افسوس کہ ان تمام تصریحات کے باوجود بھی ہمارے بعض مقتدر علماء یہ فرماتے ہیں:

" اس روایت کے معاملہ میں تشدد کرنا زیادتی ہوگی، علی بن یزید کو اگرچہ جمہور ائمہ جرح و تعدیل نے ضعیف، منکر الحدیث اور متروک کہا ہے، لیکن حافظ ذہبیؒ نے اس کے بارے میں یہ بھی

---

۶۵ اصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر ج ۱ ص ۱۹۹-۲۰۰ ۶۶ لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی علی هوامش المصحف الشریف ص ۴۹۵-۴۶۱ ۶۷ الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۱۲۲-۱۲۳ ۶۸ تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۲۱۰ ۶۹ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ للالبانی ج ۳ ص ۱۱۲ ۷۰ تعلیقات الحافلہ علی الاجوبہ الفاضلہ لابو غدہ ص ۱۰۸ ۷۱ ایضاً ص ۱۳۸ ۔

لکھا ہے کہ : هو في نفسه صالح (میزان) پھر اس کا تعلق کسی حکم شرعی کے اثبات اور حلال وحرام سے بھی نہیں ہے ، اس میں تو صرف سبب نزول کا بیان ہے جس سے شخص مبہم کی تعیین اور آیت منزل فیہ کا بیان ہوجاتا ہے بس ۔ اور یہ روایت کسی قرآنی آیت یا صحیح حدیث یا اصل شرعی یا مجمع علیہ قاعدہ یا بداہتہً عقل کے خلاف نہیں ہے و نیز اس پر آیت کا سمجھنا موقوف نہیں ہے پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ الخ مبہم کی تعیین میں ذکر نہ کیا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو حافظ ابن کثیرؒ اور شوکانیؒ نے بغیر کسی سخت ریمارک کے ذکر کیا ہے ۔"

یہ درست ہے کہ اس روایت کا تعلق کسی حکم شرعی کے اثبات اور حلال وحرام سے نہیں ہے لیکن صرف شرعی احکام اور حلال وحرام کی روایات کی جانچ پرکھ کے لئے سخت کسوٹی استعمال کرنا اور فضائل اعمال، ترغیب و ترھیب، مناقب، قصص اور مواعظ وغیرہ کی روایات میں تساہل اور نرمی اختیار کرنا ایک قاعدہ خاطئہ ہے ، جس طرح حلال و حرام اور احکام شرعی کی روایات دین ہیں ، بالکل اسی طرح ترغیب و ترھیب اور فضائل اعمال وغیرہ کی روایات بھی دین کا جزء ہیں ، چنانچہ ان کے لئے علیحدہ علیحدہ معیار اپنانا غیر مناسب ہے ، چونکہ یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے لہذا اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے راقم کی کتاب " ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت[۱۷]" کی طرف مراجعت مفید ہوگی ۔

اگر اس یا اس جیسی دوسری ضعیف اور منکر احادیث کے ساتھ متشددانہ رویہ اختیار نہ کیا جائے تو پھر شریعت میں اس چور دروازہ سے داخل ہونے والے ضعیف ، منکر ، بے اصل ، اور موضوع روایات کے ناپیدا کنار سیلاب کو روکنے کی ہر سعی لاحاصل ہوکر رہ جائے گی ، لہذا احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس رجل مبہم کی کوئی تعیین نہ کی جائے ، جب اللہ تعالیٰ خود اس شخص کو پردۂ خفا میں رکھنا چاہتا ہے تو ہم خواہ مخواہ اس کی کھوج میں لگ کر اپنا وقت ضائع کیوں کریں ؟ پھر اس رجل مبہم کی تعیین میں ثعلبہ کا ذکر کر دینے سے زیر مطالعہ آیات کا مفہوم کچھ زیادہ واضح بھی نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے میں جو قباحتیں ہیں (مثلاً احادیث صحیحہ کا انکار ، بدری صحابیٔ رسولؐ پر طعن وتبرا

---

۱۷ ۔ طبع فاروقی کتب خانہ ملتان سن ۱۹۹۰ء

اور مجمع علیہ شرعی قاعدہ کا اخلاف) ان کا تفصیلی ذکر اوپر ہو چکا ہے، اور جہاں تک علامہ شوکانی اور ابن کثیر رحمہا اللہ کا اس روایت پر کوئی "سخت ریمارک" نہ ہونے کا تعلق ہے تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، ابن کثیر کی تفسیر میں ایسے متعدد مقامات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جہاں امام موصوف نے تساہل سے کام لیا ہے۔ یہی کچھ صورت حال علامہ شوکانی کی "فتح القدیر" کی بھی ہے، لہٰذا ان حضرات کی جانب سے اس روایت کے متعلق کوئی سخت ریمارک موجود نہ ہونا اس روایت کے لئے سند صحت یا جواز فراہم نہیں کرتا بلکہ آں رحمہا اللہ کے تساہل اور ان کی لاعلمی کی طرف اشارہ کرتا ہے، واللہ اعلم۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیات صدقات کے اسباب نزول کے بارے میں کوئی خاص واقعہ قطعی طور پر ثابت نہیں ہے لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ سورہ توبہ کی ان آیات کو کسی مخصوص شخص کے بجائے عام منافقین کے بارے میں منزل مانا جائے جیسا کہ ماضی قریب کے بعض مشہور مفسرین نے بیان کیا ہے، مثال کے طور پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں:

> "اس میں اہل ایمان کو جہاد پر اکسایا گیا ہے اور ان لوگوں کی سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جو نفاق یا ضعف ایمان یا سستی و کاہلی کی وجہ سے راہ خدا میں جان و مال کا زیاں برداشت کرنے سے جی چرا رہے تھے۔" [۵۳]

حکومت سعودیہ کے علاء خیز شہر القصیم کے ایک مشہور عالم و مفسر شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی فرماتے ہیں: "ومن هؤلاء المنافقين" [۵۴] اور شارح ترمذی علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کے مایہ ناز شاگرد ڈاکٹر محمد تقی الدین الهلالی المراکشی (سابق استاذ جامعۃ الاسلامیہ مدینۃ المنورہ) اور ان کے رفیق کار ڈاکٹر محمد محسن خاں صاحب نے اپنی مشترکہ انگریزی تفسیر (معانی القرآن الکریم) "THE MEANING OF HOLY QURAN" میں اس کے عموم کو ہی ترجیح دی ہے [۵۵] واللہ أعلم بالصواب۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔

---

[۵۳] تفہیم القرآن للمودودی ج ۲ ص ۱۹۶ [۵۴] تفسیر کلام المنان ج ۳ ص ۲۶۹

[۵۵] معانی القرآن الکریم للهلالی ص ۱۹۸

اسلام اور سائنس

(مولانا) محمد ابو القاسم سلفی
(ایم، اے)
جامعہ رحمانیہ، بنارس

مذہب اور سائنس کی کشمکش

ایک طویل عرصے سے یہ غلط فہمی چلی آرہی ہے کہ سائنس اور مذہب، دونوں ایک دوسرے کے ضد اور حریف ہیں، یہ دونوں دریا کے دو کنارے ہیں جو کبھی نہیں مل سکتے ہیں، مذہب سائنس کو مسترد کرتا ہے اور سائنس مذہب کو، اگرچہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے تاہم یہ غلط فہمی اس قدر شدید ہے کہ ڈاکٹر ڈریپر کو "معرکۂ مذہب و سائنس" جیسی ضخیم کتاب لکھنی پڑی۔

حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور مذہب دونوں کی بنیاد اور اساس الگ الگ ہیں اور دونوں کہیں بھی ایک دوسرے سے متعارض نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کے ممد اور معاون ہیں۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک علوم کے شعبوں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، سائنس مذہب ہی کا ایک جزء شمار ہوتا تھا اور اس کی باگ ڈور علمائے دین کے ہاتھ میں تھی۔

سائنس کی بنیاد تجربات اور مشاہدات پر ہے یہی وجہ ہے کہ سائنسی نظریات میں تبدیلی جاری رہتی ہے اور کسی نظریہ کو دائمی نہیں سمجھا جاتا ہے، سائنس کو اخلاقی اقدار سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے، اس کا موضوع صرف محسوسات کی دنیا ہے، وہ عقل، دلیل اور تجربہ کی مدد سے نتائج نکالتی ہے، دوسری طرف مذہب کے اصولوں کو عقل، تجربات اور مشاہدات کے ترازو میں نہیں تولا جاسکتا ہے، اور نہ عقل و دلائل، منطق اور تجربے اس کے لئے کسوٹی ہیں، بلکہ وہ ایک آفاقی چیز ہے، مذہب کا بنیادی تعلق روح سے ہوتا ہے وہ اعلیٰ اقدار کے ذریعہ سماج کو صالح اور پرامن بناتا ہے۔

مذہب میں تین بنیادی عنصر ہوتے ہیں، خدا، انسان اور ایک ضابطۂ حیات جو انسان کی مطلق العنانی کو لگام دیتا ہے، انسان خدا کو کائنات اور اسی محسوساتی دنیا کے حوالے سے جانتا ہے، اور یہی کائنات سائنس

کی تجربہ گاہ ہے، یہاں سائنس اور مذہب ایک دوسرے کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں، اب سائنس اور مذہب کی کشمکش ایک فرسودہ کہانی بن چکی ہے، بیسویں صدی میں سائنسی انکشافات و نظریات نے بہت حد تک اس کا خاتمہ کر دیا اور دونوں کی مفاہمت واضح طور سے نظر آنے لگی۔

مذہب اور سائنس میں تضاد ممکن بھی نہیں ہے، کیونکہ دونوں کے مقاصد اور منزل ایک ہے، سائنس کا بنیادی مقصد تجربات، مشاہدات اور استخراج نتائج کے ذریعہ انسانی زندگی کو سہولیات اور آسائشیں فراہم کرنا ہے، انھیں آفات و مصائب سے بچانا ہے اور مذہب ایسے ضوابط اور قوانین کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس کے ذریعہ انسان امن و سکون کی زندگی گذارے اور ایسے معاشرہ کی تشکیل کرے جس میں عدل و انصاف عام ہو، جبر و استبداد کا گذر نہ ہو، فرد کی روح اور جسم صحت مند ہو۔ ایک خدا کا اقرار، اخروی زندگی کا تصور، عبادت کے طریقے اور مذہب کے بنائے ہوئے اعلیٰ اقدار نہ ہوتے تو یقیناً دنیا اب تک ختم ہو گئی ہوتی۔

معرکۂ مذہب و سائنس کے اسباب

مسلمانوں کے عہد عروج میں یہ آواز کہیں سننے کو نہیں ملی کہ سائنس اور مذہب ایک دوسرے کے حریف ہیں، لیکن اس کے بعد جب سائنس کی باگ ڈور مغرب کے ہاتھ میں آئی اس وقت اہل مغرب کے جسم و جان پر کلیسا کی حکمرانی تھی، اس نے مسیحیت کی صحیح نمائندگی کرنے کے بجائے اقتدار کا دعوے دار بن کر ایک زمانہ تک لوگوں کی عقل، روح اور جسموں پر اپنا تسلط جمائے رکھا، کلیسائی نظام نے کچھ مخصوص خیالات کو آسمانی اصول قرار دے کر لوگوں پر ٹھونس دیئے تھے، کسی کو ان کی مخالفت کی اجازت نہ تھی، قدیم اور روایتی سائنسی نظریات پر نکتہ چینی بھی کلیسائی نظام سے بغاوت تھی، چنانچہ "کوپرنیکس" (Copernices 1473-1543) "برونو" (Bruno) 1548-1600 اور "گلیلیو" (Galileo 1564-1642) نے جب دنیا کے سامنے اپنا انقلابی نظریہ پیش کیا تو کلیسائی نظام میں زلزلہ سا آگیا اور انھیں اس بغاوت کا خمیازہ بھگتنا پڑا، اسی طرح جس شخص نے بھی کلیسا کے نام نہاد مقدس افکار کی مخالفت کی اسے بھیانک سزائیں دی گئیں۔

ایسی صورت میں یہ فطری امر تھا کہ سائنس کا زبردست ہتھیار کلیسائی اوہام کے بت کو پاش پاش کر دے، اور یہی ہوا۔ "ڈارون" (Darwin) 1809-1882 نے اصل الانواع (On The Origin of Species) لکھ کر نظریہ ارتقاء پیش کیا اور اس کے بعد تو سائنس دانوں اور محققین نے کلیسا پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ اس کا تخت

لرز گیا اور وہ اس لائق نہیں رہ گیا کہ زیادہ عرصہ تک عقل وضمیر پر حکمرانی کر سکے، بہر کیف اس کے بعد مغرب میں ایک خالص مادی فلسفہ کی عمارت تعمیر ہوئی جس کے روشندان اس قدر اونچے تھے کہ مغرب کا انسان مادہ سے اوپر اٹھ کر نظر دوڑانے کے قابل نہیں رہا۔

اس تاریخی انقلاب کے اولین ہیرو ڈارون، فرائڈ، کارل مارکس 1818-1883 Karl Marx اور ٹامس ہیکلے وغیرہ تھے، ڈارون نے تو پورے زور وشور سے یہ نعرہ لگایا کہ انسان صرف ایک مادی حیوان ہے، مارکس نے مذہب کو افیون کا نام دیا، اس طرح ملحد و مادہ پرست سائنس دانوں اور محققین کی ایک ایسی جماعت سامنے آئی، جس کا پہلا پروپیگنڈہ مذہب بیزاری اور انکار خدا تھا، دراصل یہ کلیسائی نظام کا فطری ردعمل تھا۔

سائنس دانوں کی بنیادی غلطی

ان فلسفیوں اور سائنس دانوں کی بنیادی خامی یہ تھی کہ وہ مذہب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے، انہوں نے مذہبی عقائد اور غیبیات کو سائنس اور عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی، انہوں نے غیر محسوس کو تجربی اور مشاہداتی میزان میں تولا، ایک ابدی اور غیر مرئی حقیقت کو حسی پیمانوں پر کیونکر ناپا جا سکتا ہے، یہ وہ بنیادی خامی تھی جس نے مذہب اور سائنس کی کشمکش کو جنم دیا۔

اسلام اور سائنس

اب رہا یہ سوال کہ اسلام میں سائنس کے لئے کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ کیا اسلام صرف دینی وشرعی احکام کا مجموعہ ہے، اور حقیقت میں عقل اور سائنس سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے جیسا کہ مادہ پرست اور ملحدین کہتے ہیں؟ دراصل یہ صرف ایک عظیم غلط فہمی ہی نہیں بلکہ کوتاہ فہمی اور ایسے جذبوں کا اظہار ہے جس میں معاندات اور اسلام دشمنی کا پہلو غالب ہے۔ اسلام کا بنیادی ماخذ قرآن کریم اس کی یکسر نفی کرتا ہے، اس کے برخلاف اسلام سب سے پہلا مذہب ہے جس نے سائنس کو دین کا جُزو بنایا اور سائنسی ترقی کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی۔

غلط فہمی کے اسباب

اسلام اور سائنس کے متضاد ہونے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے، اس کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

۱۔ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مفسرین نے ایسی روایات کو جگہ دے دی، جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور جو صرف اسرائیلیات ہیں، سائنس دان ان روایات کا مطالعہ کرتا ہے تو انھیں اسلام کا جُزو سمجھتا ہے

اور یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اسلام کی باتیں عقل و فراست پر مبنی نہیں ہیں ۔

۲ ۔ اسی طرح تفسیر کے دروازے جب عام لوگوں کے لئے کھل گئے تو ایسے لوگوں نے قرآن کی تفسیریں لکھیں، جن کے پاس حقیقت میں نہ تو علمی ذوق تھا اور نہ وہ قرآن کریم کے معانی کے غواص تھے، انہوں نے بعض آیات کی ایسی مضحکہ خیز تفسیریں کیں کہ سائنسی ذوق رکھنے والا انہیں دیکھ کر غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے، مثال کے طور پر " ثم استوی إلی السماء وھی دخان (فصلت : ۱۱) ترجمہ : " پھر اس نے آسمان کا قصد کیا اس حال میں کہ وہ دھواں تھا" بعض مفسرین نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اللہ نے جب زمین و آسمان کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے ایک ہرا موتی پیدا کیا جو زمین و آسمان سے کئی گنا بڑا تھا پھر اس کی طرف ہیبت بھری نظروں سے دیکھا تو وہ پانی ہو گیا پھر پانی کی طرف دیکھا تو اس سے جھاگ، دھواں اور بھاپ بنے اور وہ اللہ کے ڈر سے کانپ رہا تھا اس دن سے وہ قیامت تک لرزتا رہے گا، پھر اللہ نے اس دھواں سے آسمان پیدا کیا ۔

۳ ۔ بعض مفسرین نے آیات کی تفسیر میں رائے اور قیاس کو مبالغہ آمیز حد تک جگہ دے دی، نتیجہ یہ نکلا کہ آیات کے معانی اور سائنس میں ٹکراؤ لازمی ہو گیا، یہاں صرف ایک مثال دینا چاہوں گا، قرآن میں ہے: واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ..... (نمل : ۸۲) " جب ان پر بات واقع ہو گئی تو ہم نے ان کے لئے زمین سے ایک چوپایہ نکالا جو ان سے بات کرے گا " اس آیت کی تفسیر میں لکھا گیا کہ اس چوپائے کی لمبائی ۶۰ گز ہوگی وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا، اس کے چار پاؤں، بازو اور پَر ہوں گے، بیل کا سر ہوگا، آنکھیں سور جیسی، کان ہاتھی کے گردن شتر مرغ کی، سینہ شیر کا، رنگ چیتے کا، کمر بلی کی ہو گی، وغیرہ وغیرہ ۔

۴ ۔ بعض مفسرین آیات کی اس طرح تفسیر کی جو آیت کے سیاق و سباق سے بالکل غیر مربوط تھی ۔

۵ ۔ قرآنی تفسیر کی انفرادی کوششیں بھی اس کی ذمہ دار ہیں، قرآن میں بے شمار علوم کے بارے میں اشارے موجود ہیں، ایک ہی شخص تمام علوم میں مہارت کا دعویدار نہیں ہو سکتا ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ مختلف علوم کے ماہرین سے بھی مدد لی جائے ۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ملحدین اور مادہ پرستوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام میں سائنس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے ۔

اِسلام میں علم کی اہمیت اور اس کے مفہوم کی وسعت :

اگر ہم اسلام کے قوانین اور قرآن و سنت کا مطالعہ معروضی اور غیر جانب داری سے کریں تو یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اسلام علوم و فنون کو زبردست اہمیت دیتا ہے اور اسے مذہب کا ایک جزو بتلاتا ہے، قرآن کی جو پہلی آیات نازل ہوئیں ان کا آغاز علم سے کیا گیا، اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے خود اسے اپنی صفت قرار دیا اور ایک سو ۱۶۲ اسٹھ مقامات پر اس صفت کا تذکرہ کیا، اللہ نے علم ہی کی بنیاد پر فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں، اللہ نے بتلایا کہ صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، اس نے علماء کے درجات کو بلند کرنے کا وعدہ کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے ذریعہ لوگوں کو علم کے حصول کے لئے راغب کیا، علم اور عالم کی فضیلت بتلائی۔

اسلام ابتداء ہی سے علم و آگہی کا علم بردار اور عقل و خرد کے استعمال کا داعی رہا ہے، اس نے علم کا بلند و وسیع تصور عطا کیا، اس نے علوم کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے کوئی درجہ بندی نہیں کی، اس نے ان تمام علوم و فنون کی اشاعت و ترویج کی تعلیم دی جو خدا کی مرضیات کی تکمیل اور خلق خدا کی نفع رسانی کا ذریعہ بن سکیں۔ اسلام کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا پتہ لگایا جائے اور قدرتی وسائل کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے۔ اسلام ایک طرف اخروی زندگی میں فلاح و نجات کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری طرف دنیوی زندگی کو بنانے سنوارنے کا درس دیتا ہے، دنیاوی زندگی کی اصلاح اور ترقی دراصل کائنات سے فائدہ اٹھانے کا دوسرا نام ہے، اللہ فرماتا ہے: " ھو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعا۔" (بقرہ: ۲۹)
ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

سائنسی علوم اسلام کا اساسی جزو ہے

اسلام کی بنیاد توحید ہے، اس کی بنیادی تعلیم ہے: " لا الٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ "
یعنی اللہ ہی معبود برحق ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں، یہی توحید سائنسی علوم کی تحصیل کا منطقی مقتضیٰ ہے۔
اس کلمۂ توحید کے دو جزو ہیں: توحید اور تصدیقِ رسالت۔
توحید کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک دساجھی نہیں، عبادت صرف اسی کی کی جائے

وہ رازق ہے، سارے جہاں کا پالنہار ہے، وہی موت وحیات دیتا ہے، زندگی کی آسائشیں فراہم کرتا ہے، اس کے علاوہ ساری چیزیں اسی کی محکوم ہیں، توحید تک رسائی پانے کے لئے کائنات اور اس کے مظاہر کا مطالعہ کرنا ضروری اور لازمی ہے، کائنات کے اسی مطالعے کا نام سائنسی عمل ہے۔ اقرار توحید کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ انسان مظاہر پرستی کی قید سے آزاد ہوگیا اور اس نے اوہام کی بیڑیاں کاٹ دیں حالانکہ اسلام سے قبل کائنات اور اس کے مظاہر کو اس درجہ تقدس حاصل ہوگیا تھا کہ انسانی عقل ان کے بارے میں سوچنا گناہ سمجھتی تھی، لیکن جب اسلام نے یہ تعلیم دی کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ نے سب تمہارے تابع کردیا ہے تو اس تعلیم کا یہ منطقی نتیجہ نکلا کہ انسان کائنات کے سامنے بھکاری کی حیثیت سے نہیں بلکہ شکاری کی حیثیت سے آیا اور فطرت کی پوشیدہ طاقتوں کو تسخیر کرنے کی سعی میں لگ گیا اور علم طبعی اور نیچرل سائنس کا عملی ظہور ہوا، بلاشبہ اس کا محرک حقیقی توحید ربوبیت پر ایمان ہے۔

قرآن اور سائنس

اسلام کا بنیادی ماخذ قرآن ہے، قرآن ایک زبردست علمی کتاب ہے جس نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات ڈالے ہیں اور اپنے نزول کے آغاز ہی سے یہ آسمانی کتاب بحث ومباحثہ اور فکر ونظر کا موضوع بنی ہوئی ہے، قرآن کا بنیادی مقصد انسان کی ہدایت اور اسے گمراہی سے بچانا ہے، اللہ فرماتا ہے: "إن هذا القرآن يهدى للتى هى أقوم (الاسراء: ۹) "یہ قرآن بلاشبہ وہ راستہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔" یہ کتاب حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی، لوگوں کے اختلافات کے درمیان محاکمہ کرنے والی ایک فیصلہ کن کتاب ہے، لہذا ابن میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات، اقوام عالم کے افکار وخیالات، علوم وفنون، نفسیاتی احوال وکوائف انسان کے کردار کے متعلق تمام اسرار ونکات نہایت درجہ اختصار وجامعیت کے ساتھ سمودیئے گئے ہیں، ا ان کے حق وباطل ہونے کی کیفیت اور عقلی وجوہات سب کچھ اس میں مندرج ہیں، یہ کتاب محض اعلیٰ ادبیت ا انشاء پردازی کے لحاظ سے معجزہ نہیں ہے بلکہ بے خطا پیشین گوئیوں، غیبی اخبارات، بے مثال ہدایت رہنمائی، اور حیرت انگیز جامعیت وکاملیت کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔ قرآن کریم ایک اپ ٹوڈیٹ کتا ہے جو ہر حال میں بنی نوع انسان کی قیادت کرنے کی صلاحیت اور استعداد رکھتی ہے، قرآن کا بنیادی مقصد ہدایت اور رہنمائی ہے مگر وہ فکر ونظر کی اصلاح اور غلط افکار ومفروضات کی تردید کے لئے کائنات کے حقا

سے بھی بحث کرتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ دینی و شرعی امور کا تذکرہ تو نہایت واضح انداز میں اور پوری صراحت کے ساتھ کرتا ہے تاکہ اس کے ماننے والوں کو کسی بھی دور میں اپنے معاملات زندگی کو سمجھنے میں اشتباہ نہ ہو۔ اس کے برعکس وہ امور تکوین یا فطرت کے متعلق مسائل کو محض اشاروں کنایوں کی زبان میں ایک خاص انداز اور ایک خاص اسکیم کے ساتھ بیان کرتا ہے، ان کا صحیح مفہوم اور درست مطلب اسی وقت واضح ہو سکتا ہے جبکہ تحقیق و تفتیش کے باعث کائنات کے رازوں کا افشاء ہو جائے، دراصل قرآنی آیات کی ساخت و ترکیب اور ان کے الفاظ و معانی میں حیرت انگیز وسعت اور لچک رکھی گئی ہے اور اس درجہ جامعیت اور خوبی کے ساتھ کہ ہر دور کی معلومات اور انکشافات کی بدولت ان کے نئے نئے معانی بھی اجاگر ہوتے ہیں اور ان کا قدیم مفہوم بھی غلط نہیں ہونے پاتا ہے، اس موقع پر صرف ایک مثال دوں گا، قرآن کریم میں کہا گیا ہے: " وجعلنا من الماء کل شیٔ حي" (انبیاء: ۳۰) ترجمہ: "اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی ہی سے پیدا کیا۔" قدیم مفسرین اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ تمام حیوانات نطفہ سے وجود پذیر ہوئے ہیں، جو پانی کی ایک شکل ہے، لیکن جدید تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ تمام حیوانات کی تخلیق یکساں قسم کے مادے سے ہوئی ہے جسے پروٹوپلازم کا نام دیا گیا اور کیمیائی تجزیہ سے یہ پتہ چلا کہ اس مادہ کا اکثر و بیشتر حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ اس مثال سے مندرجہ ذیل حقائق بے نقاب ہوتے ہیں،

۱۔ قرآن میں قدرت کے مخفی رازوں کا بیان۔ ۲۔ قدرت کے اسرار سائنس کی ترقی کے بعد ظاہر ہوئے۔
۳۔ قرآنی آیات میں لچک اور وسعت ہے اور وہ تحقیقات جدیدہ کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ۴۔ نئے مفہوم سے پرانا مفہوم بالکل غلط یا باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ آیت کریمہ کا ایک نیا پہلو جلوہ گر ہوتا ہے۔
۵۔ اس سے نہ قدیم مفسرین کی کوئی تنقیص ہوتی ہے اور نہ ان پر قرآن کریم کو ٹھیک طرح سے نہ سمجھ سکنے کا الزام عائد ہوتا ہے۔ ۶۔ قرآن کریم کے نئے نئے مطالب کا یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

قرآن کریم نے کائنات اور اس کے مظاہر کے اسرار و رموز کو دریافت کرنے کے لئے مختلف اسلوب اپنایا ہے، قرآن اپنے مخاطبین سے عقل و خرد اور فہم و تدبر کے استعمال کا بار بار مطالبہ کرتا ہے: افلا تعقلون، افلا تتدبرون اور اولم یتفکروا اس کی دعوت کا عام جزو ہے، اسی طرح وہ مثالیں دے کر قصے بیان کر کے دعوت غور و فکر دیتا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

" انما مثل الحیاۃ الدنیا کماء أنزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الأرض مما یاکل

الناس والأنعام حتى اذا أخذت الأرض زخرفها وازينت وظن اهلها انهم قادرون عليها أتاها امرنا ليلا او نهارا فجعلناها حصيدا كان لم تغن بالأمس كذلك نفصل الآيات لقوم يتفكرون۔ (یونس: ۲۴)

ترجمہ: بے شک دنیاوی زندگی کی مثال اس پانی (بارش) جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا پس اس کے سبب وہ پودے جسے انسان وحیوان کھاتے ہیں مل کر نکلے، یہاں کہ جب زمین سبزہ زار اور آراستہ ہوگئی، اور زمین والوں نے یہ یقین کرلیا کہ اب وہ اس پر پوری طرح قادر ہوگئے تو ناگہاں رات یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آپہونچا تو ہم نے اسے کاٹ کر ایسا کرڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں، جو لوگ غور وفکر والے ہیں ان کے لئے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

یوں تو قرآن میں بے شمار ایسی آیات ہیں جن میں سائنسی موضوعات کا ذکر ہے، لیکن میں یہاں اختصار کے ساتھ چند موضوعات کے متعلق قرآنی آیات کا ذکر کروں گا، اگر آپ تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو فرانس کے مشہور مفکر اور سائنس داں موریس بوکیلے (Maurice Bucalie) کی کتاب "قرآن، بائبل اور سائنس" کا مطالعہ کیجئے، انہوں نے اس کتاب میں دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کی معلومات جدید سائنسی معلومات سے قطعا متعارض نہیں ہے، نیز انہوں نے تمام موضوعات مثلاً نظام شمسی، کہکشاں، ستارے، اجرام فلکی تخلیق کائنات وغیرہ کے متعلق آیات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ قرآن کے سائنسی مضامین مرتب انداز میں نہیں بلکہ مختلف سورتوں میں موقع اور محل کی مناسبت سے بیان کئے گئے ہیں اور جن حقائق کے بارے میں آج سائنس تحقیق کررہی ہے قرآن نے اسے چودہ سو سال پہلے ہی بتلادیا ہے۔

کائنات کی وسعت اور پھیلاؤ کے متعلق قرآن کہتا ہے: "والسماء بنينها بأييد وانا لموسعون" (ذاریات: ۴۷) اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اسے وسعت دینے والے ہیں۔ موجودہ سائنس کی تحقیق ہے کہ کائنات کا پھیلاؤ برابر بڑھتا جارہا ہے، جس رفتار سے یہ سماوی حرکت جاری ہے وہ روشنی کی رفتار سے تیز ہے۔ تخلیق کائنات کے متعلق ارشاد ربانی ہے: "ان ربكم الله الذى خلق السموات والأرض فى ستة ايام" (اعراف: ۵۴) درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

"یکور اللیل علی النہار ویکور النہار علی اللیل" (زمر: ۵) وہی دن پر رات کو اور رات پر دن کو پھیرتا (گھماتا) ہے۔ "والأرض بعد ذلک دحاھا" (نازعات: ۳۳) اس کے بعد ہم نے زمین کو پھیلا دیا۔ یہ دونوں آیتیں واضح طور سے ہمیں بتلاتی ہیں کہ زمین کی شکل کروی ہے۔

"أولم یر الذین کفروا أن السموات والأرض کانتا رتقاً ففتقناھما وجعلنا من الماء کل شیٔ حی" (انبیاء ۳۰) کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین دونوں (ایک دوسرے سے) جڑے ہوئے تھے تو ہم نے انہیں جدا کیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار کو وجود بخشا۔

موجودہ سائنسی تحقیق نے بھی یہی انکشاف کیا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما" (مومنون ۱۲-۱۴) ترجمہ: پھر ہم نے انسان کو مٹی کے ٹھیکرے سے پیدا کیا پھر ہم نے اس کو نطفہ بنایا ایک مضبوط جگہ میں، پھر ہم نے نطفہ کو ایک چمٹنے والی چیز بنایا پھر اس چمٹنے والی چیز کو بوٹی بنایا، پھر اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت بنایا۔

موجودہ سائنس کے مطابق جنین ابتداء میں ایک چھوٹا سا تودہ Mass ہوتا ہے اور افزائش کے ایک مرحلہ میں وہ بوٹی سا ہو جاتا ہے، ہڈیوں کا ڈھانچہ اس تودے کے اندر وجود میں آتا ہے اور نشوونما پاتا ہے اصطلاح میں اسے Mesechyma یعنی جسم کی سکڑن کہا جاتا ہے، جو ہڈیاں بنتی ہیں وہ پٹھوں سے ڈھکی ہوتی ہیں اور لحم کا لفظ ان پر صادق آتا ہے۔

مظاہر کائنات سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إن فی خلق السموات والأرض واختلاف اللیل والنہار لآیات لأولی الألباب" (آل عمران: ۱۹۰) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تسخیر چاند کے متعلق سنئے: "فلا أقسم بالشفق، واللیل وما وسق، والقمر اذا اتسق لترکبن طبقا عن طبق" (انشقاق: ۱۶-۱۹) میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی، اور رات کی، اور ان تمام چیزوں کی جن کو رات اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے، اور چاند کی جب وہ کامل ہو جاتا ہے، تم ضرور ایک

منزل سے دوسری منزل پر سوار ہوتے جاؤگے۔ کیا زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں میں زندگی کا کوئی وجود ہے اس سلسلے میں قرآن کی وضاحت ہے: "ومن آیاتہ خلق السمٰوات والأرض وما بث فیہما من دابۃ" (شوریٰ: ۲۹) اوراسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور ان دونوں میں اس نے جو جاندار آباد کئے۔

تسخیر سمندر: اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون، وسخر لکم ما فی السموات وما فی الأرض جمیعا منہ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون۔ (جاثیۃ: ۱۲-۱۳) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں، اور تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو، اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے لئے مسخر کر دیا بے شک جو لوگ غور کرتے ہیں اس میں البتہ ان کے لئے نشانیاں ہیں۔

اجرام فلکی: ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ما خلق اللہ ذلک الا بالحق یفصل الآیات لقوم یعلمون" (یونس: ۴۔) اور وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرو، یہ سب کچھ اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا، سمجھنے والوں کے لئے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

مطالعہ حیوانیات (Zoology): واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنہم من یمشی علی بطنہ ومنہم من یمشی علی رجلین ومنہم من یمشی علی أربع یخلق اللہ ما یشاء، إن اللہ علی کل شئ قدیر۔ (النور: ۴۵) اور اللہ ہی نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا پس ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں ایسے ہیں جو دو پاؤں سے چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں سے چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حیوانات کا عضویاتی مطالعہ: وان لکم فی الأنعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین۔ (نحل: ۶۶) اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں

میں بھی عبرت ونشانی ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور خون ہے اس سے تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔

پرندوں کا تحقیقی مطالعہ: أولم یروا الی الطیر فوقہم صافات ویقبضن ما یمسکہن الا الرحمٰن انہ بکل شئ بصیر۔ (ملک: ۱۹) کیا انہوں نے اپنے سروں پر اڑتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا جو اپنے پروں کو پھیلاتے اور سمیٹتے رہتے ہیں انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹھہرا سکتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

سائنسی موضوعات کے متعلق آیات کا احصار یا ہر موضوع کے متعلق اگر ایک ایک آیت بھی ذکر کی جائے تو بھی بات بے حد طویل ہو جائے گی۔

قرآن میں سائنسی موضوعات کا یہ مختصر جائزہ تھا، ان آیات کا مطالعہ موجودہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں کریں گے تو یقیناً آپ متحیر ہو جائیں گے کہ کس طرح قرآن نے ان حقائق کو واضح کر دیا ہے جن کے متعلق بے پناہ تحقیق وجستجو کے بعد آج سائنس دریافت کرنے میں کامیاب ہو سکی ہے۔

آغاز میں میں بتا چکا ہوں کہ قرآن قیامت تک کے تمام مسائل حل کرنے کا دعوے دار ہے تو سائنسی موضوعات اس کی گرفت سے کیوں کر بچ سکتے تھے۔ قرآن نے دو عظیم مقاصد کی بناء پر ان حقائق کی طرف توجہ دی، ایک تو یہ کہ سائنس کی ان کرشمہ سازیوں اور قدرت کی نیرنگیوں کے ذریعہ توحید ربوبیت پر انسان کا ایمان واعتقاد پختہ ہو جائے اور وہ اپنی زندگی کو خدا کے بتائے ہوئے راستے پر لے چلے۔ دوسرا یہ کہ اس نے انسان کو دعوت عام دی کہ کائنات میں اللہ کی بے پایاں نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں انھیں دریافت کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ۔

نوٹ: (گاندھی انسٹی ٹیوٹ راج گھاٹ وارانسی نے ایک علمی مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا جس کا موضوع تھا "ویسٹرن سائنس اینڈ ایسٹرن فلاسفی" (مغربی سائنس اور مشرقی فلسفہ) مذکورہ بالا مضمون اسی علمی مجلس میں پڑھا گیا)

ندوة الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کا انتخاب نو

دیرینہ روایات کے مطابق امسال بھی مورخہ ۲۸/اپریل ۱۹۹۴ء بروز جمعرات ۱۰ بجے صبح جامعہ کی پرشکوہ مسجد میں "ندوة الطلبہ" جامعہ سلفیہ بنارس کا انتخاب نو جملہ اساتذۂ کرام کی موجودگی میں ہوا عہدیداران کی تفصیل درج ذیل ہے:

صدر	عبدالنور	ع ۴
نائب صدر	محمد اختر	〃
محاسب	ریاض الدین	ع ۳
مدیر	محمد اطہر	ع ۴
نائب مدیر	محفوظ الرحمٰن	ع ۳
معتمد خطابت عربی (ب)	عبدالغنی	ع ۳
نائب 〃 〃 〃	عبدالعلیم	〃
معتمد خطابت اردو (الف)	عبدالحکیم	〃
نائب 〃 〃 〃 〃	غیاث الرحمٰن	〃
معتمد خطابت اردو (ج)	عبیدالرحمٰن	ع ۴
نائب 〃 〃 〃 〃	محمد زماں	ع ۲
امین الجرائد	احمد اللہ	ع ۴
نائب 〃 〃	جمال احمد	ع ۲
معاونین	شمیر الدین	ع ۱
〃	محمد مصطفیٰ	〃
امین البرید	محمد اسماعیل	ع ۳
نائب 〃 〃	عبدالمالک	ع ۱
ناظم	ابوالوفاء	ع ۴
نائب ناظم	محمد شعیب	〃
خازن	شکیل احمد	ع ۳
معتمد خطابت عربی (الف)	محمد شمیم	ع ۴
نائب 〃 〃 〃 〃	محمد رفیق	ع ۲
معتمد خطابت عربی (ج)	محمد مسلم	ع ۴
نائب 〃 〃 〃 〃	حشر الدین	ع ۲
معتمد خطابت اردو (ب)	جمال العین	ع ۴
نائب 〃 〃 〃 〃	سراج احمد	ع ۳
امین الکتب	محمد اکمل	ع ۴
نائب 〃 〃	عبدالرحمٰن	ع ۲
معاونین	تفضل حسین	ع ۲
〃	عظمت اللہ	ع ۱
〃	اختر عالم	〃
〃	محمد قاسم	ع ۲
رکن ندوہ	سلمان احمد	ع ۱

○ منجانب: ناظم ندوة الطلبة ابوالوفاء شفیع اللہ گونڈوی

ماہنامہ محدّث بنارس

شمارہ ۶ | جون ۱۹۹۴ء | ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ | جلد ۱۲

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱/۱۸ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپے • فی پرچہ ۴ روپے

○

اِس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے

اِس شمارہ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درسِ قرآن

اصغر علی امام مہدی السلفی

حرمتِ ماہ محرم اور ہماری سادہ لوحی

إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والأرض منها أربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن أنفسكم۔ الآية / توبه ۳۶ -

بلاشبہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہؔ ہے، نوشتۂ خداوندی میں جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں چار حرمت والے ہیں، دین قیم یہی ہے، پس ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

محرم الحرام کا مہینہ حرمت وعظمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جس کی فضیلت کئی طور پر آئی ہے، اسی مہینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا عظیم واقعہ پیش آیا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو بھی اسی مبارک ماہ کے دسویں تاریخ کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات ملی تھی جس کے شکرانے کے طور پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت نے روزہ رکھا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے بھی عاشورا کا روزہ رکھا اور نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، اسلام میں اس مہینہ کی حرمت وعظمت ارض وسماوات کی ابتداء ہی سے مسلم ہے، مگر یہ بہت بڑی ستم ظریفی ہے کہ اسلام کے نام پر دشمنانِ اسلام اس ماہ کی حرمت وعظمت کو ایک ایسے واقعہ سے منسلک کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات وتشریعات کے مکمل ہونے کے کئی دہائیوں کے بعد پیش آیا، میری مراد واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دشمنانِ اسلام نے اس حرمت والے مہینہ میں شہید کرکے اس کی حرمت کو پامال کیا تھا، اور پھر اپنی اس سیاہ کاری کو دھونے اور دنیا کے سامنے سرخرو بننے نیز مسلمانوں کو اس ماہ کی اصل حرمت وعظمت سے الگ کرنے کے لئے ماتمی مجلسیں جمائیں اور اپنے دجل وفریب سے اہل سنت کے بیشمار افراد کو اس لعنت میں گرفتار کردیا۔ صد افسوس کہ مسلمان اس عظمت وحرمت کے مہینہ میں طرح طرح کی بدعات وخرافات اور شرکیات سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں، کہیں ماتمی مجلسیں ہیں، کہیں صحابہ کرام پر تبرہ بازی ہے، کہیں اس صفوۂ امت رضی اللہ عنہم پر سب وشتم ہے، معاملے کی شناعت وقباحت یہیں نہیں رکتی بلکہ تعزیہ داری اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مجسمہ سازی کرکے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور شرک کی رہی سہی کسر بھی

پوری کردی جاتی ہے، بایں طور کہ اپنے ہاتھوں بنائے اس کاغذی ڈھانچے کو سجدے کئے جاتے ہیں، اس سے نذر و نیاز کا معاملہ کیا جاتا ہے، منتیں مانی جاتی ہیں اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں اور بلا مقبور کے قبر کی زیارت بتوں کی عبادت کے قبیل سے ہے، اس پر سجدہ کرنا اور مانگنا تو سب سے بڑا شرک ہے، جبکہ بعض اہل سنت کے یہاں ایک موضوع و من گھڑت روایت کے نام پر یہ قبیح بدعت بھی رواج پذیر ہے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل وعیال پر کشادگی اور فراخ دلی سے خرچ کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ پورے سال کے لئے روزی روٹی میں کشادگی فرمادے گا، ایسا کرنے والا قبیح بدعت و منکر کا مرتکب ہوتا ہے، یہ بھی ایک عجیب سفسطہ ہے جس کو دلیل اور منطق کا نام دیا جاتا ہے، ہندوستان میں اس کے ذریعے مسلمان کم از کم کھیل کود، لاٹھی بلم اور گتکے اور لٹھ بازی کرتے ہیں، اور مسلمانوں کی اس بھیڑ بھاڑ اور کھیل کود سے شوکت اسلام کا اظہار ہوتا ہے، دوسری قوموں پر رعب طاری ہوتا ہے اس لئے مسلمان بڑے ذوق وشوق سے ان جلسوں میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے مختلف کرتب اور حاضری سے اس کی رونق میں اضافہ کرتے ہیں، اس فہم پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے کیونکہ اسلام کی اصل سربلندی تعلیمات اسلامی کی بجا آوری میں ہے، اس کے احکام وشرائع درحدود و قیود کی دھجی اڑا کر اور پس پشت ڈال کر اسلام کو رسوا کرنے کے سوا عظمت و دھاک نہیں بٹھائی جا سکتی جو شخص اسلامی تعلیمات کے علاوہ کسی چیز میں اپنی عزت و بڑائی اور رفعت و بلندی کا طالب ہے اس کے ایمان واسلام پر لاکھوں سلام!

اس ماہ مبارک میں بہت سے مسلمان مومنین کی ایک بڑی جماعت پر لعن طعن کرتے ہیں، خاص طور پر اپنے عزائی مجلسوں اور عاشورائی محفلوں میں کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید پر لعنتیں کرتے ہیں حالانکہ یہ لعنتیں ان کے ہی اوپر لوٹ کر آتی ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یزید جیسے اللہ کے رسول کی جانب سے ایک غزوہ میں شریک لوگوں کی خوشخبری کا شرف حاصل ہے، آجکل کے بزرگوں اور پاکبازوں سے کہیں بہتر تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسلام کے ازلی دشمن شیعوں کے پھیلائے ہوئے اس قسم کے شرکیات و خرافات سے بچائے اور ان کی ان مجلسوں میں جانے اور اس کی رونق بڑھانے والوں کو عقل سلیم اور ہدایت عطا فرمائے، اور رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ یوم عاشوراء کو رکھ کر اس کے ثواب سے بہرہ ور ہونے کی توفیق دے، یا علی یا حسین جیسے شرکیہ کلمات سے بچنے اور شیعوں کی اقتداء میں صحابہ کرام اور مومنین پر سب وشتم اور لعن طعن کرنے سے بچائے، آمین!

●●●

درسِ حدیث

اصغر علی امام مہدی السلفی

قربانی یا گوشت خوری

عن البراء قال: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم، فقال: من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا فلا یذبح حتی ینصرف، فقام ابوبردہ بن نیار، فقال: یا رسول اللہ: فعلت، فقال: ھو شیٔ عجلتہ، قال: فان عندی جذعۃ ھی خیر من مسنتین أأذبحہا؟ قال: نعم، ثم لا تجزی عن احد بعدک، قال عامر: ھی خیر نسیکۃ۔ (البخاری)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (عید قرباں) کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جو آدمی ہماری طرح نماز پڑھتا ہے اور ہمارے قبلہ کو قبلہ سمجھ کر ادھر رخ کرتا ہے (یعنی مسلمان ہے) تو نماز عید قرباں سے فارغ ہوئے بغیر قربانی نہ کرے آپ کا یہ خطبہ سن کر حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں نے تو قربانی نماز سے پہلے کرلی ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ قربانی نہیں ہے یہ تو گھر والوں کو گوشت کھلانے کے لئے جلدی کیا ہے۔ ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس ایک سال کا ایک موٹا تازہ بکرا ہے جو دانتے جانوروں کے مقابلہ میں بہتر ہے کیا میں اس کو ذبح کردوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں کرو مگر تمہارے بعد (میری امت میں سے) کسی کے لئے بھی سال بھر کی بکری جائز نہ ہوگی۔ راوی عامر کہتے ہیں کہ سال بھر کا یہ بکرا بہترین قربانی ہے پہلے کے مقابلہ میں جو وقت سے پہلے کر دیا گیا۔

قربانی کی بڑی فضیلت آئی ہے یہ ابراہیم علیہ السلام کی ایسی یادگار ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا مال وجان اور ساری چیزیں اس لئے ہیں کہ وہ وقت پر ان ساری چیزوں کو رب کی رضا کے لئے نچھاور کردے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عظیم یادگار اور قربانی کو پیش فرمایا اور اس کی تاکید کی اس کے احکام ومسائل بتائے۔ اس حدیث پاک میں خطبہ کا ذکر نہیں مگر دوسری روایات میں آیا ہے کہ آپ نے عید کے خطبہ میں فرمایا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں اگر تم واقعی قبلہ اول کو مانتے ہو اور اسلام کی بنیاد نماز پڑھتے ہو تو تم کو وقت پر قربانی کرنی چاہئے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ خطبۂ عیدین میں تقریر کرتے اور لوگوں کو احکام عیدین وقربانی

سمجھایا کرتے تھے لہذا ہر امام کو چاہئے کہ وہ خطبہ ایسا دے جس سے عوام کو نصیحت و احکام کی تعلیم ہو جائے۔ رسمی خطبے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ دوسرے یہ پتہ چلا کہ مسلمان آدمی کو چاہئے کہ جتنے لگن اور اخلاص سے کوئی کام کرے حتی کہ قربانی بھی دے اگر سنت کے مطابق نہیں ہے تو پھر وہ مردود ہے۔ نیز نماز عید سے پہلے کسی کے لئے بھی قربانی کرنا جائز نہیں۔ آپ (من) کے لفظ عام سے ایسی جگہ استثنیٰ ضرور فرماتے۔ یا دوسری روایات سے اس کا پتہ چلتا۔ آپ نے نماز کے بعد قربانی کرنے کی اور نماز عید پڑھنے کی جس قدر تاکید اور سخت لہجہ میں فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم سب کے لئے ہے۔ ورنہ تمام مسلمانوں کو خطاب کیا عالم ہو یا جاہل، دیہاتی ہو یا شہری سب کے لئے فرمایا حتی کہ اس میں جاہل کی جہالت و ناداني و لاعلمی بھی اس کو کچھ معذور نہیں کر سکتی۔ جیسا ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ بخاری شریف کی بعض دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ قربانی اپنے پڑوسی کی ضرورت کے پیش نظر پہلے کر دیا۔ اللہ اللہ اس قدر اخلاص انسانی ہمدردی اس کے باوجود آپ فرمائیں کہ یہ قربانی نہیں یہ عام گوشت اور ذبیحہ کی طرح ہے۔ اور اس کے باوجود امت کے کچھ انسانوں کا یہ مشن چلانا کہ دیہات میں قربانی نماز فجر کے بعد ہی سے کرنا چاہئے کس قدر صریح فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی مخالفت ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجبور انسان کو مکلف کیا کہ اس کی ذبیحہ کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کرے۔ اور نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے رخصت فرما دی کہ سال بھر کی بکری ہی سہی۔ قربانی کر ڈالو لیکن قربانی اس کے بدلے کرنی ضرور ہے کیوں کہ نماز سے پہلے کا ذبیحہ قربانی ہوا ہی نہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا اجعل مکانها اخری اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ امت محمدیہ میں کسی فرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بلا دانتا جانور کی قربانی کرے۔ ایک سال کا بکرا چاہے جتنا موٹا تگڑا ہو ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے باوجود بھی امت کا ایک طبقہ اس بات پر مصر ہے کہ سال بھر کا بچہ جو دانتا نہ ہو پھر بھی قربانی کیا جائے گا۔ حالانکہ یہاں صراحت ہے کہ ابو بردہ کے بعد کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے لاتذبحوا الا مسنة دانتے جانور کی قربانی کے علاوہ بے دانتا جانور کی قربانی ہرگز مت کرو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ جو نماز سے پہلے قربانی کرلے اس کو دوسری قربانی کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے ان لوگوں کو جو اولاً مسلمانوں کو اس عظیم اسلامی شعار اور عبادت سے روکتے نہیں بلکہ من گھڑت اور خود ساختہ شرائط عائد کر کے اور مزید دو قدم آگے بڑھ کر گوشت خوری میں عجلت کی تلقین کرتے ہیں۔

افتتاحیہ

شرق اوسط منڈی سے عظیم اسرائیل تک

اسرائیل کی سرکردگی میں شرق اوسط منڈی کے قیام کا منصوبہ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ میں ہی مذکور تھا، جس پر سادات مصری اور بیگن اسرائیلی نے ۱۹۷۹ء میں دستخط کئے تھے، یہ کوئی نیا فکرہ نہیں ہے، البتہ معاہدۂ غزہ اریحا کے بعد یہ قضیہ زیادہ کھل کر سامنے آگیا ہے، اور اس کے مقاصد زیادہ نمایاں ہوگئے ہیں، اس منطقہ کے عرب اور اسلامی ممالک پر اسرائیل کی فوجی برتری کے ساتھ اس کی اقتصادی برتری بھی واضح ہونے لگی ہے، امریکہ نے جنگ خلیج کے بعد خلیجی ممالک اور پڑوسی عرب ممالک پر اس دباؤ میں بھی اضافہ کر دیا ہے کہ اسرائیل سے بائیکاٹ ختم کر دیا جائے، اور یہ شرق اوسط منڈی کے قیام کے لئے نہایت اہم حربہ ہے۔ اکتوبر ۹۲ء میں قاہرہ کے اندر مصریوں عربوں اور صہیونیوں پر مشتمل ایک عربی اقتصادی اجتماع کی صورت میں اس منڈی کا پہلا بیج بونے کا اعلان کیا گیا تھا یہ اعلان ایک خفیہ اقتصادی مؤتمر کے بعد ہوا تھا، جسے قاہرہ میں اسرائیلی سفارت اور مصریوں اور عربوں کے کاریگروں اور مزدوروں کی جمعیت نے منعقد کیا تھا، اس مؤتمر میں مصریوں، عربوں اور صہیونیوں کے بہت سے کارکن افراد نے شرکت کی تھی، لیکن بعض یمنیوں، مصریوں اور صہیونیوں کے علاوہ بقیہ سارے لوگوں کے نام کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، اس کی تفصیل مجلہ المجتمع کویت کے جنوری ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بعد میں پریس کانفرنس کا بھی انعقاد ہوا لیکن اس میں اس سلسلہ کی کسی معلومات کے ذکر سے گریز کیا گیا، یہ ضرور بتایا گیا کہ مختلف اقوام و ممالک پر مشتمل ایک کمپنی قائم کی گئی ہے جس کا رجسٹریشن امریکہ میں ہوا ہے۔ اسحاق میشیل صہیونی جس نے اس مؤتمر میں شرکت کی تھی بہت زور ڈالنے پر بتایا کہ یہ اجتماع ایک سال سے معلوم ہے اور یہ کہ اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی کا نام، یا قومیت یا عرب شریک حکومتوں کا ذکر کرے۔

شرق اوسط منڈی کا ذکر اگرچہ عرب اسرائیل امن گفتگو اور معاہدہ غزہ اریحا کے بعد کھل کر ہونے لگا ہے

مگر جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ اس کا فکرہ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کے موقع پر ہی وجود میں آیا تھا، بروقت شرق اوسط منڈی منصوبہ کے سلسلہ میں جتنے پروجیکٹ اور پروگرام پیش کئے گئے سب اس امریکی وثیقہ میں مذکور ہیں جو کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کے موقع پر شرق اوسط میں تعاون کے منصوبے کے عنوان سے پیش ہوا تھا، پھر ڈاکٹر مصطفےٰ خلیل وزیراعظم مصر کے دور میں "مارشال العربی" کے نام سے اس فکرہ کو ترقی ملی، پھر یوسف والی نائب وزیراعظم مصر کی زبانی شرق اوسط منڈی کے منصوبہ کا اعلان ہوا، یہ یہود کے ساتھ یک جہتی وتعلق کے بڑے علم برداروں میں سے تھے، انہوں نے صراحت سے کہا کہ اس منڈی میں اسرائیل ایک اساسی رکن کی حیثیت رکھے گا اور یہ کہ یہود کے ساتھ تعاون کے مؤیدین اب اس پوزیشن میں ہو گئے ہیں کہ انہیں نہ چھپنے کی ضرورت ہے اور نہ ناموں کے خفیہ رکھنے کی۔ اس طرح یہ فکرہ مرحلہ بہ مرحلہ آگے بڑھتا گیا، اس موضوع پر مسلسل اجتماعات ہوتے رہے، ڈاکٹر والی نے مصری اسرائیلی ایوان تجارت کے ارکان سے ملاقات کے موقع پر کہا تھا کہ مصر، اسرائیل اور عرب ممالک پر مشتمل اقتصادی بلاک اقتصادی صلاحیت کے حصول کا ضامن ہے اور اس سے خارجی دنیا کے ساتھ تعامل کی شرائط بھی بہتر ہو سکیں گی۔ اس بڑی منڈی کے قیام کی تائید امریکی انتظامیہ برابر کرتی رہی ہے، چنانچہ مصری وزارت زراعت کے ایک وفد نے غذائی سیاسات کی تحقیقات کے بین الاقوامی معہد کے ماہرین سے گفتگو کے لئے امریکہ کا سفر کیا تھا تاکہ منطقہ شرق اوسط میں منڈی کے قیام سے غذائی امن پر مرتب ہونے والے اثرات ونتائج کی تحقیق کی جائے۔

یہاں یہ بات بھی بہت اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے کہ مصر میں کس طرح بے روزگاری اپنی آخری حدوں تک پہونچ گئی تھی حتیٰ کہ بے روزگاروں کی تعداد تین ملین سے بھی تجاوز کر گئی تھی جس میں بائیس ہزار انجینیر بھی تھے اور پھر بین الاقوامی سیاسات خاص طور سے دباؤ میں لینے والے قرضوں کی سیاسات نے کس طرح محصر لیا، ایسے وقت میں جب کہ مصر میں بے روزگاری کا مسئلہ ٹائم بم کی شکل اختیار کر گیا، شرق اوسط منڈی کے فکرہ سے مصر رخ نہیں موڑ سکتا تھا اور ایسے وقت میں تمام بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی سیاسات کا دباؤ بھی مصر کو اس منڈی کے فکرہ کی قبولیت پر آمادہ کر چکا تھا، ٹھیک اسی وقت امریکہ اور اسرائیل کے درمیان وسیع پیمانہ پر ٹکنالوجی کا تبادلہ ہو رہا تھا، تاکہ اسرائیل کی ٹکنالوجی کا معیار بلند ہو جائے، اور وہ اس مجوزہ منڈی میں بھرپور حصہ لے سکے، یہ ایسے وقت میں ہو رہا تھا جب عربوں پر ٹکنالوجی کی خرید ممنوع تھی۔

مصری حکام اگرچہ اس منڈی کا مقصد بھی یہی بتاتے ہیں کہ امریکی قائدین کے تصورات کے مطابق پوری قوم کی کمزوریوں کو دور کرنا ہے، لیکن بڑے بڑے عرب اقتصادی ماہرین اور اصحاب قلم کی رائے اس سے مختلف ہے، چنانچہ صحافی صاحب قلم کامل زہیری کا کہنا ہے کہ شرق اوسط منڈی کے قیام کی دعوت کا معنی دشمن کے لئے متبادل راہ ہموار کرنا ہے اور پورے منطقۂ عربی کو نامسعود انقلاب کے حوالہ کر دینا ہے، اس منڈی کا مقصد عربی مال اور عربی تیل کو حاصل کرنا اور خاص طور سے مصری عاملین کے ہاتھوں کی ضمانت کے ساتھ اسے اسرائیلی ٹکنالوجی میں ڈال دینا ہے تاکہ وہ نیا دیو پیکر بن جائے جس کا سر نیو یارک میں اور اس کا دل اور اس کی عقل تل ابیب میں ہو۔ یہ اس عرب مشترکہ منڈی کا متبادل حل ہے جس کے قیام میں عرب ممالک نے تاخیر کر دی، یہ متبادل دشمن کی تخلیق ہے، اور ایسی صورت میں شورہ پشت صہیونیت کے مقابلہ کے بجائے متبادل دشمن اسلام ٹھہرے گا، ڈاکٹر جلال امین ماہر اقتصادیات کا کہنا ہے کہ ٹکنالوجی اور اقتصاد میں فائق حکومت ثقافتی اور حضاری تطور پر مؤثر ہوتی ہے، چنانچہ اسرائیل جب ہمارے ساتھ اقتصادی تعلقات سے مربوط ہوگا اور وہ ٹکنالوجی اور اقتصاد میں ہم پر فائق ہے تو اسرائیلی طریقۂ حیات اور اسرائیلی خواہشات کے ذریعہ ہم اپنے ثقافتی تطور میں محکوم بن جائیں گے، ٹھیک اسی طرح جیسے استعماری حکومتوں اور زیر استعمار اقوام کے تعلقات میں ہوتا رہا ہے۔

مصر اسرائیل کے ساتھ کامل تعلقات رکھنے والا واحد عرب ملک ہے اور اب معاہدہ غزہ اریحا کے بعد عرفات اور اس کی پارٹی بھی اس لائن میں لگ چکی ہے، اسرائیل کے ساتھ یک جہتی اور تعلقات کے نتائج مصر کے لئے نہایت شرمناک اور ذلت آمیز ہیں۔ شرق اوسط منڈی کی راہ ہموار کرنے کے لئے صہیونی مختلف خفیہ راہوں سے مصر کی صورت حال کو بگاڑنے کے لئے کوشاں ہیں۔ صہیونی مصر میں نشہ آور اشیاء کو خفیہ طور پر رائج کر رہے ہیں، در پردہ اسلحے درآمد کرکے ان کو مخصوص حلقوں تک پہونچا رہے ہیں، ڈالر کی شکل میں کھوٹے سکے نیز ایڈز کی بیماری بڑے پیمانہ پر مصر میں پھیلائی جارہی ہے، زراعتی زمینوں کو ناکارہ بنانے کیلئے زہریلے مادے درآمد کرکے مصری زراعت کو نقصان پہونچایا جارہا ہے، طاعون زدہ شہد کی مکھیاں درآمد کرکے شہد کی پیداوار کو متاثر کیا جارہا ہے، اور مختلف حیلوں اور ہتھکنڈوں اور سازشوں کے ذریعہ اسلام پسند اور مذہبی شخصیات کو قتل کرایا جارہا ہے۔

صہیونیوں کے ساتھ یک جہتی اور تعلقات نیز شرق اوسط منڈی کے قیام کے نتائج سے مصری حکومت اور مصری معاشرہ اس وقت آتش فشاں بنا ہوا ہے، کوئی وجہ نہیں کہ یہی صورت حال خلیجی ممالک کو بھی درپیش نہ ہو،

اس لئے کہ ٹکنالوجی اور اقتصادامور میں فائق اسرائیل اپنے طریقہ حیات کے مطابق عرب ثقافت وحضارت کو ضرور نقصان پہونچائے گا اور اسے زیر کرے گا اور اس طرح اسے نہ صرف شرق اوسط منڈی میں چودھراہٹ حاصل ہوگی بلکہ نیل سے فرات تک عظیم اسرائیل کے خواب کی تعبیر کی راہیں بھی ہموار ہوں گی، اس لئے شرق اوسط منڈی کے قیام کے منادوں اور علم برداروں کو یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ کچھ اقتصادی ترقی بڑے بڑے خساروں کی قیمت پر ہوسکتی ہے، اور قوم کی زندگی میں اقتصاد ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اگر عرب قوم اپنی حضارت وثقافت اور دین محمدی ہی کا جوہر گنوا بیٹھے تو کچھ اقتصادی ترقی نہ صرف اس کے لئے بلکہ سارے عالم کے لئے ایک بے معنی شئی ہے۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

❊

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ

زلزلہ اسباب، مصالح اور احکام

تحریر: مولانا محمد المتین سلفی، بنارس

یوں تو صناع عالم نے اس کائنات میں اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں ودیعت کی ہیں بلکہ ہر مخلوق میں اس کی قدرت کاملہ کی جلوہ گری نمایاں ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیاں ایسی بھی ہیں جنہیں وہ مختلف مصالح وحکم کے پیش نظر وقتاً فوقتاً ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً چاند اور سورج گرہن، سیلاب، قحط، طوفان، رعدوبرق، خسف وقذف وغیرہ۔

فرمانِ نبوی ہے: "ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاته ولکن یخوف اللہ بهما عباده" (صحیح بخاری مع الفتح ۲/۶۲۳-۶۲۴، صحیح مسلم مع النووی ۶/۲۰۵)

بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں وہ کسی کی موت یا پیدائش سے گرہن آلود نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔

زلزلہ بھی ان عظیم الشان نشانیوں میں سے ایک ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"والزلازل من الآیات التی یخوف اللہ بها عباده کما یخوفهم من الکسوف وغیره من الآیات والحوادث لها اسباب وحکم فکونها آیة یخوف اللہ بها عباده هی من حکمة ذلك" (حاشیۃ کشف الصلصلۃ ص۲۸)

اور زلزلہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے ہے جن سے وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جس طرح وہ اپنے بندوں کو سورج گرہن وغیرہ سے ڈراتا ہے، اور ان حوادث کے ظہور کی حکمتیں اور اس کے اسباب ہوتے ہیں چنانچہ اس کی (زلزلہ) ایسی نشانی ہونا جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرائے اس کی حکمت میں سے ہے۔

زلزلہ کے اسباب

زلزلہ کے اسباب سے متعلق کسی بھی سائنسی نظریہ کی صحت کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ متعدد مواقع پر اس سلسلہ کی بعض سائنسی معلومات یا پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوچکیں ہیں، البتہ اس سلسلہ میں علم ہیئت کے قدیم ماہرین کا جو موقف رہا ہے اسے بعض علمائے اسلام نے بھی نقل کیا ہے، مثلاً شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"فمن اسبابه إنضغاط البخار في جوف الأرض، كما ينضغط الريح والماء في المكان الضيق، فاذا إنضغط طلب مخرجا ينشق ويزلزل ما قرب منه من الارض" (حاشية كشف الصلصلة ص۲۸)

چنانچہ زلزلہ کے اسباب میں سے زمین کی تہہ میں بھاپ کا دباؤ ہے، جس طرح کسی تنگ جگہ میں پانی اور ہوا کا دباؤ رہتا ہے پس جب بھاپ کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو وہ اپنے نکلنے کا راستہ تلاش کرتی ہے تو اسے راستہ نہیں ملتا جس کا اثر اس سے متصل علاقوں میں زلزلہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ بھی ایک علمی و تجربی موقف ہے اس لئے اس کی نفی نہیں کی جاسکتی، البتہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا مدبر اور مسبب الاسباب ہے اس لئے اس کا سبب وہی پیدا کرتا ہے اور بہتر جانتا ہے۔

زلزلہ کے اسباب کے سلسلہ میں چند عوامی اوہام ہیں جن کی بنیاد ماثور روایتیں ہیں اس لئے اس موقع پر ان کا تجزیہ بھی ضروری ہے تاکہ ان کے تار و پود بکھر جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

"خلق الله جبلا يقال له قاف محيط بالعالم وعروقه الى الصخرة التي عليها الارض فاذا اراد الله ان يزلزل قرية امر ذلك الجبل فحرك العرق الذي يلي تلك القرية فيزلزلها ويحركها فمن ثم تحرك القرية دون القرية۔" (الدر المنثور ۱۰۲/۶ - نقلا عن كتاب العظمة لابن حبان وكتاب العقوبات لابن ابى الدنيا وكشف الصلصلة للسيوطي ۲۱-۲۲)

اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ پیدا کیا جسے کوہ قاف کہتے ہیں یہ عالم کو محیط ہے اور اس کی رگیں اس چٹان تک پھیلی ہوئی ہیں جس پر یہ دنیا قائم ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی بستی کو ہلانا چاہتا ہے تو اس پہاڑ کو حکم دیتا ہے چنانچہ یہ اپنی اس رگ کو جو اس گاؤں سے متصل ہوتی ہے حرکت دیتا ہے جس سے اس بستی میں زلزلہ آجاتا ہے اور

دوسری بستی محفوظ رہتی ہے ۔

کشف الصلصلۃ کے محقق نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ایک راوی جو اس روایت کے دونوں سندوں میں آتے ہیں مجہول ہیں نیز ابن حبان کے شیخ عبداللہ بن محمد بن یعقوب ضعیف بھی ہیں ۔ (انظر کشف الصلصلۃ مع التعلیق للفریوائی ص۲۲)

الغرض یہ روایت سنداً مخدوش اور ناقابل احتجاج ہے ۔

اس مفہوم کا دوسرا اثر جسے ابن عساکر نے کتاب الزلازل میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور تیسرا جسے عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں عکرمہ سے نقل کیا ہے جو سنداً ضعیف ہے ۔ (انظر کشف الصلصلۃ مع التعلیق ص۲۲-۲۶)

زلزلہ کے اسباب کے بارے میں دوسری رائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث و تفسیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ " إذا أراد الله أن يخوف عباده أبدى عن بعضه للأرض فعند ذلك تزلزلت وإذا أراد الله أن يدمدم على قوم تجلى لها ۔" (کشف الصلصلۃ ص۲۶ نقلا عن كتاب السنة للطبراني)

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تو زمین سے اپنا بعض حجاب اٹھا دیتا ہے تو اس وقت زلزلہ واقع ہو جاتا ہے اور جب کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو زمین پر تجلی فرما دیتا ہے ۔

یہ اثر بھی سنداً ضعیف ہے، کیونکہ طبرانی کے شیخ اور شیخ الشیخ دونوں ضعیف ہیں نیز اس کے ایک راوی یحییٰ بن ابی کثیر ہیں جو مدلس ہیں اور انہوں نے عنعنہ سے روایت کیا ہے گویا اس کی سند میں تین وجوہ تضعیف یکجا ہیں ۔ (کشف الصلصلۃ مع التعلیق ص۲۶)

اسی مفہوم کا ایک اور اثر دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسند الفردوس میں نقل کیا ہے مگر وہ بھی سنداً انتہائی ضعیف بلکہ موضوع ہے ۔ (کشف الصلصلۃ مع التعلیق ص۲۷-۲۸)

اس سلسلہ کی تیسری رائے حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ زمین ثری (گیلی مٹی) پر قائم ہے اور ثری صخرۃ (چٹان) پر اور صخرہ ثور (بیل) پر اور ثور حوت (بڑی مچھلی) پر اور وہ مچھلی جب حرکت میں آتی ہے تو اس سے زلزلہ آتا ہے ۔ یہ روایت بھی سنداً ضعیف بلکہ اسرائیلی حکایات میں سے ہے ۔ (کشف الصلصلۃ

صہ ۲۴-۲۵ نقلا عن تفسیر ابن المنذر)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ زلزلہ کے اسباب کے سلسلہ میں جو آثار منقول ہیں وہ سب سنداً ثابت نہیں بلکہ اسرائیلی خرافات ہیں جنہیں بعض مفسرین نے نقل کر دیا ہے، اس لئے ان آثار پر اعتماد کرنا یا یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے۔

زلزلہ کے مصالح

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ہر نشانی عبرت و موعظت سے بھری پڑی ہے، زلزلہ جو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ایک ہے اس کے مصالح اور عبرت و موعظت کے تمام پہلو سے وہی علیم وخبیر ہی باخبر ہے مگر جو مصالح شرعاً منصوص ہیں ان کا ذکر ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تخویف وتنبیہ کے لئے اپنی نشانیاں ظاہر فرماتا ہے تاکہ انھیں ان کے سیاہ کاری پر سرزنش کرے، فرمان باری ہے " وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔" (اسراء / ۵۹)

ہم نشانیاں صرف تخویف کیلئے ہی بھیجتے ہیں۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے سلسلہ میں فرمایا: هذه الأيات التى يرسل الله لاتكون لموت أحد ولا لحياته، ولكن يخوف الله بها عباده، فاذا رأيتم شيئا من ذلك فافزعوا إلى ذكره ودعائه واستغفاره۔" (صحیح بخاری مع الفتح ۲ / ۶۳۴)

یہ نشانیاں جنہیں اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے یہ کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتیں، اور لیکن اللہ ان سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، تم جب ان میں سے کسی نشانی کو دیکھو تو تم ذکر واذکار کرو اور دعاء واستغفار سے پناہ حاصل کرو۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ " ان الله يخوف الناس بما شاء من الآيات لعلهم يعتبرون ويذكرون ويرجعون ۔" (تفسیر ابن کثیر ۳ / ۵۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنی جس نشانی سے چاہتا ہے لوگوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ عبرت ونصیحت حاصل کریں اور بے راہ روی سے باز آجائیں۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ زلزلہ انسانوں کے لئے تازیانۂ عبرت اور سامان موعظت ہے نیز وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کی گرفت بھی ہے جسے وہ انسانوں کی بداعمالی کے نتیجہ میں ظاہر کرتا ہے، چنانچہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ

کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب مالِ فئے چند ہاتھوں کی جاگیر بن جائے اور امانت کو مالِ غنیمت اور زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جائے اور علوم شرعیہ دینداری کے لئے حاصل نہ کیا جائے، اور مرد اپنے بیوی کی اطاعت کرے اور ماں کی نافرمانی اور دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور رکھے اور مسجد میں آوازیں بلند ہوں اور قبیلہ کا فاسق اس کا سردار اور قوم کا قائد اس کا بدبخت شخص ہو اور لوگوں کی عزت اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کیا جائے راگ ورنگ عام ہوں، شراب سربازار پیا جائے اور بعد کے امتی قرون اولیٰ کے امتیوں پر لعنت بھیجیں تو اس وقت سرخ آندھی، زلزلہ، زمین کا دھنسنا، مسخ اور پتھروں کی بارش کا انتظار کرو، اور ایسی نشانیاں جو یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔ (سنن ترمذی ۴/۲۹-۴۲۸)

یہ روایت سنداً مخدوش ہے مگر اس کے توابع اور شواہد سے اسے تقویت ملتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب منکرات کا دوردورہ ہوگا اس وقت عذاب مختلف شکلوں میں پے در پے نازل ہوں گے۔

نیز یہ حدیث بعض ان منکرات کی تحدید کرتی ہے جو اس وقت مسلم معاشرہ میں عام ہیں اور اسے بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ زلزلہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے ایک ہے جو اپنے اندر عذاب کا پہلو رکھتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: "قل هو القادر على أن يبعث عليكم عذابا من فوقكم أو من تحت ارجلكم ...." (الانعام/۶۵)

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ وہ ذات اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہارے اوپر سے عذاب نازل کردے یا تمہارے پیروں تلے سے ....۔

اس آیت کی تفسیر میں مجاہد کہتے ہیں کہ اوپر سے نازل ہونے والے عذاب سے مراد صیحہ، پتھر اور آندھی ہیں اور پیروں تلے سے آنے والے عذاب سے مراد زمین کا دھنسنا اور زلزلہ ہے۔ (الدار المنثور ۳/۲۸۳)

عذاب سے متعلق عوامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ صرف کفار و مشرکین پر نازل ہوتا ہے جب کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے فساق و فجار بلکہ صلحاء و ابرار بھی اس سے کبھی کبھی محفوظ نہیں رہتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امتي هذه امة مرحومة ليس عليها

عذاب فی الآخرۃ عذابہا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل ۔" (سنن أبوداؤد ۴/۱۰۵)

میری یہ امت اللہ تعالیٰ کی رحمت ونوازش سے مالا مال ہے یہ آخرت میں عذاب نہیں دی جائے گی بلکہ دنیا میں اس کا عذاب فتنے، زلزلے اور قتل وخونریزی ہے۔

امت سے مراد یا تو غالب امت ہے یا وہ افراد جو اعتقاداً وعملاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زلزلے عذاب ہیں اور یہ صلحاء وابرار، فساق وفجار، مشرکین وکفار سب کے لئے یکساں ہیں البتہ صلحاء کے لئے باعث غفران اور رفع درجات اور بدکردار کے لئے باعث غضب وبوار۔

چنانچہ عہد صحابہ میں جب جب زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے جاتے تو خوف وہراس عام ہو جاتا، اور یہ خوف کسی جانی ومالی نقصان کی وجہ سے صرف نہ ہوتا بلکہ بدعات کے ظہور اور منکرات کے عام ہونے کی وجہ سے ہوتا، محاسبۂ نفس کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا، لوگ توبہ واستغفار میں لگ جاتے، اصلاح وتقویٰ کی تلقین کی جاتی۔ اور ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ بعض صحابہ نے کسی شہر میں منکرات ومعاصی کی کثرت دیکھ کر اس کو ہی چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا عذاب نازل کر دے، جب عہد صحابہ میں جو کہ افضل قرون تھا، منکرات محدود تھے اور نیکوکاروں کی کثرت تھی تو اس وقت معاصی ومنکرات پر صحابۂ کرام کے خوف وہراس اور بے چینی واضطراب کا یہ عالم تھا تو موجودہ دور میں نزول عذاب کا اندیشہ کس قدر غالب ہو جاتا ہے اس کا احساس ہر مسلمان کو ہونا چاہیئے۔

آج کوئی دن نہ سہی تو کم از کم کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا جو عذاب کی کسی مثال سے خالی ہو بلکہ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ عذاب کی کثرت سے ہماری بے حسی میں مزید اضافہ ہوتا ہے، فرمان باری ہے: " ونخوفہم فما یزیدہم إلا طغیانا کفورا " (اسراء/۶۰) اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو ان کے عناد وسرکشی میں مزید اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ہم اسے حوادث سمجھ کر اس سے گذر جاتے ہیں اور اس میں اپنے لئے تازیانۂ عبرت نہیں تلاش کرتے اور جب ہم خود کبھی اس طرح کے حوادث کی زد میں آجاتے ہیں تو پھر نالہ وشیون اور آہ وفغاں کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

مشہور عربی مثل ہے کہ " خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بدبخت وہ ہے جو دوسروں کے لئے نصیحت بن جائے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں متعدد زلزلے آئے، ایک بار جب زلزلہ آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "احدثتم واللہ ان عادت لافعلن ولافعلن" (تفسیر ابن کثیر ۵۲/۳) اللہ کی قسم تم نے گناہ کیا ہے اگر یہ زلزلہ لوٹا تو میں تمہیں اس کا مزا چکھاؤں گا۔

ایک بار جب شدید زلزلہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا: "احدثتم لقد عجلتم لئن عادت لاخرجن من بین ظہرانیکم۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۷۳/۲) تم نے گناہ کیا، تم نے بہت جلد بازی سے کام لیا اگر یہ دوبارہ آیا تو میں تمہارے درمیان سے نکل جاؤں گا۔

اسی طرح جب ایک بار کوفہ میں زلزلہ آیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: "ایہا الناس ان ربکم یستعتبکم فاعتبوہ۔" (تفسیر ابن کثیر ۵۲/۳) اے لوگو! بے شک تمہارا رب تمہاری سرزنش کر رہا ہے تو تم اپنی اصلاح کر لو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "انا کنا اصحاب محمد نری الآیات برکات وانتم ترونہا تخویفا۔" (سنن دارمی ۲۸/۱) ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں برکت و کرامت کی شکل میں دکھلایا کرتا تھا اور تم لوگوں کو تخویف و تنبیہ کی شکل میں دکھلاتا ہے۔

ان تمام نصوص سے یہ ثابت ہوا کہ زلزلہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے اسے اللہ تعالیٰ تخویف و انذار کے لئے بھی ظاہر کرتا ہے اور عذاب و بوار کے لئے بھی۔ اور اس کا انسان کی سیہ کاری اور بداعمالی سے گہرا تعلق ہے اور جوں جوں منکرات کی کثرت ہوگی، معاشرہ میں اشرار و فجار کا غلبہ ہوگا یوں یوں عذاب بڑھتا جائے گا۔

اور امر واقعہ اس شرعی پیشین گوئی کی تصدیق کرتا ہے، چنانچہ ۳۰/ستمبر سے لے کر ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۳ء تک یعنی صرف دو ہفتہ میں چار ممالک میں متعدد بار زلزلے آئے۔ مہاراشٹر اور کرناٹک کا شدید ترین زلزلہ، انڈونیشیا، جاپان اور امریکہ میں زلزلے کے جھٹکے۔

یقیناً حضرت عبداللہ بن مسعود کا مذکورہ بالا قول سچ ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جب نیکوکاروں کا دور دورہ ہوتا ہے تو کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں اور جب منکرات کا بول بالا ہوتا ہے تو عذاب نازل ہوتے ہیں۔

زلزلہ قربِ قیامت کی علامت

زلزلہ قرب قیامت کی علامت ہے اس کی وضاحت متعدد صحیح احادیث میں آئی ہے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ " لاتقوم الساعة حتی یقبض العلم وتکثر الزلازل .... (صحیح بخاری مع الفتح ۱۳/۸۸)

قیامت اس وقت قائم ہوگی جب علم اٹھالیا جائے گا اور زلزلوں کی کثرت ہوگی ۔ حضرت سلمہ السکونی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " بین یدی الساعة موتان شدید وبعده سنوات الزلازل (مسند احمد ۴/۱۰۴ ، سنن دارمی ۱/۴۳)

قیامت کے قریب بہت زیادہ موت واقع ہوگی اور اس کے بعد زلزلوں کے سال ہوں گے ۔

حضرت عبداللہ بن حوالہ کی روایت میں ہے کہ " وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یده علی راسی فقال یا ابن حوالہ اذا رأیت الخلافة قد نزلت الارض المقدسة فقد دنت الزلازل والبلابل والامور العظام والساعة یومئذ اقرب الی الناس من یدی هذه من راسك " (سنن ابوداؤد ۳/۱۹)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور فرمایا اے ابن حوالہ جب تم دیکھو کہ خلافت (کا مرکز) سرزمین مقدس (مدینہ منورہ) سے ختم ہوگیا تو اس وقت زلزلے ، مصائب اور حادثات قریب ہوجائیں گے اور قیامت لوگوں سے تمہارے سر پہ میرے ہاتھ سے بھی زیادہ قریب ہوگی ۔

اس روایت میں زلزلوں کے قرب سے مراد اس کی کثرت ہے نیز اس سے قرب مکانی بھی مراد لیا جاسکتا ہے ، ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ زلزلے قرب قیامت کی علامت ہیں ۔

زلزلے کے احکام

زلزلے کے متعدد احکام صحیح احادیث اور آثار سلف سے ثابت ہیں اور ان میں سب سے اہم حکم نماز ہے ، آفت ناگہانی کے موقع پر نماز کا سہارا لینا قرآن کریم کا حکم اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ، نیز بعض احادیث میں یہ صراحت آتی ہے کہ اللہ تعالی جب بھی اپنے بندوں کی تنبیہ کے لئے کوئی نشانی ظاہر کرے تو نماز پڑھی جائے ، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت ہے کہ " صلاة الآیات ست رکعات واربع سجدات " (صحیح ابن حبان ۴/۲۱۲ ، مصنف

ابن ابی شیبۃ ۲/۴۷۲)
آیات کی نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے ہیں - یہ حدیث سنداً صحیح ہے اور متعدد صحابہ کرام کا اس پر عمل ثابت ہے، اور جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے -
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح منقول ہے کہ " انه صلى فى الزلزلة بالبصرة فاطال القنوت ثم ركع ثم رفع راسه فاطال القنوت ثم ركع ثم رفع راسه فاطال القنوت ثم ركع ثم سجد ثم صلى الثانية كذلك فصارت صلاته ثلاث ركعات واربع سجدات، وقال هكذا صلاة الأيات وقال معمر اخبرني بعض اصحابنا ان ابن عباس قرا فى الركعة الاولى بالبقرة وبالأخرة بآل عمران "
وفى رواية عنه انه صلى فى الزلزلة بالبصرة فاتفقا على انه ركع فى ركعتين ست ركعات ثلاث فى كل ركوع -". (مصنف عبدالرزاق ۲/۲۷۴، سنن بیہقی ۳/۳۴۳)
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ میں زلزلہ کے موقع پر نماز پڑھی تو بہت طویل قیام کیا پھر رکوع کیا پھر سر کو اٹھایا اور طویل قیام کیا پھر رکوع کیا پھر سر کو اٹھایا اور طویل قیام کیا پھر رکوع کیا پھر سجدہ، اسی طرح دوسری رکعت پڑھی تو ان کی یہ نماز تین رکوع (ایک رکعت میں) اور چار سجدوں پر مشتمل تھی اور کہا کہ اسی طرح نشانیوں کی نماز پڑھی جائے گی، معمر کہتے ہیں کہ میرے بعض اصحاب نے مجھے بتلایا کہ حضرت ابن عباس نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ پڑھا اور دوسری میں آل عمران -
حضرت ابن عباس سے ہی دوسری سند سے منقول ہے کہ انہوں نے بصرہ میں زلزلہ کے موقع پر نماز پڑھی تو دونوں راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انہوں نے دونوں رکعت میں چھ رکوع کیا یعنی ہر رکعت میں تین رکوع -
اسی طرح حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ " صلى حذيفة بالمدائن باصحابه مثل صلاة ابن عباس فى الأيات " (مصنف عبدالرزاق ۲/۲۷۴)
حضرت حذیفہ نے مدائن میں اپنے تلامذہ کو آیات کے موقع پر حضرت ابن عباس کی طرح نماز پڑھائی۔
زلزلہ کے موقع پر نماز سے متعلق ایک اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ " انه صلى فى زلزلة

ست رکعات فی اربع سجدات، خمس رکعات وسجدتین فی رکعۃ و رکعۃ وسجدتین فی رکعۃ۔" (سنن بیہقی ۳/۳۴۳)

کہ انہوں نے زلزلہ کے موقع پر نماز پڑھی چھ رکوع اور چار سجدہ، ایک رکعت میں پانچ رکوع اور دو سجدہ اور ایک رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدہ۔

یہ اثر سنداً ضعیف ہے، نیز صحیح حدیث وآثار کے مخالف بھی ہے اس لئے منکر ہے۔

امام نووی کہتے ہیں "ھذا الاثر عن علی لیس بثابت۔" (المجموع ۵/۵۸-۵۹)

حضرت عائشہ کی مرفوع روایت نیز اثر ابن عباس اور اثر حذیفہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے استدلال کرتے ہوئے امام احمد، اسحاق اور دیگر علماء زلزلہ کے موقع پر نماز با جماعت کی مشروعیت کے قائل ہیں اور امام شافعی جماعت کے قائل نہیں اگرچہ نماز کے قائل ہیں کیونکہ حضرت علی کا اثر سنداً ثابت نہیں (غالباً اس سلسلہ میں انہیں صرف حضرت علی کا اثر ہی ملا ہو ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ کا اثر سنداً ثابت ہے)۔ (فتح الباری ۲/۶۰۶۔ المجموع ۵/۵۸-۵۹)

خلاصۂ کلام یہ کہ زلزلہ کے موقع پر نماز با جماعت مشروع ہے اور اس کی کیفیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔

زلزلہ کے موقع پر خطبہ دینا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے (جیسا کہ اثر گذر چکا ہے) نیز شعبی سے منقول ہے کہ اس موقع پر مسجد میں رہنا مسنون ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ "فزع الناس فی انکشاف شمس او قمر او شیئ فقال الشعبی علیکم بالمسجد فانہ من السنۃ۔" (۲/۴۷۰)

لوگوں پر سورج گرہن یا کسی اور وجہ سے خوف طاری ہوا تو شعبی نے کہا تم مسجد کو لازم پکڑو کیونکہ یہ سنت ہے۔

نیز اس موقع پر تضرع وانابت دعا واستغفار صدقہ وخیرات اور تسبیح وتہلیل مشروع ہے۔ فرمان نبوی ہے " فاذا رأیتم شیئا من ذلک فافزعوا إلی ذکرہ ودعائہ واستغفارہ۔"

(صحیح بخاری مع الفتح ۲/۶۳۴)

جب تم ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو ذکر واذکار اور دعاء و استغفار میں لگ جاؤ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بسند حسن منقول ہے کہ جب ملک شام میں زلزلہ آیا تو انہوں نے اپنے حکام کو لکھا کہ جو شخص صدقہ وخیرات کرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ صدقہ وخیرات کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی ۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۷)

ان حسنات کے ساتھ ساتھ اس موقع پر ایک اہم چیز محاسبۂ نفس بھی ہے کیونکہ جب مصائب کا پیش خیمہ سیاہ کاری ہے تو ان مواقع پر ان سیاہ کاروں کی نشان دہی ہونی چاہئے تاکہ ان کا ازالہ کیا جاسکے کیونکہ اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ امراض کا سدباب بھی ضروری ہے۔

صحابہ کرام ان مواقع پر محاسبۂ نفس کرتے تھے اور لوگوں کو اس کی تلقین بھی کرتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ دعائیں بکثرت پڑھنا چاہئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصائب وفتن سے پناہ حاصل کرنے کے لئے ثابت ہیں، دعا کی کتابیں ایسی دعاؤں سے بھری پڑی ہیں۔

اللھم انا نعوذ برضاك من سخطك، بمعافاتك من عقوبتك وبك لا نحصی ثنا وعلیك انت کما اثنیت علی نفسك ۔ ...

نشانِ منزل

سانس ایک نعمتِ عظمیٰ

پروفیسر (ریٹائرڈ) ڈاکٹر غلام نبی ۔ شعبۂ کیمیا، جامعہ پنجاب، لاہور

اللہ جل شانہ کو رحمٰن ورحیم، خالق ورازق، رب کائنات، مالک الملک اور مالک یوم الدین تسلیم کرنے کیلئے صرف انسان کے نظام تنفس پر غور وفکر کرنا ہی کافی ہے، یہ سانس جس کے ذریعے ہم ہوا پھیپھڑوں کے اندر کھینچتے اور باہر خارج کرتے ہیں ایک ایسا بیش قیمت تحفہ ہے جو خالق حقیقی نے ہر جاندار کو اپنی حکمت بالغہ کے تحت بالکل مفت اور بلا طلب عطا کیا ہے، کیا کوئی شخص ہے جو زمین وآسمان کے تمام خزانے دے کر میّت کو صرف ایک سانس واپس دلا سکتا ہو؟ ہرگز نہیں! جب انسان کا سانس بند ہوا وہ ہمیشہ کے لئے چلا گیا، جیسا کہ وہ تھا ہی نہیں، اور اس کے دنیاوی رشتے یک دم ٹوٹ گئے، یہی حال قوموں کا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد الٰہی ہے:

فلولا اذا بلغت الحلقوم، وانتم حینئذ تنظرون ۔ ترجمہ: بھلا جب روح (مرنے والے کی) حلق میں آپہونچتی ہے اور تم اس وقت (کی حالت کو) دیکھا کرتے ہو۔ ونحن أقرب الیه منکم ولکن لاّ تبصرون ۔ اور ہم اس (مرنے والے) سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں، لیکن تم کو نظر نہیں آتے۔ فلولا ان کنتم غیر مدینین، ترجعونها ان کنتم صٰدقین۔ پس اگر تم کسی (اللہ) کے بس میں نہیں ہو تو اگر سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا لیتے۔ (سورۃ الواقعہ ۸۳ تا ۸۷)

ولکل امة اجل، فاذا جاء أجلهم لایستاخرون ساعةً ولایستقدمون۔
ترجمہ: اور ہر امت کے لئے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے، جب وہ آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔ (سورہ اعراف ۳۴)

ابھی چند لمحے قبل جو انسان زندگی میں بھرپور حصہ لے رہا تھا، محض ایک سانس کی آمد ورفت بند ہونے سے مٹی

کا ڈھیر ہے، جس کو گرد و نواح کی کچھ خبر نہیں، ایک سانس کے تسلسل سے ہی زندگی قائم ہے، اللہ! اللہ! اس ایک سانس کی اہمیت سمجھنے کے لئے درج ذیل حقیقت پر غور فرمائیے:

ایک صحت مند آدمی تقریباً تیس سانس فی منٹ لیتا ہے، ایک دن میں تینتالیس ہزار دو سو (43,200) سانس اور ایک ماہ (30 ایام) میں بارہ لاکھ چھیانوے ہزار (12,96000) سانس اور ایک سال (365 ایام) میں ایک کروڑ ستاون لاکھ اڑسٹھ ہزار (1,57,68,000) سانس لیتا ہے، اسی حساب سے کسی فرد کی جتنی طبعی زندگی ہو اس کے سانسوں کی تعداد شمار کی جا سکتی ہے۔ پھر اتنے سانسوں کی قیمت کا اندازہ لگائیں جب کہ ہم ناعاقبت اندیش بندے ایک سانس کی بحالی کی قیمت ادا نہیں کر سکتے، اے جاہل اور ناشکرے انسان ذرا سوچ! تیرے ہی بارے میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:

إن الإنسان لربه لكنود۔ (سورة العاديات ۶)

ترجمہ: یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها، إن الإنسان لظلوم كفار۔

ترجمہ: اور اگر تم گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو، بے شک انسان بڑا نا انصاف (اور) ناشکرا ہے۔

(سورہ ابراھیم ۳۴)

افسوس ہے تجھ پر اے ظالم اور احسان فراموش انسان! تو ذرا ہوش میں آ اور سوچ کہ اس بیش قیمت نعمت عظمیٰ کو کس غفلت اور بیدردی سے اللہ عزوجل کی نافرمانی میں اپنی بربادی کے لئے صرف کر رہا ہے، کیا یہ ایک بہت بڑا جرم اور گھاٹے کا سودا نہیں ہے؟

بھائیو! اور بہنو! یوم الدین ہمیں رب العزت کے حضور ایک ایک سانس کا حساب دینا ہوگا، یہ وہ گھڑی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر پناہ مانگتے رہے ہیں، بلکہ محبوب الٰہی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سردار انبیاء بھی پکار اٹھتے ہیں:

اللهم حاسبني حسابا يسيرا۔ ترجمہ: اے اللہ تو میرا حساب آسانی سے لیجیو۔

(مستدرک الحاکم جلد ۳، ۵۷، ۲۵۵)

دیکھو! وہ وقت کتنا بھاری اور تکلیف دہ ہوگا، استغفر اللہ!

اِقْرَأْ كِتَابَكَ ، كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۔

ترجمہ: (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ، تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۴)

ہمیں اس دار العمل میں سانس بند ہونے سے قبل زندگی کی فرصت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے دار الآخرت کا توشۂ عافیت کمانا چاہئے تاکہ اللہ جل جلالہ کے حضور اپنا ریکارڈ پیش کرتے ہوئے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، وہاں تو دائمی جہنم یا ابدی جنت میں قیام ہوگا، ان دو مقامات میں سے ایک کا انتخاب ہمیں یہاں خود کرنا ہے، کیونکہ اس کا انحصار ہمارے اس فیصلے پر ہے کہ ہم نفسِ امّارہ اور شیطان مردود کی پیروی کرتے ہیں یا قرآن وسنت کی۔ نتیجہ اسی کے مطابق ہوگا۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۔ (سورۃ الدھر ۳)

ترجمہ: (اور) ہم نے اسے راستہ بھی دکھا دیا (اب وہ) خواہ شکر گذار ہو خواہ ناشکرا۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۔ (سورۃ الشمس ۸)

ترجمہ: پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی۔

حیف ہے کہ ہم ناعاقبت اندیش نام نہاد مسلمان کس بیدردی سے اپنے بیش قیمتی سانسوں یعنی لمحاتِ زندگی کو باہمی لڑائی، جھگڑوں، نفاق، جھوٹی انا، تکبر اور گندہ مغربی کلچر اپنانے میں ضائع کر رہے ہیں، آج ہم میں وہ تمام کمزوریاں اور برائیاں پائی جاتی ہیں جو قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ اور بنی اسرائیل میں موجود تھیں۔ بلکہ ہم ان کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت تمام غیر مسلم اقوام دنیا میں ہر جگہ ہر گھڑی ہماری لاشوں کو نوچ اور عزتوں کو بے خوف وخطر لوٹ رہی ہیں، ہم مسلمان اتنے بے حس، بے غیرت اور بزدل ہو گئے ہیں کہ عملی جہاد تو ایک طرف رہا اس انسانیت سوز ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ۔۔ لعنت ہے ایسی بے شرمی اور بے حیائی کی زندگی پر!

ہماری مسجدیں علانیہ مسمار کی جارہی ہیں، جان ومال اور ذرائع ووسائل تک غیر محفوظ ہی نہیں بلکہ کفار کے قبضہ وتصرف میں ہیں، حد تو یہ ہے کہ ہم سیاسی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی، ذہنی اور فکری طور پر ان کے غلام ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اسلامی اخلاق واقدار اور تعلیم وکردار کو رجعت پسندی، دقیانوسیت، ملاازم اور بنیاد پرستی کا نام دے کر فخریہ نفرت وبیزاری کا اظہار کرتے ہیں تاکہ ہمارے مغربی آقا وسرپرست خوش ہو جائیں

بے شک اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے، پرواہ نہیں! وہ تو غفور رحیم ہے، کیوں نہ اپنے باغیوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمانوں کو بخشے گا! نجات کے لئے کتنا آسان اور مسحور کن عقیدہ اختیار کیا گیا ہے، تمہارے یہ مربی تو تمہارے کفر اختیار کرنے پر ہی راضی ہوں گے۔

ولن ترضیٰ عنك الیهود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتهم۔

ترجمہ: اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔ (سورۃ البقرۃ ۱۲۰)

اب تو ہمارے مغرور، بے باک، دینِ الٰہی سے بے بہرہ اور "کنفیوزڈ" لیڈران کرام اللہ کے دین کی بنیاد قرآن اور سنت کو قرار دینے کی بجائے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے اسلام کو قرار دیکر اس بدنصیب قوم کو شاطرانہ چالوں سے "کنفیوز" کر کے مزید تقسیم کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس طرح یہ خواتین وحضرات مذہبی وسیاسی راہنماؤں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ ان کا مقصدِ سیاست یہ ہے کہ ہم غیر اقوام کا تر نوالہ بن سکیں، اور یہود کو "جیو ورلڈ آرڈر" نافذ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے، مزید برآں بطور انعام اقتدار کی گدی پر براجمان ہونے کے لئے امریکہ اور اسرائیل کی خوشنودی اور سرپرستی حاصل ہو جائے۔ اللہ جبار وقہار کی بجائے ان دو طاقتوں سے ہم زیادہ خوف زدہ ہیں، اس وقت اقتدار و عزت کا معیار ان سے قریبی تعلقات، دینِ الٰہی سے دوری، لبرل ازم اور ڈالر کی پوجا قرار پاگئے ہیں۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ ایک ارب تیس لاکھ (تقریباً) مسلمانوں کو ایک کروڑ تیس لاکھ مغضوب علیہ یہودیوں کے ہاتھوں ذلیل ورسوا کر رہا ہے۔ آج ہم پر قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ کا پورا پورا اطلاق ہوتا ہے جو یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی:

وضربت علیهم الذلة والمسكنة وباءو بغضب من الله۔

ترجمہ: (آخرکار) ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (وبے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ (سورۃ البقرۃ ۶۱)

دیکھئے! غیر مسلم اقوام اپنا وقت ہماری طرح ضائع نہیں کرتی ہیں بلکہ ہمیں الو بنا کر آپس میں خوب لڑاتی ہیں، وہ منصوبہ بندی، دور اندیشی، علم وعمل اور سائنس وٹیکنالوجی میں کمال حاصل کر کے بحر و بر اور فضاؤں پر چھا گئی ہیں اور اب تو ستاروں کو مسخر کر رہی ہیں، ان کے ہاں جمہوری ادارے اور حکومتیں مستحکم ہیں، وہ ہر معاملے میں غور وفکر

اور اعلیٰ درجے کی تحقیق سے کام لیتے ہیں، ان کے مفاد مشترک ہیں، ایک دوسرے کی دل وجان سے مدد کرتے ہیں آپس میں عہد کے پکے ہیں، ہر آنے والی صبح کو بہتر اور روشن دیکھنے کے لئے مسلسل محنت شاقہ کرتے ہیں۔

ہم مسلمانوں نے منافقت، خیانت، جہالت، غربت، غیبت، ریاکاری، دھوکہ دہی، حرام خوری، بدعہدی، چغل خوری، سنگدلی، بے راہ روی، بے حسی، ملاوٹ اور سہل انگاری میں تمام قوموں کو مات کردیا ہے یہ کتنا عظیم بگاڑ اور ہولناک فساد کا منظر ہے، اس ذلت ورسوائی سے نجات کا صرف ایک طریقہ ہے کہ پہلے اللہ جل شانہٗ سے جو غفور ورحیم ہے پرخلوص اجتماعی توبہ واستغفار کریں، قرآن وسنت کو قولاً وعملاً اپنی روزمرہ زندگی میں جاری وساری کریں، اگر قرآن وسنت نے اس وقت کے بدو اور جاہل عربوں میں خلفائے راشدین اور بلند معیار انسان پیدا کئے تھے جن کی مثال پوری دنیا میں نہیں مل سکتی، تو آج اگر ان پر اسی خلوص، محنت اور عشق حقیقی سے عمل کیا جائے اور اللہ جل جلالہٗ سے مضبوط رشتہ قائم کر لیا جائے تو ہم وہی سب کچھ پھر حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

لہٰذا زندگی جو ان بیش قیمت سانسوں سے عبارت ہے اس کی قدر کیجئے، یہ زندگی ایک معین اور محدود مقدار میں ہمیں عطا کی گئی ہے جو برف کے بلاک کے مانند ہر لمحہ کم ہو رہی ہے، اپنے اسلاف کی طرح اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیے اور اس کے لئے اپنا رابطہ قرآنِ حکیم سے استوار کیجئے جس میں اللہ عزوجل خود فرماتے ہیں:

قد جاءکم من اللہ نور وّکتاب مّبین۔ یہدی بہ اللہ مَنِ اتّبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ ویہدیھم الی صراط مستقیم۔ (المائدہ ۱۵،۱۶)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس سے خدا اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیروں میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے

ہماری بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ہم نے اللہ پاک کی کتاب ہدایت سے اپنا تعلق عملاً منقطع کرلیا ہے اسکو دوبارہ جوڑنے کیلئے ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہئے کہ قرآن وحدیث کا خود مطالعہ کرے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے۔ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر ...

مولانا عبدالرؤف ندوی
تلسی پور، گونڈہ

تاریخ لکھی جارہی ہے

تاریخ کی نگاہ اتنی محیط اور ہمہ گیر ہوتی ہے کہ وہ بیک وقت اقصائے عالم کے واقعات سے باخبر رہتی ہے دنیا کے دور دراز گوشوں میں جو کچھ گذرتا ہے اگر ہم فراموش کرجائیں تو وقت آنے پر اس کی مخفی سے مخفی جزئیات ہم تاریخ کی زبانی معلوم کرسکتے ہیں۔ تاریخ کی نگاہ جتنی محیط ہے اتنی ہی غیر جانبدار اور بے باک بھی ہے اسے بڑی اقوام اور بڑی شخصیتوں کا کوئی دبدبہ نہ مرعوب کرسکتا ہے نہ اپنی پسندیدہ راہ پر جبراً چلا سکتا ہے، اگر یہ بات ہوتی تو پھر دنیا کی تاریخ یک رنگ ہوتی ہر طاقت وسطوت محاسن ہی کا مجموعہ نظر آتی اور ہر کمزوری وناتوانی کو ہم عیوب سے تعبیر کرتے

قوموں کے جذبات نے کہا :

"بعض ایسی چیزیں جو خرابیوں میں شمار ہوتی ہیں اگر وہ چیزیں ہم اپنی قوم میں دیکھیں گے تو اس کی بہتر سے بہتر تاویل کرکے قوم کے دامن سے ان خرابیوں کو دور کریں گے "

مگر تاریخ کہتی ہے :

" اچھائی جہاں نظر آئے گی میری دیانت اس کو اچھائی شمار کرے گی اور خرابی جہاں نظر آئے گی میرا ضمیر اس کو بے کم وکاست بیان کرنے سے گریز نہ کرے گا۔"

یہ تاریخ جس کو ہم بے باک نڈر اور بعض اوقات بے رحم بھی کہہ سکتے ہیں اپنی بیدار نگاہوں کے ساتھ آج بھی رواں دواں ہے، اس کے لئے یورپ ایشیا اور افریقہ کا بُعد سدِّ راہ نہ بن سکا، اسے تو عالم انسانیت کا عنوان دیا گیا ہے اس لئے وہ اسی عنوان کے تحت تمام بر اعظموں کے امتیازِ رنگ ونسل کو مٹا کر اپنا مواد جمع کررہی ہے۔

تاریخ نے بیس سال قبل آزادئ ہند کے بعد ایک عنوان قائم کیا تبھی سے اس عنوان کے تحت اس کا کام جاری ہے، اسی تاریخ نے افریقہ ویورپ کے نسلی و مذہبی کشت وخون اور ظلم وزیادتی کو اس دنیا کی آخری جہالت اور تاریکی کا نام دیا تھا، اب وہی تاریخ اس باب کو طول دے رہی ہے اسے نظر آیا کہ ہندوستان اس جہالت وتاریکی

پہونچ چکا ہے جہاں انسانیت کی سطح ختم اور وحشی حیوانوں کی سطح شروع ہو جاتی ہے۔

• تاریخ نے دیکھ لیا ہے کہ آزادی کے بعد سے ۴۶ سال تک اس ملک کی فسطائی جماعتیں اقلیت کو ظلم وستم کا نشانہ بناتی رہی ہیں، ظلم کے بہت سے واقعات تو ایسے ہیں کہ شاید ما قبل تاریخ میں ہوئے ہوں تو ہوئے ہوں مگر تاریخ کی طویل مدت میں ایسے واقعات سے خود سینۂ تاریخ خالی نظر آئے گی۔

• تاریخ نے یہ بھی لکھ لیا ہے کہ جرم وسزا کا ہر قانون یہاں توڑا جارہا ہے اور اس کا ارتکاب ان لوگوں کے زیر سایہ ہو رہا ہے جو قانون کے محافظ و پاسبان ہیں، مظلوموں کی گریہ وزاری ناگوار گذرتی ہے اور ظالموں کے نعروں کو نظم ونسق کے محافظوں کی بندوقوں کی آوازیں اور زیادہ بلند کر دیتی ہیں یا بالفاظ دیگر مظلوموں کی فریاد ان کے لئے نغمۂ عشرت کا سرور پیدا کر دیتی ہے۔

• تاریخ یہ بھی لکھ چکی ہوگی کہ ۴۶ سال میں ہزاروں انسان کو مور و مگس کی طرح مسل دیئے گئے، اور ان میں سے ایک بھی قانون کی گرفت میں آکر تختۂ دار پہ نہ چڑھایا گیا بلکہ مجرم ہاتھ صاف کر کے انتظامیہ کے ساتھ آزادانہ گھوم رہے ہیں اور قانون کا کھلے عام خون ہو رہا ہے، مگر اقتدار کی حس تحرکت میٹنگوں سرکلروں اور ان کے وعظوں سے ابھی تک آگے نہیں بڑھ رہی ہے۔

• تاریخ نے تھرتھراتے قلم سے یہ بھی لکھ لیا ہوگا کہ ایک ملک ہے جس میں دو گروہ شریک مملکت ہیں ان دونوں کے درمیان عہد و پیمان کے واضح نقوش دستور کی شکل میں موجود ہیں مگر شرکاء مملکت کی غالب اکثریت عہد و پیمان کے اُن نشانات کو خاک میں ملاتی رہی اور کوئی نہیں جو اس انتہائی جرم پہ مجرم کو سرزنش کر کے آئین و دستور کے پیمان عظیم کی لاج رکھ لے۔

• تاریخ یہ لکھتے ہوئے خون تھوک رہی ہوگی کہ ایک مکان کو شر پسندوں نے آگ لگادی اس گھر میں بچے بوڑھے عورت مرد سبھی تھے شعلے بھڑک رہے تھے فسادیوں کے قہقہے بلند تھے اس صورت حال میں انسانیت کا درد رکھنے والے افراد نے جان کی بازی لگا کر آگ بجھانے کی کوشش کی لیکن عین اسی وقت جبکہ یہ انسانیت کے امین آگ کے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہے تھے پیچھے سے گولیاں برسائی گئیں۔

• تاریخ یہ بھی لکھ چکی ہوگی کہ ۶ ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو یہاں کی فسطائی جماعتوں نے مرکزی حکومت کے زیر سایہ تقریباً پانچ سو برس پرانی تاریخی یادگار بابری مسجد کو وحشت و بربریت کے ساتھ مسمار کر دیا اور بابری مسجد

کے انہدام کے بعد ملک بھر میں ہونے والے مسلم کش فسادات اور پولیس ایکشن سے جس طرح اقلیت متاثر ہوئی ملک کی آزادی کے بعد جس اجتماعی درندگی وحشیانہ مظالم مساجد کی بے حرمتی اور انہدام مسلم ماؤں بہنوں بیٹیوں کی آبروریزی کی گئی اس کے تصور ہی سے دل کانپ اٹھتا ہے، ہر جگہ پولیس کے مظالم اور انتظامیہ کی جانبداری سے نہتے اور بے قصور مسلمانوں کی آواز دبانے کی کوشش کی گئی وہ اس ملک کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہے۔

● تاریخ بڑی بے تکان واقع ہوئی ہے مگر یہاں پہونچ کر اس کو بھی کچھ تھکن سی محسوس ہوگئی جب اس نے دیکھا کہ انسانیت کی خدمت کرنے والے سب سے بڑے ادارے "ہسپتال" میں زخمیوں کے جسم اس حال میں پڑے ہوئے ہیں کہ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی ہیں گویا یہ اخلاقی مجرم ہیں اور ان کو کسی بڑے ڈاکہ میں پکڑ کر لایا گیا ہے لوگوں نے تاریخ کو فریب دینے کی کوشش کی مگر اس کی نگاہ حقیقت شناس ہے اس نے لکھ لیا کہ بیشک یہ مجرم ہیں اور ان کا ظلم ہے "مظلومیت"

● تاریخ ابھی لکھ رہی ہے اس کے قلم کو کوئی روک نہیں سکتا ہاں اس کو واقعات کا مواد فراہم کیا جاسکتا ہے اگر اس کو ظلم وبربریت کا واقعہ دیا گیا تو وہ بعینہ محفوظ کرے گی اور اگر اس کو امن کے پاس عہد و وفا کے نمونے دیئے گئے تو اس کو محفوظ رکھنے کے لئے اس کا سینہ بہت وسیع ہے اگرچہ لکھتے لکھتے تاریخ کے قلم سے خون ٹپکنے لگے اور اس کی انگلیاں زخمی ہی کیوں نہ ہو جائیں اور وہ پکار اٹھے ؎

حال دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی نامہ خونچکاں اپنا

مولانا شکیل احمد اثری
جامعہ ابن تیمیہ مدینۃ السلام
مشرقی چمپارن
بہار

تلاشِ امن کی خود ساختہ راہیں اور اسلام کا نظریۂ امن

پرسکون زندگی، سنجیدہ فضا، متمدن و مہذب ماحول اور صالح نظام معاشرت و معیشت کا کون آرزومند اور خواہاں نہیں، کائنات انسانی کی تاریخ کا ہر دور ان فطری تمناؤں اور آرزؤں سے بھرا پڑا ہے، ابن آدم کے دل کی یہی دھڑکن تو تھی جس پر انگلی رکھنے کے لئے اس عالم آب وگل میں سراپا امن وسلامتی کا مجسمہ مذہب اسلام سے ہٹ کر مختلف افکار و نظریات گڑھے گئے انہیں پروان چڑھایا گیا۔ افراد انسانی کے دردمند و بے چین قلب و نظر کو آرام و راحت اور ابدی سکون پہونچانے کے لئے اس کی ترویج واشاعت اور مقبولیت کے پیچھے پوری طاقت صرف کی گئی۔ لیکن نتیجہ بالآخر شرمناک اور مایوس کن ہی رہا گویا ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور ؎ "الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا" کا یہ معاملہ مصداق ٹھہرا۔

صدیوں پیشتر دنیا میں آرام و راحت اور سکینت وطمانیت کی جو پر بہار فضا قائم تھی وہ آج عنقا ہے حالانکہ تہذیب وتمدن کے نام پر عروج وترقی کا بازار دن بدن گرم ہی ہوتا جارہا ہے۔ مال و دولت کی ریل پیل سائنس و ٹکنالوجی کی بہتات اور جدید ایجادات وانکشافات کی فراوانی بھی دور حاضر میں کچھ کم نہیں۔ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس خاکدان عالم میں افراد انسانی ہر زمانے میں حالات وظروف کے مطابق حتی الوسع تلاش امن کی راہ میں سرگرداں حیران وپریشان رہے ہیں، اس اصول کے تحت دور جدید میں بے چینی اور بے اطمینانی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے تناسب سے امن وسکون کی تدبیریں بھی بیش از بیش ڈھونڈی جارہی ہیں۔ لیکن افسوس بدامنی و بے اطمینانی کا کوئی مناسب مداوا دور حاضر کے ترقی یافتہ انسان نہیں ڈھونڈ پاتے۔

گویا یہ ایک امر محال سا لگتا ہے۔ اس حقیقت کی ترجمانی مشہور فلسفی "برٹرینڈ رسل" نے یوں کی ہے:

" Happiness in The Modern world has become an impossibility "

دور جدید میں تسکین وطمانیت کا ملنا ناممکنات میں سے ہے۔ ظاہر سی بات ہے مرض کی شدت کے ساتھ مرض تشخیص میں تنوع ایک لازمی شئی ہے۔ لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ انسان سکون کی منزل پر پہونچنے کے بجائے مزید پریشانی کے جال میں پھنستا چلا رہا ہے، امن و راحت کے تار و پود بھی بکھرتے ہی جا رہے ہیں نتیجۃً میخانۂ راحت وطمانیت کے بادہ خوار امن کا کاسہ گدائی لئے مذہب سے آزاد ہوکر ہر چہار جانب منڈلا رہے ہیں، حلال وحرام اور غلط وصحیح کی تمیز کئے بغیر خواہ جیسے بھی ہو۔ ان کی زبان پر امن وسکون ہی کا نعرہ ہے۔ جب کہ چین کے زلف میں مزید پیچیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔ اسی مفہوم کو "متین طارق باغپتی" نے اپنی کتاب "انسانی مسائل اور اسلام" میں بایں طور واضح کیا ہے۔

"ہر شخص وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو مجموعی طور پر ایک عجب قسم کی بے چینی کا شکار ہے۔ اور اسباب عیش کی انتہائی فراوانی کے باوجود انگاروں پر لوٹ رہا ہے، اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے کوئی افراط زر کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے۔ کوئی سیر وتفریح اور آرام وراحت کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ کسی کا محور جسم کی غذا اور زیبائش ہے۔ مگر تجربات شاہد ہیں کہ کوئی بھی ذریعہ پریشانیوں کو کم کرنے میں کارگر ثابت نہ ہوا۔"

انسانی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے بہر حال یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ہر انسان فی زمانہ امن کے لئے خود ساختہ بنیادوں کی تعمیر کی، جن کی تعداد کا احاطہ دفتر کا طالب ہے لیکن چند نمایاں انسان کی خود ساختہ بنیادیں مندرجہ ذیل ہیں۔ رہبانیت، افراط زر، حریت وآزادی، طاقت وقوت، ہتھیار سازی واسلحہ اندوزی، مساوات اشتراکی نظام کی ترویج، قوم پرستی، عیش وتنعم کے اسباب اور نہ جانے ان کے علاوہ اور کتنی راہیں انسانی عروج وزوال کے مطالعہ سے کھل کر سامنے آتی ہیں۔

مذکورہ توضیحات کی روشنی میں اہم خود ساختہ بنیادوں کا علم ہو رہا ہے، ان میں رہبانیت اپنی عمر اور ظاہری ہیئت وکیفیت کے اعتبار سے اپنی آپ ایک مثال ہے یہودی وعیسائی علماء ہنود، وحشی منیوں اور اسلامی روح سے ناواقف صوفیائے کرام کے طبقے نے ہر دور میں اس مرض کو ہوا دینے کا کام کیا ہے، یہ لوگ اسے عروج وارتقاء اور سکون کی بنیاد سمجھتے ہیں، جب کہ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اس مبغوض وملعون صفت سے متصف ہونے کے بعد ایک انسان کی زندگی خود اس کے لئے بوجھ بن جاتی ہے اس سے جواں مردی اور مردانگی کی قوت رفتہ رفتہ ختم ہونے

لگتی ہے، سماج و معاشرہ، ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچے سے اس کا رشتہ یکسر ٹوٹ جاتا ہے۔ آبادی سے دور جنگلوں اور بیابانوں میں درندوں کی طرح آزادانہ گھومتا ہوا انسان خود اپنے نفس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس طرح جس مرض کی دوا کے طور پر رہبانیت کو ایک انسان اختیار کرتا ہے وہ خود اس کے حق میں زہر بن جاتی ہے۔

دوسری اہم بنیاد جس کے اندر وہ بھولا بھالا انسان اپنی پر اعتمادی اور شانتی کا راز مضمر مانتا ہے وہ ہے افراط زر کی کوشش اور جدید ایجادات وانکشافات کی فراوانی، لیکن یہ امر بھی مخفی نہیں کہ اس کے عواقب و نتائج بھی کچھ زیادہ ہی بے اعتمادی اور بے اطمینانی کا سبب بنتے ہیں، افراط زر کے سبب معاشرہ دو حصوں یعنی سرمایا دار اور غریب میں منقسم ہو جاتا ہے۔ پھر ایک مستقل جنگ چھڑ جاتی ہے۔ گویا شخصی امن کا متلاشی، اجتماعی امن کا دشمن بن جاتا ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی سے دور حاضر میں کس قدر انسان مطمئن ہے، کہنے کی بات نہیں، بلاشبہ سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں عوام تو عوام ارباب حل وعقد کا جینا بھی دوبھر ہے۔ گھر سے نکلا ہوا ایک فرد خواہ کسی طبقہ کا ہو اس وقت تک اپنے کو مامون ومحفوظ نہیں پاتا جب تک کہ اپنے گھر واپس نہیں آجاتا۔ گویا مذکورہ دونوں اسباب مکانوں کی رفعت و بلندی کا سبب تو بن سکتے ہیں لیکن مکینوں کے دل کو چین وآرام نہیں دے سکتے، خود اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے اسلحے اور مشینوں سے انسان کی قیمتی جانیں تلف ہو رہی ہیں۔ اس طرح بموں اور بارودوں اور اسلحوں کے سبب پوری دنیا بے چینی کے شعلوں میں جھلس رہی ہے۔ سکون کی ایک بنیاد حریت وآزادی کو بھی بتایا جاتا ہے۔ آزادی کا دائرہ بڑا ہی وسیع ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کے نقصانات بھی کچھ کم نہیں۔ عورتوں کے جذبۂ حریت نے اگر ایک طرف مردوں کے ناک میں دم کر رکھا ہے تو دوسری طرف مذہب سے عام انسانوں کی آزادی یا حاکموں کی حکومت سے حریت بھی بے چینی کو ہوا دینے میں کچھ کم رول ادا نہیں کرتی۔ جس کی تازہ مثال مغربی دنیا ہے جہاں امن کے متلاشی کو اطمینان کی ٹھنڈی سانس بھی میسر نہیں۔ الغرض گہرے مطالعے کے بعد یہ بات از خود عیاں اور بیاں ہو جاتی ہے کہ خواہ جتنا ہاتھ پیر مار کر امن کی از خود راہ متعین کی جائے سکون میسر نہیں آسکتا۔ گویا ہر چہار جانب کرب و بے چینی کا سراب ہی سراب ہے، البتہ بے اطمینانی اور بے چینی کے ریگستان میں ایک ایسا صدا بہار امن وسلامتی کا درخت ہے جس کا پھل میٹھا اور جس کی پتیاں نفع بخش اور جس کے مفید سائے دور دور تک پھیلے۔ مضطرب انسانیت کو دعوت امن وشانتی دے رہے ہیں اور وہ ہے اللہ کی طرف سے کائنات انسانی کی ہدایت ورہنمائی اور امن وشانتی کے خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا دین یعنی دین اسلام۔ اسلام کا لفظ سلم سے مشتق ہے جس کا مطلب سلامتی کے ہیں۔ گویا اسلام سراپا امن وشانتی کا دین ہے گویا اس دین

کی برکت اور اس کے وجود کا سبب ہی تو تھا کہ کرب و انتشار میں مبتلا عرب دنیا نے سکون و امن کی سانس لی، فتح مکہ کے دن فدائیان اسلام کے قوت و غلبہ کے باوجود اسلام کے فطری دشمن کفار کو امن دیدینا اسلام کے نظریۂ امن کی ایک عملی تصویر ہے۔ اس دین کا بنیادی عقیدہ توحید، نظریۂ قیامت، درس مساوات، فکر و حریت و آزادی، تقوی و خوف الہی کی بنیاد پر انسانی یکجہتی کا تصور، اونچ نیچ اور بھید بھاؤ کی مخالفت، زندگی کا عبادت سے عبادت ہونا، یا اس جیسے دیگر قابل صد رشک امور اپنے غیر معمولی حیثیتوں کے حامل ہیں یہی وہ بے مثال اسلام کے خصوصیات ہیں جن کے سبب اس کے آغوش میں زندگی بسر کرنے والے فقر و فاقہ میں بادشاہت، غلامی میں آزادی، رنج و غم میں مسرت و شادمانی اور ظاہری بے چینی و پریشانی حقیقی امن و سکون محسوس کرتے ہیں، قرآن میں ایک جگہ مذکور ہے : "ألا بذكر الله تطمئن القلوب" یعنی ذکر الہی تسکین قلب کا ذریعہ ہے۔ حدیث شریف کے اندر آتا ہے : "ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده۔"

یعنی جب کوئی قوم اللہ کے گھر میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہے اس کا درس سنتی تو اس پر سکینت کا نزول ہوتا ہے رحمت الہی اسے ڈھانپ لیتی ہے فرشتے اسے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ ان کا اپنے لوگوں میں ذکر کرتا ہے، اسلامی بنیادوں پر قائم اسلامی معاشرہ اور قرون ثلاثہ مشہود لہا الخیر میں اس کی تصویریں موجود تھیں بسکتی، بلکتی اور پریشان حال دنیا آج بھی اگر اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو جائے تو عیش و مستی مسرت و خوشی اور سکون و اطمینان بھری ایسی زندگی اسے مل سکتی ہے جس کے ذکر سے ہی قلب و نظر کی بے چینیاں کافور ہو سکیں گی، چاہے اسلامی ضابطوں کی اجتماعی یا انفرادی طور پر رعایت کی جائے۔ بہر صورت سکون اور چین اس کے نعم البدل کے طور پر ضرور حاصل ہوگی، نماز، زکوۃ، ذکر الہی یا دیگر ارکان اسلام کے ذریعہ بھی امن و سکون کی دولت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس مفہوم کو ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے اپنے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

مزدکی ہو کہ فرنگی مس خام میں ہے
امن عالم تو فقط دامن اسلام میں ہے

ضرورت اس امر کی ہے کہ دین اسلام کے متبعین اپنا دعوتی فریضہ سمجھ کر اسلام کے پیغام امن و شانتی کو دور حاضر میں عام کریں تاکہ دور حاضر کی بے چین دنیا سکون و اطمینان کی سانس لے سکے۔

●●●

اِسلام

انگریزی کے ممتاز دانشور ٹامس کارلائل کی نظر میں

اسلام کی حقانیت اور صداقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی خوبیوں کے وہ لوگ بھی قدردان ہیں جو اسلام کے سب سے بڑے روایتی دشمن سمجھے جاتے ہیں، کون نہیں جانتا کہ اسلام اور عیسائیت میں روز اول سے ہی معرکہ آرائی جاری ہے، صلیبی لڑائیوں میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے، لیکن اسی اسلام کی بدترین دشمن شمار کی جانے والی عیسائی قوم کے اعلیٰ مفکرین بھی اسلام کے کس قدر مداح ہیں، اس کا اندازہ یورپ کے مشہور مفکر پروفیسر ٹامس کارلائل (۱۸۸۱-۱۷۹۵) کے مندرجہ ذیل مضمون سے ہو سکتا ہے، جسے ہم کارلائل کی کتاب "ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ" کے ایک اقتباس سے ترجمہ کر کے قارئین محدث کے ایمان وعقیدت کی پختگی کے لئے پیش کر رہے ہیں، امید ہے کہ قارئین اس مضمون سے محظوظ فرمائیں گے۔

"تاریخ عالم میں آج تک کوئی بھی مذہب اسلام کی سی تیزی سے نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اسلام دنیا کا بیمثال مذہب ہے، فطرت انسانی کے مطابق اس کی تعلیم نے مختصر عرصہ میں نہ صرف لاکھوں انسانوں کے دلوں کو موہ لیا بلکہ اس کی طاقت اور سطوت کے سامنے زمانہ قدیم کی بڑی سے بڑی حکومتیں بھی سرنگوں ہو گئیں۔ اسلام کی غیر معمولی مقبولیت اور ہردلعزیزی بجائے خود اس کی حقانیت اور صداقت کا کھلا ثبوت ہے، اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام میں ضرور کوئی ایسی چیز ہے جو اسلام کے قلب میں اترتی چلی جاتی ہے، اسلام کو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے تین آدمیوں نے قبول کیا تھا، اور اس کے بعد یہ مذہب اس تیزی سے پھیلا کہ دنیا اس کی مقبولیت کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی تعلیم مردہ قوموں میں زندگی کی نئی روح پیدا کر دیتی ہے، چنانچہ عرب کا ملک پہلے پہل اسی کے ذریعہ زندہ ہوا، اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی جو عرب کے چٹیل میدانوں میں خاک اڑاتی

پورا کرتی تھی، کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ قوم زندہ ہونے کے بعد اس زمانے کی عظیم الشان سلطنتوں کا تختہ الٹ دے گی، لیکن اس قوم میں اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے اور انہوں نے دنیا کو اسلام سے روشناس کرایا جس چیز سے کوئی واقف نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہوگئی اور چھوٹی سی چیز نہایت بڑی بن گئی، غرضیکہ ایک صدی کے اندر عرب کے مسلمان ایک طرف غرناطہ تک جا پہونچے اور دوسری جانب ہندوستان میں حکومت کی داغ بیل ڈالی، چنانچہ عربوں کے عظمت کی تجلی اور علم و عقل کی روشنی زمانۂ دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتی رہی۔

اپنے مذہب کے بارے میں اعتقاد کی پختگی جیسی کہ مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں موجود نہیں، اعتقاد ایک بہت بڑی چیز ہے۔ جس وقت کوئی قوم کسی بات پر کامل اعتماد کرلیتی ہے تو اس کے خیالات میں بلندی اور قلب میں حوصلہ اور شجاعت کے طوفان برپا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی عقائد کی روشنی کچھ اس طرح پھیلی کہ اس نے نہ صرف عرب کے ریگزار کو چمکا دیا بلکہ اس روشنی سے ساری دنیا جگمگا اٹھی، اور دیگر مذاہب والوں نے بھی اس روشنی سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا۔

اسلام نے جلوہ گر ہوکر دنیا کے سامنے تمدن اور انسانیت کا ایک ایسا نظام پیش کیا جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی، اسلام نے چھوٹے بڑے پرانے امتیازات مٹا دیئے۔ اسلام نے دختر کشی کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جو اس زمانے میں عام تھی۔ اسلام نے غلامی کی رسم جو زمانہ جاہلیت کی پرانی رسم تھی نہ صرف موقوف کردیا بلکہ غلاموں کو شہنشاہی کی مسند پر لے جاکر بیٹھا دیا۔ اسلام نے ملکی حقوق میں مساوات کا درس دیا اور صرف ان ہی لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اس مذہب کے پیروکار تھے بلکہ ان قوموں کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کیا جن کو اسلامی تلوار نے فتح کیا تھا، اسلام نے ان ناقابل برداشت محصولوں کو ختم کیا جن کے بوجھ کے نیچے عوام دبے ہوئے تھے، اس نے محصول کو گھٹا کر صرف دسواں حصہ کردیا، اسلام نے تجارت کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا، اسلام نے اپنے مفتوحوں کو وہی تمام حقوق دیئے جو فاتحین اسلام کو حاصل تھے، اور ان کے جان و مال کی پوری حفاظت کی، اسلام نے جبر و ظلم کا خاتمہ کیا، اور خون کا بدلہ عدالت کے حکم کے بغیر لینے سے منع کردیا، اسلام نے حرام کاری اور بدچلنی کے انسداد کے لئے نہایت ہی سخت قوانین مرتب کئے، اسلام نے خیرات و زکوٰۃ کا حکم دے کر سرمایہ داروں کو اس کے لئے مجبور کردیا کہ وہ اپنی دولت میں غریبوں کو بھی حصہ دار بنالیں، اسلام نے دیگر مذاہب کے

بزرگوں کے احترام کی سختی سے ہدایت کی، غرضیکہ اسلام نے ایک ایسا مکمل نظام حیات پیش کیا جس سے کہ دنیا بالکل ناآشنا تھی۔

اسلامی تعلیم کے ایسے دوررس نتائج برآمد ہوئے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اسلام نے اپنے متبعین میں پرہیزگاری کا جذبہ پیدا کر دیا اور اس کے ساتھ دنیاوی ترقی کی ایک ایسی روح پھونک دی جس نے کہ متبعین اسلام کو دنیا کی سب سے معزز قوم بنا دیا۔ یہ سب کچھ اتفاقی طور پر نہیں ہو گیا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اسلامی تعلیم ہی کچھ ایسی ہے جو ایک طرف انسان کو پاکبازی کا درس دیتی ہے اور دوسری طرف اپنے متبعین کے حوصلوں کو بڑھاتی ہے، میں نے مختلف ممالک کے مسلمانوں کا مطالعہ کیا ہے، میں نے جن ممالک کے مسلمانوں کو زیادہ دیندار پایا ہے ان میں اتنا ہی بڑھا ہوا حوصلہ بھی مجھے نظر آیا ہے، مسلمان خدا کے سوا کسی مادی چیز پر بھروسہ نہیں کرتا، اسے اگر بھلائی حاصل ہوتی ہے تو وہ اسے اللہ کی جانب سے سمجھتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو اسے بھی اللہ کی جانب سے سمجھ کر بڑے ضبط و تحمل سے برداشت کرتا ہے۔ اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اپنے متبعین میں غیر معمولی قوت برداشت پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ کسی مصیبت اور حادثہ سے نہیں گھبراتے۔

اسلام دنیا کا ہمہ گیر مذہب ہے، کئی صدیوں سے یہ دین تمام بنی نوع انسان کے پانچویں حصے کا مذہب بنا رہا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ مذہب محض دل کا بہلاوا نہیں ہے بلکہ اس مذہب پر لوگوں کا دل سے یقین رہا ہے۔ کسی زمانے میں بھی کوئی عیسائی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنے دین کی ایسی حمایت کی ہو جیسی کہ مسلمان اپنے دین کی کرتے ہیں، ان کو اپنے مذہب پر کامل یقین ہے۔ قاہرہ کے بازاروں میں رات کے وقت جب کہ چوکیدار سامنے سے آنے والے کو چلا کر کہتا ہے کہ کون جاتا ہے، تو جانے والا جواب دیتا ہے: لاالٰہ الا اللہ، اللہ اکبر۔ غرضیکہ اسلام مسلمانوں کی روح اور دلوں میں سرایت کر چکا ہے۔ اسلام قرآن کی تعلیمات پر قائم ہے، قرآن مجید کو پڑھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ روز اول کی طرح آج بھی اصلی حالت میں موجود ہے، اور سچائی اور ہدایت کا بے نظیر مجموعہ ہے جس میں ایسی باتیں موجود ہیں جس سے سب ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی مقدس کتاب کی تعلیم نے مسلمانوں میں نئی روح اور پاکیزگی پیدا کی، مختصر یہ کہ واقعی اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں کہ نوع انسانی کے لئے غیر معمولی کشش ہے۔

•••

حفظ الرحمن مبارکپوری
لکچرر انگریزی، ویسلی انٹر کالج، اعظم گڈھ

محمد اسلم محمد لقمان سلفی

جنگِ آزادی اور علمائے اہلِ حدیث

قال اللہ تعالیٰ: الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ بأموالھم وأنفسھم أعظم درجۃ عند اللہ وأولئک ھم الفائزون[1] وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لغدرۃ فی سبیل اللہ أو روحۃ خیر من الدنیا وما فیہا۔[2]

دنیا میں جب کوئی قوم غلام ہو جاتی ہے تو بد قسمتی سے اس قوم کے ذہن و فکر کی پرواز رہ جاتی ہے اور اس کی ہر چیز پر غلامی کی مہر ثبت ہو جاتی ہے، اس لئے غلام قوم کے افراد اپنے آقاؤں کی روش پر چلنا ان کے طرز معاشرت کو اپنانا اور ان کی ہر بات کی تائید کرنا اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں[3]

ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت

ہندوستان جہاں کے باشندے آرام وسکون کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن انگریز جیسی سازشی و شاطر قوم نے ان کے لئے چین وسکون کا سانس لینا دو بھر کر دیا اور ان کی زندگی اجیرن کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کیں انگریز اپنے مکر و فریب کے ذریعہ ہندوستان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ملک کے عوام خود آپس میں لڑنے لگے انگریزوں نے اس اختلاف وانتشار کا پورا فائدہ اٹھایا اور نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر پہلے بنگال پر قبضہ کیا اور چند ہی دنوں بعد مدراس اور کلکتہ پر بھی قبضہ کر لیا اور حکومت کرنا شروع کر دیا پھر دھیرے دھیرے پورے ہندوستان پر ۱۸۴۵ء میں قبضہ کر لیا اس لئے ہندوستانیوں کو اس سیاہ دن کو دیکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔

---

1. التوبہ ۱۹ تا ۲۰ رکوع ۲ پ ۱۰
2. صحیح البخاری ج ۲ کتاب الرقاق باب مثل الدنیا فی الآخرۃ ص ۹۴۹
3. تہذیب الاخلاق ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء ص ۲۵

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

ہندوستان کی تاریخ میں اہل حدیث کا وجود بہت ہی قدیم ہے یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں باطل کے ہر ریلے کے سامنے بند باندھا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی "زمیں ہند کی" جس نے ساری ہلادی

جنگ آزادی میں علماء اہلحدیث کی شرکت

ہندوستان کا وہ انقلابی دور جو جنگ آزادی سے متصف ہے۔ تنگ نظری اور تعصبات کی عینک اتار کر وسیع ظرفی کے ساتھ تمام حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو صرف اور صرف ایک جماعت نظر آئے گی جس نے خلوص اور نیک جذبے کے ساتھ استعماری قوتوں اور انگریزی ظلم و استبداد کے خلاف آزادی کا علم لہرایا اور پوری سرگرمی سے جنگ میں شریک رہی، اور بلا شک و شبہ وہ جماعت جماعت اہل حدیث ہی کی نظر آئے گی؛ تاریخ کے سنہرے اوراق علماء اہلحدیث کی بے مثال قربانیوں سے بھرپور ہیں اور ہندوستان کی زمین ان کے خون سے اب تک لالہ زار بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے انگریز کی مخالفت میں اپنی جانیں قربان کیں۔ پھانسیوں پر وہ لٹکائے گئے، کالا پانی بھیجے گئے، جیل کی سزائیں کاٹیں، ان کی جائدادیں ضبط ہوئیں اور بارہ بارہ گھنٹے تک بھوکا پیاسا رکھ کر ان کو مسلسل پیٹا گیا۔ ؏

کچھ ایسے نقش بھی راہ وفا میں چھوڑ آئے ہو

کہ دنیا دیکھتی ہے اور تم کو یاد کرتی ہے

ہندوستان میں جنگ آزادی کی تحریک اور اس کے بانی ہونے کا شرف حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو حاصل ہے، جنہوں نے ایک طرف ناقابل فراموش دینی خدمات انجام دیں تو دوسری طرف سیاسی میدان میں انگریزوں مرہٹوں کے تغلب و تسلط سے ملک کو نکالنے کے لئے بہت زیادہ کوششیں کیں، انہیں کے درس و تلقین کا اثر تھا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرنگی مظالم کے نیچے دبے ہوئے ہندوستانیوں کو جہاد کے لئے آمادہ کیا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے جانشین مقرر ہوئے، اس وقت عمر صرف سترہ سال تھی، یہ اعزاز آپ کو صاحبزادگی کی بنا پر نہیں بلکہ اہلیت و لیاقت کی وجہ سے ملا۔

اس کا ثبوت آپ کی عظیم الشان خدمات ہیں، ہندوستان میں جب طوائف الملوکی کے نتیجہ میں چاٹگام سے لے کر دہلی تک انگریز کا طوطی بولنے لگا تھا، غدار وطن میر صادق وغیرہ کی انگریزوں کے ساتھ خفیہ سازش کے نتیجہ میں شہید ملت ٹیپو سلطان کو شرف شہادت حاصل ہوا، یہ مرد مجاہد ۴ رمئی ۱۷۹۱ء کو جاں بحق ہو گیا، ۱۸۰۳ء میں جب دہلی پر انگریز کا قبضہ ہو گیا، اور نازک حالت میں مسلمان مختلف الخیال ہو گئے، کوئی انگریز سے جہاد حریت کو جائز کہتا اور کوئی ناجائز، لیکن شاہ عبدالعزیز کی عقابی نگاہوں نے فرنگی شاطرانہ چال کو بھانپ لیا اور یہ فتویٰ صادر کیا کہ تمام محبان وطن کا فرض ہے کہ غیر ملکی طاقت سے اعلان جنگ کر کے اس کو ملک بدر کئے بغیر زندہ رہنا اپنے لئے حرام جانیں، اور ان ہی کی منظم قیادت اور معتقدین میں سے وہ علماء اہلحدیث پیدا ہوئے جس نے انگریزوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہندوستان آزادی سے شرف یاب ہوا ان کے خون اب تک ہندوستان کے در و دیوار میں قید ہیں، دراصل آزادی ہند علماء اہلحدیث ہی کی مرہون منت ہے

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے　　　پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے

سب سے پہلے تحریک کو لبیک کہنے والے حضرت مولانا عبدالحیؒ، شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھانجے اور حضرت مولانا شاہ اسماعیلؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور حضرت شاہ اسحاقؒ شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ہی مولانا شاہ عبدالحیؒ صاحبؒ کو شیخ الاسلام اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کو حجۃ الاسلام کا لقب عطا فرمایا تھا۔ ع۱

تحریک شہیدین جسے ہم تحریک اہل حدیث سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔ اس کے بارے میں بجا طور سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں سب سے پہلی اسلامی تحریک تھی جسے شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہما اللہ نے برپا کیا تھا، یہ تحریک خاص کر انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ کرنے اور ہندوستان میں خلافت علی منہاج النبوۃ برپا کرنے کے لئے پیدا ہوئی تھی، اس تحریک نے سب سے پہلے ففروا الی اللہ کا نعرہ لگایا یہ نعرہ کیا تھا؟ ایک بانگِ درا تھا جس نے سنا مدہوش ہو گیا، جس پر نظر پڑی وہ اسلام کا خادم بن گیا، جہاد کی دعوت دی گئی تو علماء نے مسند درس چھوڑ دی، اماموں نے مسجد کے مصلی کو معذوروں کے حوالے کر دیا، مالدار

ع۱ تحریک مجاہدین کا آخری دور "خالد گھرجاکھی" ص۲۷

نے اپنی کوٹھیاں چھوڑ دیں، غلاموں نے آقاؤں کو سلام کہہ دیا، کسان ہل کے مٹھ کو خیرباد کہہ کے میدان جہاد وقتل میں کفن بردوش ہو کر نکل پڑے۔ ع۱

لیکن افسوس کہ شہیدین کی تحریک کامیابی کی اتنی منزلیں نہیں طے کر پائی جتنی کی توقع تھی کہ نام نہاد مسلم افغان سرداروں کی غداری کی وجہ سے ۱۸۳۱ء میں سانحہ بالاکوٹ پیش آگیا اور اس راہ حق کے دونوں مجاہد جام شہادت نوش فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ع۲

تاریخ گواہ ہے کہ حادثہ بالاکوٹ کے بعد جب ملک پر اداسی چھاگئی، جماعت تتر بتر ہوگئی اچھوں کے قدم لڑکھڑا اٹھے اور قریب تھا کہ جہاد کا سارا کام درہم برہم ہو جاتا لیکن عظیم آباد پٹنہ محلہ صادق پور کے ایک فرد نے یہ گرتا ہوا علم سنبھالا جسے دنیا مولانا ولایت علی صادق پوری کے نام سے یاد کرتی ہے اس مرد مجاہد نے علم جہاد کو تا حیات اپنے سینے سے لگائے رکھا اور خزاں رسیدہ چمن کی اپنے خون جگر سے اس انداز سے آبیاری کی کہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھائی مولانا عنایت علی صادق پوری نے اس فریضہ کو سنبھالا، اس کے بعد لشکری قیادت مولانا ولایت علی کے فرزند رشید مولانا عبداللہ عظیم آبادی کے ہاتھوں میں آئی انہوں نے امیرالمجاہدین کی حیثیت سے چالیس سال تک خدمات انجام دیں پھر ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالکریم صاحب جانشین ہوئے پھر ان کے بعد مولانا عبداللہ صاحب عظیم آبادی کے پوتے مولانا نعمت اللہ امیرالمجاہدین رہے پھر رحمت اللہ صاحب امیر نامزد ہوئے

ان کے علاوہ اس دور کے دوسرے مجاہدین میں مولانا یحیٰی صاحب عظیم آبادی، مولانا احمداللہ صاحب صادقپوری، مولانا عبدالرحیم صاحب صادقپوری، مولانا جعفر صاحب تھانیسری وغیرہم کا نام آتا ہے جنہیں تحریک آزادی کے سرگرم ممبر ہونے کے جرم میں حبس دوام، عبور دریائے شور وغیرہ کی سزائیں کاٹنی پڑیں،

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں بھی اہلحدیث عالم مولانا عنایت علی صادقپوری شریک تھے، انہوں نے

ع۱ مجلہ النادی ۱۹۹۰ء "جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں" ص۹۶ ع۲ حوالہ مذکور ص۹۷

تاریخی علاقہ سرحد میں محاذ قائم کر کے جنگ شروع کی تھی، جناب مولانا جعفر صاحب تھانیسری ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں چند ساتھیوں کو لے کر انگریزوں کے خلاف لڑنے کی غرض سے دھلی گئے تھے، نیز ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں اہلحدیث عالم مولوی لیاقت علی الہ آبادی بھی شریک تھے، ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک ملک کی کوئی بھی سیاسی تحریک ایسی نہیں، جس میں علماء اہل حدیث نے اور ان کے افراد نے حصہ نہ لیا ہو، کانگریس تحریک خلافت، مسلم لیگ نے جنگ آزادی کا نعرہ بلند کیا تو ان تمام تحریکوں میں علماء اہلحدیث شریک رہے مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد علی قصوری، مولانا محی الدین قصوری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد علی لکھنوی، مولانا عبیداللہ احرار، مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری، مولانا ابراہیم سیالکوٹی، مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا ابوالقاسم محمد علی مئوی، مولانا محمد نعمان مئوی، مولانا محمد احمد مدرس مئوی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا محمد ادریس خان بدایون، مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، مولانا عبدالرحیم عرف مولانا محمد بشیر صوفی ولی محمد فتوحی والا، دہلی میں پنجابی اہلحدیث، کلکتہ میں کپڑے اور لوہے کے تاجر، مدراس میں کاکا محمد عمر، بنگال میں مولانا عبداللہ الکافی، مولانا عبداللہ الباقی، مولانا اکرم خاں، مولانا احمداللہ خاں، غازی شہاب الدین وغیرہ وغیرہ ایک طویل فہرست ایسے علماء اہلحدیث کی جن کا جنگ آزادی میں حصہ لینا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ [۱] مولانا سید نذیر احمد شہید، اور مولانا اسماعیل شہید کی مجاہدانہ کوششوں نے مسلمانوں کو جہاد پر مائل کیا۔ اور جنگ آزادی کا علم لہرایا جس کے تلے ہمالہ کی چوٹیوں اور خلیج بنگال ترائی سے لوگ جوق در جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے، اس مجاہدانہ کارنامہ کی عام تاریخ معلوم ہے کہ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں کا مقابلہ کیا۔ اور شہید ہو گئے حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا ایک باب ہے۔

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری لکھتے ہیں جب کہ سید احمد صاحب حج سے وطن واپس آگئے تو سفر جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گئے مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولوی عبدالحئی صاحب وغیرہ جہاد کے مضامین بیان کرنے اور ترغیب دلانے کے لئے اطراف ہندوستان میں روانہ ہوئے۔ اس وقت سید احمد صاحب کے

---

[۱] اہلحدیث اور سیاست " مولانا نذیر احمد رحمانی " ص ۳۰۰-۳۰۱

مکان پر بجائے مراقبہ اور مشاہدہ کے تلوار و بندوق کی صفائی اور گھوڑ دوڑ ہوا کرتی تھی اب بجائے صوفی و درویش کے ہر شخص سپاہی بن گیا تھا۔ تسبیح کے عوض ہاتھ میں تلوار اور فراخ جُبّہ کی جگہ چست اور پھیدار سربند لباس ہو گیا۔ ان دنوں میں جو کوئی تحفہ تحائف آپ کے پاس لے کر آتا تو اکثر ہتھیار یا گھوڑے ہوتے، انہیں دنوں میں شیخ فرزند علی صاحب غازی پور زمانیہ سے دو نہایت عمدہ گھوڑے اور بہت سے وردی کے کپڑے اور چالیس جلد قرآن تحفہ میں لے کر آئے۔ اور سب سے عجیب تحفہ جو شیخ صاحب لے کر آئے وہ امجد نام کا ان کا ایک نوجوان بیٹا تھا۔ جس کو انہوں نے مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے راہِ خدا میں نذر کر کے سید صاحب کے حوالہ کر دیا اور عرض کیا کہ اس کو اپنے ساتھ لے جائیے اور تیغ کفار سے اس کی قربانی کرائیے۔ شیخ فرزند علی کی یہ نذر اللہ نے قبول کی ان کے صاحبزادے شیخ امجد سکھوں سے لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ میں نے صرف جذبہ جہاد اور اس کے خلوص کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علماء اہلحدیث صرف سکھوں سے نبرد آزمائی کر رہے تھے ان کو ہندوستان کی آزادی اور انگریزوں سے مقابلہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ سید صاحب اور مولانا اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کے متعلق بعض علماء کی تحریروں سے یہ غلط فہمی پیدا کر دی ہے کہ وہ صرف سکھوں کے خلاف سید صاحب انگریز سے نہ لڑنا چاہتے تھے اور انگریزی اقتدار اور تسلط سے ان کو کوئی تشویش تھی انگریز کے قبضہ سے اسی ملک کو آزاد کرا لینا سید صاحب کے مقصد جہاد میں داخل نہ تھا۔ اس مسئلہ پر مولانا غلام رسول مہر نے تفصیلی بحث کرتے ہوئے قرائن اور سید صاحب کے مکتوبات سے واضح الفاظ میں ثابت کیا ہے کہ مذکورہ بالا خیال بالکل غلط ہے۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کو انگریزوں نے محض اس وجہ سے کہ وہ سید صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ ان کو بڑی تکلیفیں دیں۔ گھر بار لٹا دیا اور اٹھارہ سال کالا پانی کی اذیت ناک سزا دی ان کی قربانیوں کے سامنے ہر شخص کا سر احترام سے خم ہو جاتا ہے۔

شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی جو علماء اہلحدیث کے سرخیل اور سرتاج تھے صرف اہلحدیث ہونے کی بنیاد پر انگریزی مقدمات کے لپیٹ میں آئے، ان کے مکان اور مسجدوں کی تلاشی لی گئی راولپنڈی کے جیل خانے میں ایک سال تک نظربند رکھے گئے، درحقیقت انگریز کو کسی تنظیم یا جماعت سے خطرہ تھا تو وہ صرف اہلحدیث ہی کی جماعت اور اس کے علماء و مشائخ تھے اور اسی وجہ سے راولپنڈی کے جیل میں میاں صاحب پر جبر کیا جاتا تھا کہ وہ ان کل ممبران اہلحدیث کے نام ظاہر کر دیں جو اس باغیانہ تحریک میں شریک ہیں۔

دوستو! اگر جنگ آزادی میں اہلحدیثوں کے کردار دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو مولانا سید نذیر احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید کو، مولانا اکرم خاں، مولانا احمداللہ خاں کو اور غازی شہاب الدین کو، یہ اہلحدیث ہی تو تھے جن کو آزادی ہند کی خاطر طرح طرح کے مصائب والآلام کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا سید نذیر احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی ہی مجاہدانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو جہاد پر مائل ہونا پڑا۔ اشفاق اللہ خاں اشفاق ایک مخلص و دیندار مسلمان ہی تو تھے جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ جن کو فیض آباد کے قید خانے میں آزادی ملک کی خاطر پھانسی دی گئی۔ لیکن اس مرد مجاہد نے اس سے ذرہ برابر بھی قدم پیچھے نہیں اٹھایا بلکہ خوشی خوشی پھانسی کے پھندے کو قبول کر لیا۔

تحریک آزادی ہند کی یہ جنگ وفاشعاروں اور بے وفاؤں کے مابین تمیز اور امتیاز کے لئے ایک کسوٹی تھی ظاہر وباطن ہر لحاظ سے جو علماء ربانی تھے وہ اپنے بے داغ کردار، بے مثل عزم واستقلال، اور عدیم النظیر جرأت وہمت کے ذریعہ اپنے انقلاب انگیز کارناموں کے ایسے نقوش تاریخ میں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار و ناقابل فراموش رہیں گے اور آنے والی نسلوں کے لئے سنگ میل اور مشعل راہ بلکہ منارہ نور ثابت ہوں گے، آج رزم و بزم میں انہیں کی داستان عظمت کی گونج سنائی دیتی ہے ع

صحافت کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعہ پورے ملک میں ہندوستانیوں کے دلوں کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرانے کی ذہنیت بخشی۔ اور اسی آزادی ہی کی خاطر مولانا کو بار بار جیل کا منہ دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ انہوں نے اس ملک کو آزاد کرانے میں اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔

غرض یہ کہ ان اہلحدیث علماء کی ادبیانہ دل آویزاں، خطیبانہ سحر طرازیوں، علمی وجاہتوں، مجاہدانہ جلالتوں نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جھنجھوڑا اور ان میں آزادی کا حوصلہ بیدار کیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے انگریزوں کی سامراجیت کا خاتمہ کر دیا اور انگریزوں کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ علماء اہلحدیث ہی قوم کے وہ ستون ہیں جن کے اشارے پر ہر فرد دل وجان قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اس نے سارا اپنا سامراجی اقتدار قائم کرتے وقت سب سے زیادہ ظلم وستم علماء حق پر توڑا۔ ع

یہ تھے ہمارے سلف صورت مہ وخورشید — جو تجھ سے ہو سکے ان کا جواب پیدا کر
بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را ...

سلہ علمائے حق

مراجع ومصادر

۱۔ اہلحدیث اور سیاست	مولانا نذیر احمد رحمانی
۲۔ تاریخ مجاہدین کا آخری دور	خالد گھر جاکھی
۳۔ علمائے حق	مولانا سید محمد میاں صاحب
۴۔ علماء ہند کا شاندار ماضی	مولانا سید محمد میاں صاحب
۵۔ مجلہ المنار ۱۹۹۰ء	جامعہ سلفیہ بنارس
۶۔ تعمیر حیات ۱۹۸۰ء	۲۵/ اپریل ۸۰ء
۷۔ مجلہ النادی ۱۹۹۰ء	جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں
۸۔ مجلہ الضیاء ۱۹۹۱ء	جامعہ سراج العلوم بونڈیہار گونڈہ
۹۔ جریدہ ترجمان ۱۹۸۶ء - ۱۹۸۴ء	یکم جولائی ۸۶ء - ۱۶/ اگست ۸۴ء
۱۰۔ تہذیب الاخلاق ۱۹۸۵ء	۲۸/ فروری ۸۵ء

ودیگر کتب ورسالے۔

عقل وفہم کا مقام اسلام کی نظر میں

عبدالعلیم چمپارنی / متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

انسان نے رب کائنات کی طرف سے جتنے بھی انعامات پائے ہیں ان میں عقل وفہم کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے، اگر اس کے پاس عقل وفہم نہ ہو تو اس کی حیثیت ایک جانور سے زیادہ نہ ہوگی۔ ہم اس بات کا مشاہدہ آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ غور کیجئے جب ایک انسان کو جنون ہو جاتا ہے تو اس کو کسی بات کا شعور ہی نہیں رہتا، وہ یہ نہیں سمجھ پاتا ہے کہ اسے کون سا کام کرنا چاہئے اور کون سا کام اس کے لئے مضر ثابت ہو سکتا ہے، اسی طرح جب کوئی آدمی شراب پی لیتا ہے تو اس کے اندر سے سوچنے اور سمجھنے کی قوت مفقود ہو جاتی ہے، اب چاہے وہ محرمات سے زنا کا مرتکب ہو جائے یا دم حرام کا مرتکب ہو جائے، اس کو کسی چیز کی تمیز نہیں رہ پاتی۔ آج انسان عقل وفہم ہی کی وجہ سے چاند پر قدم رکھ چکا ہے اور اب اس سے بھی آگے ستاروں اور سیاروں کی سیر کے لئے تگ و دو کر رہا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو محیر العقول ہیں۔

ان مذکورہ باتوں سے بخوبی عیاں ہے کہ انسانی زندگی میں عقل وفہم کی کیا اہمیت ہے اور اس کی کتنی ضرورت ہے۔ مذہب اسلام جو دنیا کا واحد اور آخری سچا مذہب ہے اس کے علاوہ تمام ادیان باطل ہیں، یہ اللہ کا پسندیدہ اور آخری دین ہے۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام" اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو دین ہے وہ صرف اسلام ہی ہے۔ اس نے جو مرتبہ واہمیت عقل وفہم کو دیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالےٰ نے عقل وفہم کی اہمیت کو جگہ بجگہ مختلف انداز میں واضح کر دیا ہے، کسی جگہ امم ماضیہ کے انجام کار کو بیان کرتے ہوئے، کہیں وسیع وعریض دنیا کی بوقلمونیاں، روانی سے بہتے ہوئے سمندروں، طوفانی ہواؤں، کبھی پہاڑ کبھی آسمان، کبھی دریا میں چلنے والی کشتیوں، کبھی اونٹوں کی تخلیق کو پیش کر کے غور وفکر کی دعوت دی تو کہیں حالات جہنم اور اہل جہنم کو بیان کر کے تفکر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر جو لوگ

کی حالت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: "سألہم خزنتہا الم یأتکم نذیر" جہنم کے نگران جہنیوں سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا"، تو جہنیوں کے جواب میں سے ایک جواب یہ بھی ہوگا کہ "لوکنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو جہنم والوں میں سے نہیں ہوتے۔ ہم نے تو دین کو سمجھنے کے لئے عقل کو استعمال ہی نہیں کیا کہ جہنم سے بچ جاتے یہ مقام تفکر ہے کہ ایک جہنمی اس بات کا برملا اعتراف کر رہا ہے کہ اس نے جہنم کا منھ اس لئے دیکھا کہ اس نے انبیاء کی باتوں کو نہ سنا اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی، کیا اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ، ہم نے جتنے بھی امثال بیان کئے ہیں اس کو سوچنے اور غور وفکر کرنے والے ہی سمجھتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: " وتلک الأمثال نضربہا للناس لعلہم یتفکرون" (حشر ۲۱) اس معنی کی بے شمار آیتیں ہیں جنہیں ذکر کرنے سے طوالت مانع ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین"[1] اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کثیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین میں تفقہ (سمجھ) عطا کرتا ہے۔

اسلام نے حصول علم پر بہت زور دیا ہے اس لئے کہ علم حاصل کرنے کے بعد انسان کے اندر سمجھنے سوچنے اور غور وفکر کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے، آپ ایک جاہل اور عالم میں مقابلہ کرکے دیکھ لیجئے آپ کو بخوبی یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ عقل وفہم والا یعنی عالم اور جاہل میں کیا فرق ہے اور ان کے اندر کتنی دوری ہے۔ "قل ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون؟" لیکن اسلام نے جہاں عقل وفہم کو اتنی اہمیت دی ہے وہیں اس کے استعمال کے طریقے بھی مقرر کر دیئے ہیں، کہ کہاں عقل کو دخل دینا مناسب ہے اور کہاں نامناسب، دین کے معاملہ میں جہاں صریح نص موجود ہو وہاں عقل پر بھروسہ کرنے کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے، اس ضمن میں میں سمجھتا ہوں کہ صرف ایک حدیث ہی بیان کر دینا کافی ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف أولی بالمسح من أعلاہ"، الحدیث[2] اگر دین میں رائے کا دخل ہوتا تو اسفل خف اولیٰ وافضل ہوتا اس کے اوپر مسح کرنے سے۔

---

[1] متفق علیہ تعلیق الألبانی علی المشکاۃ رقم ۲۰۰ — [2] رواہ ابوداؤد تعلیق الألبانی علی المشکاۃ رقم ۵۲۵ —

ان باتوں سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں عقل وفہم کا کیا مقام ہے۔ بعض لوگ عقل اور نقل کو باہم متعارض سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کی بات بالکل بے بنیاد اور باطل ہے عقل اور نقل میں باہم کوئی تعارض نہیں۔ شریعت مطہرہ نے اس بات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ کہاں عقل کو استعمال کرنا افضل ہے اور کہاں چھوڑ دینا ضروری ہے، طول کلام سے بچتے ہوئے صرف ایک مثال بیان کرنا چاہوں گا۔

آج شکم پرور ملا جو اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں عوام کے ذہن میں یہ بات راسخ کرتے ہیں کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہمیں غوث وخواجہ کا دامن پکڑنا چاہیئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی انہیں کی معرفت وتوسط سے ہمیں حاصل ہوگی، جیسے عام دفاتر اور کورٹ کچہری وغیرہ میں کام کرانے کے لئے اولاً دربان سے پھر افسران سے ملتے ہیں۔ اسی قسم کی باتیں وہ عقل کی کرتے ہیں جو شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ ہم تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ عقل کو دین میں اتنا ہی دخل دیں جتنا کہ شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے، عقل کی باگ ڈور کو اتنا ڈھیل نہ دیں کہ حکیموں کے حکیم اور عاقلوں کے عاقل خالق عقل اللہ تبارک وتعالیٰ کی عقل (شریعت) کو خلافِ عقل قرار دینے لگیں، انسان کو ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اللہ چونکہ تمام عاقلوں سے بڑھ کر عاقل اور حکیم ہے۔ اس لئے اس کی شریعت بالکل خلاف عقل نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمام انسانوں خصوصاً مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا کرے۔ آمین۔

•••

بَابُ الفتاویٰ

فتاویٰ علامہ ابن باز حفظہ اللہ

ترجمہ: مولانا عزیز الرحمن سلفی

سوال • اگر کسی آدمی کے جسم میں کسی بیماری کا عارضہ ہو جائے تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ ذبیحہ اللہ کے نام کر کے اس کا بعض حصہ صدقہ کر دے ؟

جواب • حالت صحت و مرض دونوں میں صدقہ کی مشروعیت ہے، یہ مصائب کے دفعیہ اور گناہوں کی معافی کے اسباب میں سے ہے، اگر کسی آدمی کے ہاتھ، پیر یا جسم میں کوئی بیماری لاحق ہو جائے اور وہ نقد جنس، کھانا یا گوشت فقراء پر اس امید سے تقسیم کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت رفع کر دے گا اور وہ جیسے محتاجوں پر رحم کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم فرمائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث میں ہے: رحم کرنیوالوں پر رحمان رحم فرماتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ اور فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنوں کے قریب ہے، اس مفہوم کی بہت سی آیتیں ہیں۔

سوال • پتلون پہننے کا کیا حکم ہے؟ خصوصاً یہ کہ جو لوگ اسے پہن کر نماز ادا کرتے ہیں رکوع اور سجدہ کی حالت میں بعض پردہ پوشی کی جگہیں منکشف ہو جاتی ہیں۔

جواب • اگر پتلون گھٹنے سے ناف تک کے حصوں کی ساتر اور کشادہ ہو تنگ نہ ہو تو اس میں نماز صحیح ہوگی، لیکن افضل یہ ہے کہ اس پر ایسی قمیص ہو جو سرّہ (ناف) سے لے کر رکبہ (گھٹنہ) تک ساتر ہو یا اس سے بھی نیچے نصف ساق یا ٹخنہ تک ہو یہی مکمل پردہ ہے، لیکن ساتر ازار میں نماز پڑھنی پیجامہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اگرچہ اس پر کوئی ساتر قمیص نہ ہو اس لئے کہ ازار پیجامہ سے زیادہ ساتر ہے۔

سوال • میں نے اللہ تعالیٰ سے نذر مانی تھی کہ اگر میرے پاؤں کی تکلیف ختم ہو گئی تو میں دس رکعت نماز ادا کروں گا، اگر یہ نماز ایک دن میں دو رکعت کے حساب سے پانچ دن میں پوری کروں تو کیا یہ میرے لئے جائز ہوگا؟ یا ایک ہی

دن دسوں رکعتیں پڑھنی ضروری ہیں ؟

جواب • اگر شرط مذکور یعنی درد میں کمی پائی جاتی ہے تو نذر کا پورا کرنا فوراً ضروری ہے، آپ یہ دس رکعتیں ممانعت کے علاوہ اوقات میں دو دو رکعت پر سلام پھیر کر پڑھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے : صلاۃ اللیل والنہار مثنی مثنی ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے اطاعت کی نذر مانی تو اس پر اطاعت ضروری ہے اور معصیت کی نذر مانی ہو تو ہرگز معصیت نہ کرے، یہ بخاری کی روایت ہے ۔

سوال • مغرب، عشاء اور فجر میں جہری تلاوت کیوں مشروع ہے اور بقیہ فرائض میں کیوں نہیں ہے ؟ اور اس کی دلیل کیا ہے ؟

جواب • ان مواقع پر جہر کی مشروعیت اور اس کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کو بہتر معلوم ہے، میرے ذہن سے قریب تر بات یہ ہے کہ رات کو اور فجر کی نماز میں جہری تلاوت سے زیادہ استفادہ کیا جا سکتا ہے، اور ظہر و عصر کے اعتبار سے ان اوقات میں مشغولیت کم ہوتی ہے ۔

سوال • ہم اکثر یہ سنتے ہیں کہ قیامت قائم ہونے کے وقت اسلام ساری زمین میں پھیل جائے گا، دوسری طرف یہ بھی سنتے ہیں کہ قیام قیامت کے وقت زمین پر لا الٰہ الا اللہ کہنے والا کوئی باقی نہ رہے گا، ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی ؟

جواب • دونوں باتیں صحیح ہیں، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہوگا آپ دجال کو قتل کریں گے خنزیر کو ہلاک کر ڈالیں گے صلیب توڑ دیں گے جزیہ معاف کر دیں گے، آدمی کیلئے صرف دو ہی راستے ہونگے یا تو اسلام قبول کرے یا تلوار کا لقمہ بنے، اسلام کے علاوہ سارے ادیان کا اللہ تعالیٰ خاتمہ کر دیگا، سجدہ صرف اللہ کیلئے ہوگا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اسلام کی برتری ہوگی اس کے سوا کوئی دین نہ ہوگا، اور یہ بات بھی بحد تواتر ثابت ہے کہ قیامت کا قیام بدترین لوگوں پر ہوگا، حضرت عیسیٰؑ کی وفات اور آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونیکے بعد اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا چلائے گا جو ہر مومن اور مومنہ کی روح قبض کرے گی پھر زمین پر صرف شریر باقی رہ جائیں گے، انہیں پر قیامت قائم ہوگی ۔

•••

ماہنامہ **محدث** بنارس

شمارہ ۹	ستمبر ۱۹۹۴ء	ربیع الاول ۱۴۱۵ھ	جلد ۱۲

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک
سالانہ ۴۵ روپئے فی پرچہ ۴ روپئے

o

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوچکی ہے

اس شمارہ میں

درسِ قرآن　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　مولانا اصغر علی السلفی

چشم اشکبار و دل تقویٰ شعار

اللہ نزل أحسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربہم، ثم تلین جلودھم وقلوبہم إلی ذکر اللہ، ذلک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد۔ (الزمر)

اللہ تعالیٰ نے بہترین بات کتاب میں اتاری ہے آپس میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی دہرائی ہوئی، جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کی کھال پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کی کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں، اور ان کے دل ذکر الٰہی میں لگ جاتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے۔ اور جسے گم گشتۂ راہ کر دے اسے کون سمجھائے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن عبداللہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبت کی نشانی قرآن مجید کے ساتھ محبت کرنا ہے، اب جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے واقعۃً محبت ہوگی اس کا تعلق قرآن کریم سے مضبوط و پائیدار ہو جائے گا، اور حدیث شریف میں ہے کہ سب سے بہترین بات اور سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہم سے حدیث بیان فرمائیے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ آیت نازل فرمائی، ایک دوسری آیت میں ذکر ہے کہ مومن بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ بات سنتے ہیں تو اس میں سے سب سے بہترین بات کی اتباع کرتے ہیں اور بہترین بات اور عمدہ کلام یہی کلام پاک ہے اور یہ کلام پاک ایسی کتاب ہے جس کا بعض حصہ بعض دوسرے حصوں سے حسن و صدق اور حکمت میں مشابہ ہے اس کی آیتوں میں تناقض اور اختلاف نہیں ہے اور جس کی بار بار تلاوت کی جاتی ہے اور اس میں عبرت آموز قصص اور پند و نصائح اور احکام بار بار بیان کئے گئے ہیں جس کے سننے سے ایمان تر و تازہ ہوتا رہتا ہے اور طبیعت میں ادنیٰ سی اکتاہٹ بھی پیدا نہیں ہوتی ہے بلکہ احکام دلنشیں ہو جاتے ہیں اس کے کلام کی اثر آفرینی

اور اس کی حلاوت وعبرت وعظمت کی کہانی، اور وعدۂ ربانی جو اس نے تصور سے بالاتر نعمتوں کو نچھاور کرنے کے لئے فرمایا ہے اور وعید شدید اور عذاب الیم کی جو دھمکی دی ہے ان سے ان لوگوں کے دل دہل جاتے ہیں جو واقعی خشیت الٰہی رکھتے ہیں اور اپنے رب کا خوف کھاتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس عظیم کتاب کو اگر مضبوط ترین پہاڑوں پر نازل کیا گیا ہوتا تو وہ بھی اس کی عظمت وجلال کے سامنے سرنگوں ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل، الآیۃ۔ اور حقیقت پر باری تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو بطور امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑ پر پیش فرمایا تھا ان سبھوں نے اپنی ظاہری آن بان اور عظیم الشان ہونے کے باوجود ڈر کر کے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ مگر انسان کی نادانی وزیادتی کی کیا کہیئے کہ اس نے اس امانت کو برتنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ لیکن انسانوں کی خوش بختی وبدبختی بھی اسی سے وابستہ کر دی گئی، اللہ تعالیٰ کے نیک اور امانت دار بندے اپنی استطاعت بھر اسے ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں اور قرآن کی تلاوت سے ان کے دل پسیج جاتے ہیں اور خشیت الٰہی سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں اور ایمان میں بڑھوتری ہو جاتی ہے اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں اور یہی لوگ درحقیقت مومن کامل ہیں، انما المؤمنون اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم، الآیۃ۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں روایت فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کر کے سناؤ، میں نے عرض کیا کہ یہ آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے علاوہ سے اسے سنوں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی جب "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا" پر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھیں برس رہی ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ بس کافی ہے۔

یہ تھا قرآن کی تلاوت کے وقت خود صاحب قرآن کا حال اور ہر بندۂ مومن صادق کا بھی یہی حال ہونا چاہیئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عظمت قرآن کو کما حقہ جانتے تھے اور اس کے قدر ومنزلت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے ان پر بھی رقت طاری ہوتی تھی اور قرآن کریم کی آیات سن کر ان کی آنکھیں بےساختہ اشکبار ہو جاتی تھیں۔

• • •

درس حدیث

مولانا اصغر علی السلفی

عاق کرنا غیر اسلامی طریقہ ہے

عن النعمان بن بشیرؓ ان اباہ اتی بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انی نحلت ابنی ھذا غلاما، فقال: أکل ولدک نحلت مثلہ؟ قال: لا، قال: فارجعہ۔ (البخاری)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے والد بشیر ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ شریف میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بطور عطیہ ھبہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنے تمام اولاد کو اسی طرح غلام ھبہ کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ اس عطیہ کو واپس لے لو۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت بشیر مشہور بدری صحابی رضی اللہ عنہ نے باغ ھبہ کیا تھا اور اپنی بیوی عمرۃ بنت رواحہ کے اصرار پر ایسا کیا تھا، چنانچہ بعض روایتوں میں صراحت ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر بشیر سے کہا کہ میں اس وقت تک راضی اور مطمئن نہ ہوں گی، جب تک آپ اس ھبہ اور عطیہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنا دیں۔ چنانچہ مدعا بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورتحال دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف برتو، میں کسی بھی ظلم وجور پر گواہ نہیں بن سکتا۔ ایسے ظلم پر شاہد ٹھہرانا ہو تو پھر میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ! چنانچہ انہوں نے دیا ہوا عطیہ واپس لے لیا۔

معلوم ہوا کہ بیوی اور دوسرے رشتہ دار ومتعلقین کا کسی بات پر اصرار کرنا اور اپنی سمجھ اور دانست کے مطابق مشورہ دینا ضروری نہیں کہ شرع شریف کی نظر میں وہ محبوب ومقبول اور جائز وحلال امر بھی ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی بھی بات پر گواہ بننے سے پہلے اس کی حقیقت معلوم کر لینی چاہیئے کہ بذات خود وہ امر صحیح بھی ہے یا نہیں۔ اسی طرح چاہے جس قدر معتمد آدمی ہو اور اس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ ظلم وجور اور ناانصافی کو مطلق پسند نہیں کرتا اور صلاح وتقوی سے متصف ہے پھر بھی اس پر اعتماد کر کے

فوراً اس کی توثیق و تصدیق نہیں کر دینی چاہیئے بلکہ اس سلسلے کی ضروری معلومات فراہم کرنا چاہیئے اگر کھرا نکل آیا اور حلال اور جائز پایا تو اس پر گواہ رہنا چاہیئے ورنہ اس سے ہاتھ اٹھالینا چاہیئے نیز تردید و انکار کے ساتھ مناسب رہنمائی کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ گواہی دینے سے انکار فرما دیا بلکہ اس عطیہ کو واپس لے لینے کا حکم صادر فرمادیا یا تمام اولاد کو ھبہ کرنے کا مشورہ دیا یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ عطیہ جو ظلم و ناانصافی اور ناجائز طریقہ پر عطا کر دیا گیا ہو۔ اس کو واپس لیا اور کیا جا سکتا ہے۔ اور اس پر وہ وعید وارد نہیں ہوگی جو حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ھبہ کر کے اس کو واپس لے لیتا ہے تو اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر دوبارہ کھا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ ھبہ و عطیہ ایک تو ناحق طور پر عطا کیا گیا ہے دوسرے اولاد کا مال والدین کے لئے جائز اور مباح اور حلال ہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی غلطی معلوم ہونے کے بعد فوراً رجوع کر لینا چاہیئے اور ظلم و ناانصافی سے فوراً رک جانا چاہیئے اس سلسلہ میں کسی عزیز ترین انسان اور محبوب ترین اعزاء و اقرباء کی ناراضگی کا مطلق پرواہ نہیں کرنا چاہیئے۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں تمام اولاد برابر ہیں اور سب کو یکساں طور پر عطایا و تحائف اور دیگر ھدایا دینا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں لڑکا اور لڑکی کا کوئی فرق نہیں ہے گرچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ تحفہ و ھدیہ میں بھی ہر لڑکے کو ہر لڑکی کے دوگنا دیا جائے گا مگر صحیح یہی ہے کہ للذکر مثل حظ الانثیین، صرف میراث کی حد تک صحیح ہے۔ بقیہ دیگر مال و متاع عطیہ و نوافل میں سب برابر ہیں۔ کیوں کہ حدیث میں "أکل ولدک نحلت مثلہ" میں ولد کا لفظ مذکر و مونث سب کو شامل ہے اور مثلہ کا لفظ مساوات و برابری کا مقتضی ہے اور اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ والدین کو ایسا کام نہ کرنا چاہیئے جس سے اولاد کے درمیان باہم بغض و حسد اور ناچاکی پیدا ہو اور خود والدین کی نافرمانی اور ان کی جانب سے دل میلا ہونے کا سبب بنے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کا میلان بسا اوقات بعض اولاد و زوجات کی طرف زیادہ ہوتا ہے وہ فطری امر ہے البتہ عملی طور پر مساوات ضروری ہے نیز یہ کہ باپ کا ھبہ نابالغ اولاد کے لئے بلا قبضہ کئے بھی جائز ہے اور اس پر گواہ بنا لینا کافی ہے۔

افتتاحیہ

حیوانات حدیث

اس کائنات کا خالق تنہا اللہ ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب اس کی مخلوقات ہیں، ان کی تعداد کی حد وانتہا کسی کو نہیں معلوم " وما یعلم جنود ربك الا هو " حیوانات کے انواع واقسام جس حد تک انسان کے علم میں آسکے ہیں، وہ لاکھوں ہیں، ان کے اقسام بجائے خود عجائبات ہیں، ان کی تخلیق کی طبعی اور علمی باریکیاں خلاق عالم کی بولتی دلیلیں ہیں، ماہرین علم الحیوانات کی کتابیں پڑھئے اور خالق کائنات کی عظمت کے آگے سربسجود ہو جائیے۔

کتاب وسنت کی تعلیمات سے یہ بات عیاں ہے کہ اسلام نے حیوانات کو معبود اور الٰہ نہیں قرار دیا ہے دنیا کی متعدد قوموں میں حیوانات کی الوہیت کا عقیدہ آج بھی پایا جاتا ہے، یہ وحی الٰہی سے الگ انسانی فکر و فلسفہ کا ایک نظریہ ہے جو بدقسمتی سے تصوف، خانقاہ اور مزارات کے راستہ سے مسلمانوں میں بھی ان کے زوال کے زمانوں میں مقبول عام ہوگیا اور کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا

وما الكلب والخنزير إلا إلٰهنا
وما الله إلا راهب في الكنيسة

جب کہ اسلام کی نظر میں کتا اور خنزیر نجس العین حیوانات ہیں، خالق یا اللہ نہیں ہیں مخلوقات فرود ہیں، قرآن وحدیث میں تو کائنات کی تمام اشیاء حیوانات وچوپائے وغیرہ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس کے لئے سجدے اور صلوٰۃ میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الم تر ان الله يسجد له من في السموات من في الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب، وكثير من الناس، وكثير حق عليه العذاب، ومن يهن الله فما له من مكرم، ان الله يفعل ما يشاء۔ (آیت ۱۸)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ کو ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں،
اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے آدمی
ایسے ہیں جن پر نافرمانی کے سبب عذاب آنا لازم ہے اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی
عزت نہیں دے سکتا اللہ جو چاہے وہ کرتا ہے۔

البتہ حیوانات کے متعلق اسلام کی یہ تعلیم ضرور ہے کہ ان کے ساتھ رحم و احسان کا برتاؤ کیا جائے، جہاد کے ایک سفر میں صحابہؓ آپؐ کے ساتھ تھے، صحابہؓ چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے، محبت و اضطراب میں چڑیا ان کے آس پاس منڈلانے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ اس چڑیا کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اسے اضطراب و بیقراری میں مبتلا کر دیا ہے، اس کے بچوں کو چھوڑ دو، اونٹوں، گھوڑوں، دنبوں، بکریوں چیونٹیوں اور دیگر بہت سارے جانوروں کے متعلق آپؐ کا یہی اسوہ اور یہی تعلیم رہی ہے، اس سلسلہ کے واقعات صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث میں صحیح سندوں سے منقول ہیں۔ حدیث میں آپؐ نے جانوروں کو الم اور تکلیف سے بچانے کے لئے باہم لڑانے سے منع فرمایا ہے، حتیٰ کہ حلال جانوروں کو ذبح کے وقت راحت پہونچانے کے لئے آپؐ نے تعلیم دی ہے کہ چھری کو تیز کر لیا جائے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اس کا رتبہ و مقام بہت بلند ہے، اس کی زندگی کے وائرے اور فرائض بھی بہت وسیع ہیں، قرآن مجید کی آیت کریمہ "الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض" ۲۰/لقمان۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بے شبہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ہر شئی تمہارے کام میں لگا رکھی ہے، انسان کے بلند مقام کی دلیل ہے، نیز ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ نے تم انسانوں کے فائدہ کے لئے روئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں، ارشاد ہے: "ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" البقرۃ/۲۹۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی مخلوقات کو انسانوں کے کام اور نفع رسانی کے لئے تابع بنا رکھا ہے، اور زمین کی تمام چیزوں کو احسن کے لئے حلال ٹھہرادیا ہے سوا ان چیزوں کے جن کے حرام ہونے کا ذکر قرآن و حدیث میں کر دیا گیا ہے۔ حدیث میں حیوانات کا ذکر عموماً انھیں دونوں پہلوؤں سے آیا ہے۔

حیوانات کے موضوع پر لکھنے کا داعیہ میرے اندر کیوں پیدا ہوا؟ اس پہلو پر جب میں نے تھوڑی توجہ دی

تو اندازہ ہوا کہ گرد و پیش کی اشیاء سے اُنس اور ان سے متعلق معلومات کے لئے تجسّس انسان کی طبیعت میں شامل ہے، اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں دنیا بھر کے جانوروں کو چڑیا گھروں میں لاکر پالا جاتا ہے اور انھیں دیکھنے کے لئے روزانہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ پہونچتے ہیں، ایسے موقع پر بچے تو بچے رہے بوڑھے بھی بچوں ہی کی طرح لطف اٹھاتے ہیں، ناچیز کا جب بھی کسی بڑے شہر میں ورود ہوا تو وہاں موجود چڑیا گھر کی سیر کرکے ضرور لطف اٹھایا ہے، کراچی اور ریاض کے چڑیا گھروں کی بعض مچھلیوں اور پرندوں کی عجیب وغریب مگر نہایت دلکش صورتیں آج بھی ذہن کے پردے پر ثبت ہیں، لوگوں کا یہ طبعی شوق اور تجسس دیکھ کر یہ خیال آیا کہ انسان اللہ کی پیدا کی ہوئی ان نوع بنوع مخلوقات کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے، اس ظاہری لطف کے ساتھ ہی خالق کائنات نے حلت وحرمت اور طیب وخبیث کے جو اصول ان حیوانات کے بارے میں قائم کئے ہیں انسانی فکر ونظر اور قلوب وطبائع کو ان سے بھی انس قائم کرنا چاہیئے تاکہ لطف وتجسس کا دائرہ مزید وسیع ہو اور حیوانات کے ساتھ انسانی تعلقات کی بنیاد آسمانی تعلیمات کی روشنی میں استوار ہو۔

"حیوانات حدیث" کے عنوان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حدیث کے اندر علم الحیوانات کی تفصیلات تمام جزئیات وکلیات کے ساتھ موجود ہیں، حدیث علم الحیوانات کی کتاب نہیں بلکہ وہ دنیا اور آخرت میں نفع بخش خیر کی راہیں بتانے والا اور نقصان دہ شر سے بچنے کی تعلیم دینے والا کلام ہے، مذکورہ بالا دونوں پہلوؤں سے چونکہ انسان کا تعلق کائنات کی ہر شئی کی طرح حیوانات سے بھی ہے، اس لئے حدیث میں بکثرت حیوانات کا ذکر آیا ہے، اور ان کی حلت وحرمت، طہارت ونجاست، طیبیت وخباثت نیز مختلف خواص اوصاف اور احوال کے اعتبار سے ان سے متعلق اسلام کے احکام اور تعلیمات وآداب کا ذکر کیا گیا ہے، طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، شکار، جہاد، دیات اور طعام وغذا وغیرہ سے متعلق مچھلی، ٹڈی، کتے، بلی، مکھی، بکری، گدھے، اونٹ، گائے، بھیڑیئے، چیونٹی، گھوڑے، جوئیں، خنزیر، چوہے، دنبے، مرغ، خچر، گوہ، بجو، خرگوش، گرگٹ، باز، سانپ، بچھو وغیرہ بہت سے انواع واقسام کے حیوانات کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ان کے متعلق تعلیمات وآداب سکھلائے ہیں، ان آداب وتعلیمات میں جہاں اسلام کی باریکیاں اور عظمتیں جلوہ گر ہیں، وہیں حیوانات کے ایسے ایسے خواص بھی نمایاں ہو گئے ہیں جو آج کے علمی ترقی

کے دور میں بھی ماہرین علم الحیوانات کو حیرت زدہ کر دینے والے ہیں، یہاں اس طرح کی تمام حدیثوں اور ان میں مذکور حیوانات کا تذکرہ نہیں کیا جاسکتا، اس کے لئے ایک مستقل رسالہ لکھنے کی ضرورت ہے، البتہ چند مخصوص حیوانات کا ذکر میں اپنے اس مقالہ میں کرتا ہوں، اور سب پہلے امام حافظ ابن حجر عسقلانی کی مشہور عالم کتاب بلوغ المرام سے کسب فیض کرتے ہوئے "مکھی" سے اس گفتگو و بحث کا آغاز کرتا ہوں۔

مکھی

عن ابی هريرة، قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وقع الذباب في شراب احدكم فليغمسه، ثم لينزعه، فان في احد جناحيه داء وفي الآخر شفاء - أخرجه البخاري وابوداوُد وزاد، وإنه يتقي بجناحه الذي فيه الداء - وعند احمد وابن ماجه - أنه يقدم السم ويؤخر الشفاء -

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پانی میں مکھی گر جائے تو وہ اس کو ڈبو دے پھر اسے نکال دے، اس لئے کہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء ہے، (بخاری) اور ابوداؤد کی روایت میں مزید مذکور ہے کہ وہ بیمار بازو کو بچاؤ کرتے ہوئے آگے کر دیتی ہے، احمد اور ابن ماجہ کے یہاں ہے کہ وہ پہلے زہر کو بعد میں شفاء کو داخل کرتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تقابل تلك السمية بما اودعه الله فيه من الشفاء في جناحه الآخر بغمسه كله فتتقابل المادة السمية المادة النافعة، فيزول ضررها - (سبل السلام ۱/۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پوری مکھی کو ڈبو کر اس زہریلے پن کے مقابل دوسرے بازو میں اللہ کے رکھے ہوئے شفاء کو لایا جائے، اس طرح زہریلے مادہ کے مقابل نفع بخش

مادہ آجائے گا، اور زہر کا نقصان زائل ہو جائے گا۔

امیر یمانیؒ مزید فرماتے ہیں کہ یہ ڈبونے کے حکم کی علت ہے، حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی سیال چیز میں اگر مکھی گر جائے تو وہ اسے ناپاک نہیں بنا سکتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ڈبو دینے کا حکم دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ایسا کرنے سے وہ مرجاتی ہے، پھر یہ حکم اس جیسے تمام حیوانات کے لئے ہوگا جن کے سیال خون نہیں ہوتا جیسے شہد کی مکھی، بھیڑ، اور مکڑی وغیرہ۔ سبل السلام ۱/۵۸

اس حدیث میں اس حیوان کی ایک حالت سے متعلق اسلامی ادب وتعلیم کی نزاکت وطہارت اور عظمت صاف دلیل ہے کہ رسول اکرمؐ کی حدیثیں بھی وحی الٰہی ہیں، آج سے چودہ سو سال پہلے جب نہ سائنسی لیباریٹریاں تھیں اور نہ الکٹرانک آلات تھے، ایک چھوٹے سے حیوان کے متعلق اس قدر باریک معلومات اور پھر اس سے متعلق اس قدر باریک اسلامی حکم وآداب کا بیان، لائف سائنس کے ماہرین کو دعوت تجدید تحقیق دے رہا ہے۔

خارشتی اونٹ

عن ابی ھریرۃ، قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اربع فی امتی من امر الجاھلیۃ لن یدعھن الناس، النیاحۃ والطعن فی الاحساب، والعدوی: اجرب بعیر فاجرب مائۃ بعیر، من اجرب البعیر الاول والانواء، مطرنا بنوء کذا۔ (جامع ترمذی ج۱)

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں چار خصلتیں امور جاہلیت میں سے ہیں، جنہیں لوگ نہیں چھوڑیں گے، میت پر نوحہ کرنا، حسب میں طعن کرنا، متعدی ہونے کا عقیدہ یعنی ایک اونٹ خارش زدہ ہوگیا تو اس نے سو اونٹوں کو خارشتی بنادیا، تو پہلے اونٹ کو خارش زدہ کس نے کیا، اور نچھتروں کا عقیدہ یعنی یہ کہ فلاں نچھتر سے ہم پر بارش ہوئی۔

اس حدیث میں خارشتی اونٹ کا ذکر عقیدۂ عدوی یعنی مرض کے متعدی ہونے کے ابطال میں کیا

گیا ہے، علمی ترقی کے اس دور میں بھی بڑے بڑے ماہرین حیاتیات ولائف سائنس عقیدہ عدوی کے قائل نظر آتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرض بذات خود متعدی ہوتا ہے اور دوسروں تک پھیل جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کے ابطال کے لئے خارش زدہ اونٹ کی مثال دی کہ اگر مرض بذات خود متعدی ہوتا ہے تو پہلے اونٹ کو خارش زدہ کس نے کیا، ظاہر ہے کہ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اللہ نے، اللہ ہی مریض کرتا اور وہی شفا دیتا ہے، بذات خود کسی مرض میں متعدی ہونے کی طاقت نہیں ہے۔ حدیث کی اس حیوانی مثال میں جہاں اسلامی عقیدہ میں علم کی انتہائی گہرائیوں کا ادراک ہوتا ہے، وہیں حیوانات کی ایک عام بیماری یعنی خارش سے متعلق ماہرین کے لئے بدعقیدگی کے بجائے ٹھوس علمی سلامت روی کی اساس بھی مہیا کی گئی ہے۔

گوہ

عن أبي سعيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لتتبعن سنن من كان قبلكم حذو القذة بالقذة، حتى لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه۔ قالوا يا رسول الله اليهود والنصارى؟ قال فمن۔ (رواه الشيخان واللفظ لمسلم)

ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے سے پہلے کے لوگوں کی پیروی کرو گے اور اس میں ان سے ایسی مشابہت اختیار کرو گے جیسے تیر کی نوک دوسرے تیر کی نوک کے مشابہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوتے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے، صحابہؓ نے کہا: یا رسول اللہ وہ یہود ونصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ نہیں تو کون ہیں؟

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ آپ کی امت ہر وہ کام کر ڈالے گی جسے یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے، ان میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑے گی، اسی لئے سفیان بن عیینہؒ کہا کرتے تھے: من فسد من علمائنا ففيه شبه من اليهود ومن فسد من عبادنا ففيه شبه من النصارى۔ ہمارے علماء میں سے جس میں فساد پیدا ہو اس میں یہود کی مشابہت ہے اور ہمارے عابد وزاہد لوگوں میں سے جس میں فساد پیدا ہو اس میں نصاریٰ کی مشابہت ہے۔

اس حدیث میں حیوانات میں سے گوہ کا ذکر کیا گیا ہے، گوہ سے ایک صحرائی حیوان مراد ہے، جس کے

خصائص عجیب ہیں۔ صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ابن خالویہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

إن الضب یعیش سبع مائة سنة وانه لا یشرب الماء ویبول فی کل اربعین یوما قطرة، ولا یسقط له سن، ویقال بل اسنانه قطعة واحدة۔

گوہ سات سو سال تک زندہ رہتی ہے، وہ پانی نہیں پیتی، چالیس دن پر ایک قطرہ پیشاب کرتی ہے، اس کا دانت نہیں گرتا، بلکہ اس کے دانت ایک ہی ٹکڑا ہوتے ہیں۔

وحکی غیرہ أن أکل لحمه یذھب العطش، ومن الامثال "لا أفعل کذا حتی یرد الضب" یقوله من اراد أن لا یفعل الشئ، لأن الضب لا یرد بل یکتفی بالنسیم وبرد الهواء ولا یخرج من جحرہ فی الشتاء۔ ۵/۴۹۲

اس کے علاوہ دوسرے نے بیان کیا کہ اس کا گوشت کھانے سے پیاس بجھ جاتی ہے، اس حیوان پر ایک مثال ہے "لا افعل کذا حتی یرد الضب" یہ ایسا شخص کہتا ہے جو کسی کام کے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، اس لئے کہ گوہ پانی نہیں پیتی بلکہ نسیم اور ہوا کی ٹھنڈک پر اکتفا کرتی ہے، اور جاڑے کے موسم میں اپنے سوراخ سے باہر نہیں نکلتی۔

اس حدیث میں محل شاہد گوہ کا سوراخ ہے، گوہ کے سوراخ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حیوان اسے نہایت پیچ در پیچ بناتا ہے، گویا لکھنؤ کی "بھول بھلیاں" ہے، اس کا دشمن اسے سوراخ میں نہیں پکڑ سکتا بلکہ الٹے خود ہی نکلنے کا راستہ بھول جاتا ہے، خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے سوراخ کا تذکرہ غالباً اس کے اس وصف خاص کی مناسبت سے فرمایا ہے، یہود ونصاریٰ کی ضلالات و بدعات جس طرح پیچ در پیچ تاویلات کی بھول بھلیاں بن کر رہ گئی ہیں، اسی طرح امت محمدیہ بھی اپنی پیچ در پیچ تاویلات کے ذریعہ تمام ضلالات وبدعات میں یہود ونصاریٰ کے مشابہ ہو جائے گی۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

اونٹ کے پشتینی اوصاف

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ اعرابی فقال:

یارسول اللہ إن امراتی ولدت غلاما اسود، فقال هل لك من ابل ؟ قال: نعم، قال: ما الوانها ؟ قال: حمر، قال: فیها من اورق ؟ قال: نعم، قال: فأنى كان ذلك ؟ قال: اراه عرق نزعه، قال: فلعل ابنك هذا نزعه عرق۔ (بخاری مع الفتح ۱۲/۱۷۵)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی آیا اس نے کہا یارسول اللہ میری عورت نے سیاہ فام بچہ جنا ہے، آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا اس کا رنگ کیا ہے، اس نے کہا سرخ، آپؐ نے فرمایا: ان میں خاکستری رنگ کا اونٹ ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپؐ نے فرمایا یہ کیسے ہوگیا، اس نے کہا میں سمجھتا ہوں اسے کسی رگ نے کھینچا ہے، آپؐ نے فرمایا شاید تیرے اس بیٹے کو بھی کسی رگ نے کھینچا ہوگا۔

اس حدیث میں اونٹ کی رگ کے کھینچنے کا ذکر ہے، یعنی پوتا، پڑپوتا اونٹ کا بچہ اپنے دادا پردادا، نانا، پرنانا وغیرہ اونٹوں کے اوصاف پر پیدا ہوسکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ بچہ میں صرف ماں باپ ہی کے اوصاف پائے جائیں، یہ بات تمام حیوانات پر صادق آسکتی ہے، یہ حیوانات سے متعلق باریک علم ہے، اور علم القیافہ کا دقیق نکتہ ہے، ساتھ ہی اس علم کے ذریعہ آپؐ نے اسلام کے دفع حدود کی تعلیم دی، اعرابی کی بیوی کو زنا کے شبہ سے بری فرمایا، اور "ابنک" کہہ کر بچے کو اعرابی کا بچہ قرار دیا کہ شاید حیوانات کی طرح انسانوں میں بھی رگیں کھینچتی ہیں۔

اونٹ کے امتیازی اوصاف

عن زید بن خالد الجهنی، ان رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اللقطة فقال عرفها سنة، ثم اعرف وكاءها ووعاءها، ثم استنفق بها، فإن جاء ربها فادها اليه، فقال يارسول الله، فضالة الغنم، فقال خذها، فانما هى لك أو لأخيك أو للذئب، فقال يارسول الله فضالة

الابل قال: فغضب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی احمرت وجنتاہ، فقال مالک ولها، معها حذاؤها وسقاؤها حتی تلقی ربها۔(جامع الترمذی مع التحفة ۶۲۰/۴)

زید بن خالد جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے پڑی ہوئی اور گم شدہ پائی ہوئی چیز کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا سال بھر اس کی پہچان کراؤ، پھر اس کے بندھن اور ظرف کی پہچان کراؤ، نہیں تو پھر اس کو خرچ کرد، اگر اس کا مالک آئے تو اسے دے دو، اس آدمی نے کہا یارسول اللہ گم شدہ پائی گئی بکری کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسے پکڑ لو پھر یا تو وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی یعنی مالک کی یا پھر بھیڑیئے کی؟ اس نے کہا یارسول اللہ گم شدہ پائے ہوئے اونٹ کا کیا حکم ہے، راوی کہتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہو گئے یہاں تک کہ آپؐ کے رخسار سرخ ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا اس سے کیا واسطہ یعنی اسے نہ پکڑو چھوڑ دو اس کے ساتھ اس کی کھر اور اس کا پیٹ اور اوجھڑی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے مالک سے جا ملے۔

صاحب تحفة الاحوذی اس کے پیٹ اور کھر کے متعلق فرماتے ہیں:

فان فيه رطوبة يكفى ايام كثيرة من الشرب، فان الإبل قد يتحمل من الظما ومالا يتحمله سواه من البهائم، ثم اراد أنها تقوى على المشي وقطع الارض وعلى قصد المياه وورودها، ورعى الشجر، والامتناع عن السباع المفترسة۔ (تحفة ۶۲۰/۴)

اونٹ کے پیٹ میں اتنی رطوبت ہوتی ہے جو بہت زیادہ دنوں تک پانی پینے سے کفایت کرتی ہے، اونٹ کے اندر پیاس کو برداشت کرنے کی اتنی قوت ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ دوسرے چوپائے اسے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے پھر وہ پیروں سے چلنے کی بڑی قوت رکھتا ہے وہ زمین کی بڑی مسافت طے کر سکتا ہے، پانی کی طلب اور اس سے سیرابی کے لئے دور دور تک چل سکتا ہے، وہ درختوں سے پتے چر چگ سکتا ہے، درندے جانوروں سے اپنے بچاؤ کی بھی وہ قوت رکھتا ہے۔

اونٹ کو "صحرا کا جہاز" کہا جاتا ہے، صحرا کے پر مشقت سفر، اس کا پر صعوبت زندگی اور وہاں پانی کی

کمیابی کو دیکھتے ہوئے اونٹ کو صحرائی انسانوں کے لئے اللہ کا مخصوص عطیہ قرار دیا جاتا ہے، اہل سائنس کہتے ہیں کہ ریتیلے میدانوں میں چلنے کے لئے اونٹ کی کھر اور بے آب وگیاہ صحراؤں کو عبور کرنے کیلئے رطوبت سے بھرا ہوا اس کا پیٹ قوانین فطرت کا معجزہ ہے۔ حدیث میں اونٹ کے انھیں اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے، جو اس کے نہایت ممتاز اوصاف ہیں، اور اسلام نے بکری اور اونٹ کے وصفی فرق کے پیش نظر نقطہ کے آداب و تعلیم میں بھی فرق کیا ہے، یہ اسلامی آداب وتعلیمات کی باریکی وعظمت کی بین دلیل ہے۔

حیوانات کی نفسیات ومزاج

عن رافع قال، کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فند بعیر من ابل القوم ولم یکن معہم خیل، فرماہ رجل بسہم فحبسہ اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لہذہ البہائم اوابد کاوابد الوحش فما فعل منہا ہذا فافعلوا بہ ہکذا۔ (جامع الترمذی ج ۱)

رافعؓ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم لوگ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اتنے میں قوم کے ایک آدمی کا اونٹ بھاگ کھڑا ہوا، ان لوگوں کے ساتھ کوئی گھوڑا بھی نہ تھا اتنے میں ایک آدمی نے تیر مارا جسے اللہ نے اسے روک دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان پالتو چوپایوں میں وحشی جانوروں کی طرح انسانوں سے تنفر وتوحش کی خصلتیں ہوتی ہے، لہذا ان میں سے جو چوپایہ ایسا کرے تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو۔

اوابد آبدۃ کی جمع ہے جس کا معنی انسان سے توحش اور تنفر ہے، پالتو جانوروں میں بھی وحشی اور جنگلی جانوروں کی طرح توحش وتنفر کی خصلت ہوتی ہے جو کبھی کبھی نمایاں ہوتی ہے، ایسے موقع پر ان کا سارا انس اور اطاعت کیشی کافور ہو جاتی ہے، پالتو جانوروں میں اس مخصوص نفسیات کے ظہور کے وقت اسلام نے اپنے آداب وتعلیمات کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں ذبح کے حکم میں وحشی شکار کے مثل قرار دیا ہے، اور اس نوع کے اضطرار کے موقع پر ان کے جسم تمام اجزاء کو محل ذبح مانا ہے، جب کہ عام حالات میں حلقوم پر چھری چلا کر ذبح کیا جاتا ہے، صاحب تحفہ نے شرح السنۃ کے حوالہ سے لکھا ہے:

فیہ دلیل علی أن الحیوان الانسی اذا توحش وتنفر فلم یقدر علی قطع منحبہ یصیر جمیع بدنہ فی حکم المذبح، کالصید الذی لا یقدر علیہ وکذلک لو وقع بعیر فی بئر منکوسا فلم یقدر علی قطع حلقومہ فطعن فی موضع من بدنہ فمات فکان حلالا ۔

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ پالتو حیوان میں جب توحش اور تنفر پیدا ہو اور اس کے حلقوم کے قطع کی قدرت نہ ہو تو اس کا سارا بدن حلقوم کے حکم میں ہو جاتا ہے جیسے وہ شکار جس پر قدرت حاصل نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی اونٹ کنوئیں میں اوندھا گر جائے اور اس کے حلقوم کے قطع کی قدرت نہ ہو اور اس کے جسم کے کسی حصہ میں نیزہ و تیر وغیرہ مار کر زخمی کر دیا جائے اور وہ مر جائے تو حلال ہو گا۔

اسی طرح ایک حدیث میں پانچ حیوانات کے مزاج کا تذکرہ آیا ہے ۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خمس فواسق یقتلن فی الحرم، الفارۃ، والعقرب، والغراب، والحدیا، والکلب العقور۔ (اخرجہ الشیخان)

عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ حیوانات فاسق ہیں انھیں سرزمین حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ چوہا، بچھو، کوا، چیل، درندے جانور۔

چوہا سے گھریلو اور وحشی چوہے دونوں مراد ہیں، بچھو کے معنی میں سانپ بھی داخل ہیں، کوا سے مراد مسلم شریف کی روایت کے مطابق " غراب ابقع " ہے یعنی جس کی پیٹھ یا پیٹ میں سفیدی ہوتی ہے، اور کلب عقور سے شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ درندے مراد ہیں، ان حیوانات کو فاسق جو کہا گیا ہے وہ ان کے خبث اور ان کے ذریعہ کثرت ضرر کے صدور کی وجہ سے کہا گیا ہے، صاحب تحفہ نے " نہایۃ " کے حوالہ سے لکھا ہے:

اصل الفسوق الخروج عن الاستقامۃ والجور، وبہ سمی العاصی فاسقا وانما سمیت ھذہ الحیوانات فواسق علی الاستعارۃ لخبثھن، وقیل لخروجھن عن الحرمۃ فی الحل والحرم ای لا حرمۃ لھن بحال ۔

فسوق کا اصل معنی استقامت سے نکل جانا اعتدال سے ہٹ جانا اور ظلم کرنا ہے، اسی سے عاصی کا نام فاسق رکھا گیا ہے، ان حیوانات کا نام جو فاسق رکھا گیا یہ ان کے خبث کی وجہ سے ازراہ استعارہ رکھا گیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ حل اور حرم میں ان کے حرمت سے خارج ہونے کی وجہ سے ان کا نام فاسق رکھا گیا، یعنی کسی حال میں ان کے لئے حرمت نہیں۔

اس حدیث میں مذکورہ اقسام کے حیوانات کے مزاج اور ان کے خبث و ضرر کے پیش نظر اسلام نے ان کے حسب حال اپنے آداب اور تعلیمات سکھلائیں۔

ایک حدیث میں گرگٹ کو بھی فویسق کہا گیا ہے جو فاسق کی تصغیر ہے، حضرت سعدؓ سے صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الوزغ" گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور اس کا نام فویسق رکھا۔ ام شریکؓ کہتی ہیں:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بقتل الوزغ وقال: كان ينفخ على ابراهيم۔ (اخرجه الشيخان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ ابراہیمؑ پر آگ کو پھونک کر بھڑکا رہا تھا۔

صاحب مجمع البحار نے اس کے خبث و ضرر اور فسق کے متعلق ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ اونٹنی کے تھن کو پکڑ کر اس کا دودھ پی لیتا ہے۔

سانپوں کا ذکر مستقلاً صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔

عن سالم بن عبد الله عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقتلوا الحيات، واقتلوا ذا الطفيتين والأبتر، فانهما يلتمسان البصر ويسقطان الحبل۔ (اخرجه الشيخان)

سالم بن عبداللہ عن ابیہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سانپوں کو قتل کرو، خصوصاً دو سیاہ دھاریوں والے اور بے دم والے سانپ، کیونکہ یہ دونوں اندھا

کر دیتے اور حمل ساقط کر دیتے ہیں ۔

یہ دونوں نہایت خبیث سانپ ہیں، ان کی نگاہوں میں زہر کا ایسا خاصہ ہے کہ ان کی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی نظر ملتے ہی بصارت ختم ہوجاتی ہے، اور زہر ہی کے اثر سے ان کی نظر میں نظر ملنے سے حمل ساقط ہوجاتا ہے، یہی خواص افعی کے بھی بتائے جاتے ہیں، بعض اقسام سانپوں کی ایسی بھی ہیں کہ صرف ان کے دیکھنے سے آدمی اندھا ہوجاتا ہے، سانپ کی ایک نوع " ناظور " کہلاتی ہے، اس کی نظر جب کسی انسان پر پڑ جاتی ہے تو وہ آدمی فوراً مرجاتا ہے، سانپ کی ایک نوع ایسی ہے کہ انسان اس کی آواز سنتے ہی مرجاتا ہے، سانپ کے یہ جملہ انواع فواسق میں داخل ہیں، انھیں قتل کیا جائے گا، البتہ ابوداؤد کی ایک روایت میں " جان ابیض " کا استثنیٰ مذکور ہے ۔

عن ابن مسعودؓ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : اقتلوا الحیات کلہا إلا الجان الأبیض الذی کأنہ قضیب فضۃٍ ۔

عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام سانپوں کو قتل کرو سوائے " جان ابیض " کے سفید پتلے سانپ کے جو گویا چاندی کی سلاخ جیسا ہوتا ہے ۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں سانپوں میں اس سانپ کا قتل ناپسندیدہ قرار دیا جاتا ہے جو پتلا چاندی جیسا سفید ہوتا ہے، اور چلنے میں مڑتا نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس سانپ کے اندر خبث، ضرر اور فسق نہیں ہے ۔

گھروں میں ظاہر ہونے والے سانپوں کے متعلق اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ تین بار اور بعض صحیح روایات میں تین دن کا ذکر ہے، کہا جائے کہ تم تنگی اور ضیق میں ہو اگر ایسا کہنے کے بعد بھی وہ ظاہر ہوں تو انھیں قتل کردیا جائے، گھر کے سانپوں کے متعلق اسلام کی تعلیم میں جو امہال ہے اس کی وہ وجہ یہ ہے کہ وہ جن بھی ہوسکتے ہیں اگر صالح ہوں گے تو تحریج کے ساتھ ہی بھاگ جائیں گے اور اگر کافر اور شیطان ہوں گے یا حقیقتاً سانپ ہونگے تو ان پر اسلام کا یہ حکم نافذ کیا جائے گا ۔

کتّا

عن عدی بن حاتم، قال قلت یا رسول اللّٰہ إنا نرسل کلابا لنا معلمۃ، قال: کل ما امسکن علیک، قلت یا رسول اللّٰہ، وإن قتلن؟ قال: وإن قتلن ما لم یشرکہا کلب من غیرہا۔ الحدیث۔ (جامع الترمذی ج ۱)

عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللّٰہ ہم اپنے سکھلائے ہوئے کتے چھوڑتے ہیں، آپؐ نے فرمایا جو تمہارے لئے روک لیں اسے کھاؤ، میں نے کہا یا رسول اللّٰہ اگرچہ وہ شکار کو مار ڈالیں؟ آپؐ نے فرمایا اگرچہ مار ڈالیں بشرطیکہ اس کے ساتھ دوسرا کتا شریک نہ ہو۔

بخاری کی روایت میں ہے "إذا ارسلت کلبک وسمیت" جب تم اپنے کتے کو چھوڑو اور بسم اللّٰہ کہہ دو تو ایسی صورت میں اس شکار کا کھانا حلال ہوگا گو وہ مر گیا ہو بشرطیکہ کتے نے اس میں کچھ کھایا نہ ہو، اگر کھا لیا ہے تو اس نے مالک کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے شکار کو روکا ہے اور وہ حلال نہ ہوگا، بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر بسم اللّٰہ کر کے چھوڑے گئے کتے کے ساتھ دوسرا کتا بھی شکار میں شریک ہو گیا تو سے مت کھاؤ، اس لئے کہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللّٰہ پڑھی ہے نہ کہ دوسرے کتے پر۔

کتا معلم یعنی سکھلایا ہوا کب مانا جائے گا؟ اس کے متعلق صاحب تحفہ نے تین اوصاف نقل کئے ہیں:

اذا اغراہا صاحبہا علی الصید طلبتہ واذا زجرہا انزجرت، واذا اخذ الصید حبستہ علی صاحبہا، وھذا الثالث مختلف فی اشتراطہ، واختلف متی یعلم ذلک منہا؟ فقال البغوی فی "التہذیب" أقلہ ثلاث مرات۔ (تحفۃ الأحوذی ۵/۳)

جب اس کا مالک اسے شکار پر برانگیختہ کرے تو اس کی طلب میں دوڑ پڑے، اور جب اسے منع کرے تو رک جائے، اور جب شکار کو پکڑ لے تو مالک کے لئے اسے روک لے، تیسرے وصف کے شرط ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے، اس میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ اس کا معلم ہو جانا کب معلوم ہوگا، تو امام بغوی نے "التہذیب" میں کم سے کم تین بار لکھا ہے۔

حدیث کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کتے کے اوصاف واحوال کے بدلنے سے اسلام نے اپنے آداب وتعلیمات میں نہایت باریک اور پاکیزہ تبدیلیاں کی ہیں، صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال کر زبان سے حرکت دے تو اسے پاک کرنے کے لئے سات بار دھویا جائے، اور پہلی بار مٹی سے دھلا جائے، یعنی وہ برتن ناپاک ہوگیا اسے سخت اہتمام سے دھلنا اسلام کی نہایت پاکیزہ تعلیم ہے، لیکن وہی کتا جب معلم ہوجائے تو اس کے منہ سے زخمی بلکہ مرا ہوا شکار ناپاک نہیں بلکہ حلال ہوتا ہے ۔
اس تعلیم نے کتے کے لعاب اور اس کی نفسیات ومزاج میں کیا تبدیلی پیدا کر دی کہ اب اس کا شکار حلال ہوگیا، علماء حیوانات کے لئے یہ بھی قابل غور وفکر نکتہ ہے ، اور اس نکتہ پر غور وفکر کرنا انھیں اسلامی تعلیمات کی عظمت کا پتہ دے گا ۔

چیونٹی

عن ابی هريرة رض ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خرج سليمانؑ يستسقي، فرأى نملة مستلقية على ظهرها ، رافعة قوائمها إلى السماء ، تقول: اللهم إنا خلق من خلقك ، ليس بنا غنى عن سقياك فقال ارجعوا! سقيتم بدعوة غيركم ۔ (رواه احمد وصححه الحاكم)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلیمانؑ صلوٰۃ استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی چت لیٹی ہوئی اور اپنے پیروں کو آسمان کی طرف اٹھائے کہہ رہی ہے "اے اللہ ہم تیری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں، ہم تیری بارش سے بے نیاز نہیں ہیں" توسلیمانؑ نے کہا: لوٹ چلو تمہارے غیر کی دعا سے تمہیں سیرابی مل گئی ۔

امام محمد بن اسماعیل صنعانی لکھتے ہیں :

فيه أنه يحسن اخراج البهائم في الاستسقاء وان لها ادراكا يتعلق بمعرفة الله ومعرفة بذكره ويطلب الحاجات منه ۔ (سبل السلام ۱۴۹/۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ استسقاء میں پالتو مویشیوں کو بھی میدان کی طرف نکال کرلے چلنا اچھا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حیوانات کو اللہ کی معرفت سے متعلق ایک ادراک ہوتا ہے، اور اس کے ذکر اور اس سے حاجات کے طلب کی بھی معرفت ہوتی ہے۔

باز

عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صید البازی، فقال ما امسک علیک فکل۔ (جامع ترمذی مع تحفۃ ۵/۳۹)

عدی بن حاتمؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: جو تمہارے لئے روک لے اسے کھاؤ۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کتے یا باز کو تم نے سکھلایا پھر شکار کے لیے چھوڑا اور بسم اللہ کہا تو تمہارے لئے جو روک لیں اسے کھاؤ، میں نے کہا: اگرچہ شکار کو مار ڈالا ہو؟ آپؐ نے فرمایا اگر مار ڈالا ہے اور اس میں سے کچھ کھایا نہیں ہے تو اس نے تمہارے ہی لئے روکا ہے، باز صقور پرندوں کی ایک نوع ہے، باز اور شاہین وغیرہ شکاری پرندے صقر کہلاتے ہیں، باشق اور عقاب کو بھی اسی میں شمار کرتے ہیں۔ دمیری نے "حیاۃ الحیوان" میں باز وغیرہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حیوانات میں بڑے متکبر اور تنگ خلق ہوتے ہیں، امام مجاہدؒ کا قول امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ "باز وہ پرندہ ہے جس کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے، اور یہ ان جوارح یعنی شکاری جانوروں میں سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " وما علمتم من الجوارح مکلبین " حدیثوں میں صقور کے شکار سے متعلق آداب کلاب معلم کے ہی ہیں، اور خود ان کا کھانا بھی حدیث میں حرام بتایا گیا ہے، اس لئے کہ یہ پنجوں سے نوچ پھاڑ کر کھاتے ہیں، اور ایسے پرندوں کو کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

گھوڑا

گھوڑا وہ حیوان ہے جس کے متعلق حدیث میں ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

" الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ " گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر گرہ کر دیا گیا ہے، ایک حدیث میں اس خیر و برکت کو اجر و ثواب اور مال غنیمت سے تعبیر کیا گیا ہے صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے:

الخیل ثلاثۃ: فہی لرجل اجر، ولرجل ستر، ولرجل وزر، فاما الذی ہی لہ اجر، فالرجل یتخذہا فی سبیل اللہ، ویعدہا لہ، فلا تغیب شیئا فی بطونہا الا کتب اللہ لہ اجرا، ولو رعاہا فی مرج ما اکلت من شئ الا کتب اللہ لہ بہا اجرا، ولو سقاہا من نہر، کان لہ بکل قطرۃ تغیبہا فی بطونہا اجر، حتی ذکر الاجر فی ابوالہا وارواثہا، ولو استنت شرفا او شرفین کتب لہ بکل خطوۃ تخطوہا اجر. واما الذی ہی لہ ستر فالرجل یتخذہا تکرما وتجملا، ولا ینسیٰ حق ظہورہا وبطونہا فی عسرہا ویسرہا، واما الذی ہی علیہ وزر، فالذی یتخذہا اشرا وبطرا وبذخا ورئاء الناس، فذاک الذی ہی علیہ۔

گھوڑے تین طرح کے ہیں، ایک تو وہ گھوڑے ہیں جو آدمی کے لئے اجر ہیں، دوسرے وہ ہیں جو آدمی کے لئے پردہ ہیں، تیسرے وہ ہیں جو آدمی کے لئے گناہ ہیں، وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے اجر ہیں آدمی ان کو جہاد کے لئے لیتا اور اس کے لئے انھیں تیار کرتا ہے، یہ گھوڑے اپنے پیٹوں میں جو کچھ بھی نگلتے ہیں تو اس پر اس آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ اجر لکھتا ہے، اور اگر انہیں چراگاہ میں چراتا ہے تو جو کچھ وہ کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر اس آدمی کے لئے لکھتا ہے، اور اگر کسی دریا سے انہیں سیراب کرتا ہے تو ہر قطرۂ آب کے بدلہ جنہیں وہ پیٹ میں منتقل کرتے ہیں اس وزر کے لئے اجر ہوگا، حتی کہ ان کے پیشابوں اور مینگنیوں میں اجر کا ذکر کیا، اور اگر کسی ایک یا دو بلند مقام پر چلے تو ان کے ہر قدم کے بدلے اس آدمی کے لئے اجر ہوگا، اور جو گھوڑے آدمی کے لئے پردہ ہیں آدمی انھیں عزت و زیبائش کے لئے لیتا ہے اور ان کی پیٹھوں اور پیٹوں کے حق کو نہیں بھولتا، خواہ تنگی ہو یا آسانی ہو، اور جس آدمی کے لئے یہ گناہ ہیں آدمی انھیں تکبر، اترانے، فخر اور لوگوں کو دکھلانے کے لئے لیتا ہے، یہی وہ آدمی ہے جس کے لئے وہ گناہ ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس گھوڑوں کی ریس کرائی، مضمر گھوڑوں کے لئے حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک چھ میل کا فاصلہ متعین فرمایا، اور غیر مضمر گھوڑوں کے لئے ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک ایک میل کا فاصلہ متعین فرمایا، عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں ریس میں میں بھی شریک تھا، میرا گھوڑا آگے نکل گیا یہاں تک کہ مجھے لیکر مسجد کی دیوار پھلانگ گیا۔ تضمیر گھوڑوں کی تربیت کی ایک قسم ہے، اسے چارہ خوب کھلا کر موٹا کیا جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ چارہ کم کیا جاتا ہے، پھر اسے ایک گھر میں داخل کرکے اوڑھنے سے ڈھانپ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے بخار آجاتا ہے پھر پسینہ آتا ہے، اور جب پسینہ سوکھ جاتا ہے تو اس کا گوشت ہلکا ہو جاتا ہے اور دوڑنے میں قوی ہو جاتا ہے۔

محبوب گھوڑے

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یمن الخیل فی الشقر۔ (جامع ترمذی ج ۱)

عبد اللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی خیر و برکت شقر میں ہے۔

صاحب تحفہ "مختار الصحاح" کے حوالہ سے لکھتے ہیں "الشقرۃ"، کا معنی اشقر کا رنگ ہے، انسان میں کھلے سرخ رنگ کو کہتے ہیں جس کا پوشت سفیدی مائل ہو، اور گھوڑے میں کھلے سرخ رنگ کو کہتے ہیں ساتھ ہی اس کی ایال اور دم بھی سرخ ہو، اور دونوں سیاہ ہوں تو وہ گھوڑا اشقر نہیں بلکہ کمیت کہلاتا ہے۔

عن ابی قتادۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خیر الخیل: الادھم، الأقرح، الأرثم، ثم الاقرح المحجل طلق الیمن، فان لم تکن ادھم فکمیت علی ھذہ الشیۃ۔ (جامع ترمذی ج ۱)

ابو قتادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا سب سے بہتر گھوڑا ادھم اقرح ارثم ہے پھر اقرح محجل طلق الیمین ہے، اگر ادھم نہ ہو تو اسی وصف پر کمیت ہے۔

صاحب تحفہ نے تورپشتی کا قول نقل کیا ہے کہ: "الادھم الذی یشتد سوادہ" ادھم وہ گھوڑا ہے جس کی

خوب گہری ہو، الأقرح الذی فی وجھہ القرحۃ وھی مادون الغرۃ یعنی فیہ بیاض یسیر ولو قدر درھم ۔ اقرح اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے چہرہ میں معمولی سفیدی ہو یعنی غرہ سے کم ہو ایک درہم کے مقدار ۔ الأرثم ای فی جحفلتہ العلیا بیاض یعنی انہ الأبیض الشفۃ العلیا ۔ ارثم وہ گھوڑا ہے جس کے اوپر والے ہونٹ میں سفیدی ہو ۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ سب سے عمدہ گھوڑا وہ ہے جو سخت سیاہ ہو اور اس کے چہرے میں معمولی سفیدی ہو اور اس کے اوپر والے ہونٹ میں سفیدی ہو ۔

محجل اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے تمام پیروں میں سفیدی ہو یا صرف تین میں سفیدی ہو یا صرف دو ہی میں ہو کم ہو یا زیادہ ہو گٹوں سے اوپر ہوسکتی ہے لیکن گھٹنوں سے اوپر نہیں ۔

طلق الیمین وہ گھوڑا ہے جس کے دائیں پیر میں تحجیل نہ ہو، یعنی دوسرے درجہ کا بہتر گھوڑا وہ ہے جس کے چہرہ میں معمولی سفیدی ہو تین پیروں میں سفیدی ہو اور دائیں پیر میں سفیدی نہ ہو ۔

ناپسندیدہ گھوڑا

عن أبی ھریرۃ رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کرہ الشکال فی الخیل ۔

ابوھریرہ رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے گھوڑوں میں شکال کو ناپسند فرمایا ۔

صحیح مسلم کی روایت میں اتنا زیادہ ہے: "والشکال أن یکون الفرس فی رجلہ الیمنیٰ بیاض وفی یدہ الیسریٰ، ویدہ الیمنیٰ ورجلہ الیسریٰ ۔" یعنی شکال وہ گھوڑا ہے کہ اس کے دائیں پیر اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پیر میں سفیدی ہو ۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: "وھذا التفسیر ھو احد الاقوال فی الشکال۔" یہ تفسیر شکال کی تعریف میں وارد مختلف اقوال میں سے ایک قول ہے ۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب یا ناپسندیدہ گھوڑوں کے جو اوصاف بیان

فرمائے ہیں ان کا تعلق بظاہر رنگ سے ہے، لیکن ان کی عمدگی اور خرابی کے متعلق حدیث رسولؐ میں جو بیان منقول ہے، اس کا تعلق گھوڑوں کے عمدہ یا خراب شجرۂ حسب ونسب سے ہے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کے حسب ونسب سے متعلق گہرے علم کا اندازہ ہوتا ہے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان إلیٰ یوم الدین۔

•••

(مولانا) عبدالوہاب حجازی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس
۲۲ / ۴ / ۹۴ء - ۱۰ / ۱۱ / ۱۴۱۴ھ

وفودِ مدارسِ اہلِ حدیث کا نمائندہ بیان

برائے علماء اہلِ حدیث کانفرنس دہلی

منعقدہ بتاریخ ۴، ۵ / جون ۱۹۹۴ء

تحریر

مقتدیٰ حسن ازہری - جامعہ سلفیہ، بنارس

ذیل کا بیان مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ھند کے ایماء پر میں نے اس کی علماء اہلحدیث کانفرنس منعقدہ دہلی بتاریخ ۴، ۵ / جون ۹۴ء کے لئے جماعتی مدارس کے وفود کے نمائندہ بیان کی حیثیت تیار کیا تھا، ۴ / جون کے پروگرام میں میری عدم شرکت کی وجہ سے اس بیان کا اختصار کانفرنس میں پڑھ کر سنایا گیا، اس کے لئے میں کانفرنس کے منتظمین کا ممنون ہوں یہ بیان مرکزی جمعیۃ کی ملکیت ہے لیکن میں اسے محدث میں اس لئے شائع کر رہا ہوں کہ بعض جماعتی پرچوں میں کانفرنس کی جو روداد شائع ہوئی ہے اس میں اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، ایک پرچہ نے میری ۵ / جون کی حاضری کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس بیان کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا ہے جب کہ ایک دوسرے پرچہ نے سرے سے میری شرکت ہی کو حذف کر دیا ہے جب کہ تملق و خوشامد اور خودستائی و مدح سرائی کے متعدد جملے اسی پرچہ میں موجود ہیں۔ مجھے اپنی ذات یا اپنے بیان کی اہمیت کا دعویٰ نہیں نہ چھپنے کی کوئی تمنا ہے لیکن

اس بیان میں جماعتی مدارس کے تعلق سے جن امور کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ بلا شبہ قابل توجہ ہیں۔ شاید مذکورہ بیان کو نظر انداز کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں واقعیت پسندی کے ساتھ مدارس کی بعض کمزوریوں کا ذکر آگیا ہے، اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ موجودہ حالات میں احتساب نفس کی راہ چھوڑ کر اگر ہم مدح سرائی و خودستائی کا طریقہ اختیار کرلیں گے تو اس سے ممکن ہے ہماری انا کو تسکین ہو جائے، لیکن جماعت کے لئے یہ چیز بحد مضر ہوگی، اور بعد میں خود ہمیں بھی اس کا افسوس ہوگا۔

جامعہ سلفیہ نے کچھ عرصہ قبل جو صحافتی مذاکرہ منعقد کیا تھا اس میں اس طرح کے امور کا ذکر آیا تھا۔ جماعتی پرچوں کے ذمہ دار یقینا اپنے پرچوں کے مالک ہیں، لیکن جماعتی مفادات کے شعور و تعیین میں وہ خود مختار نہیں ہیں۔ اس نوعیت کی تلخ باتیں میں شائع کرنے کا قائل نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی مجبورا ایسا کرنا پڑتا ہے، ذیل کا بیان ملاحظہ فرمائیے اور زحمت نہ ہو تو نشاندہی فرمائیے کہ اس کو نظر انداز کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے:

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم، و علیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد:

صدر محترم، علماء کرام، اعیان و افراد جماعت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

علماء کرام کے اس اہم تاریخی اجتماع میں وفود مدارس اہل حدیث کی طرف سے نمائندہ بیان پیش کرنے کی ذمہ داری میرے اوپر ڈالی گئی ہے، میں اپنے اندر اس کی صلاحیت نہیں پاتا کہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے بے شمار جماعتی مدارس کی ترجمانی آپ کے سامنے کرسکوں، لیکن اس ذرہ نوازی و عزت افزائی کو اس لئے قبول کرلیا ہے کہ جماعت ہی کے ایک مدرسہ کا میں بھی خادم ہوں، اور میرے ذہن میں جماعت کے مدارس سے متعلق چند امور ایسے ہیں جن پر علماء کرام کے درمیان میں تبادلۂ خیال کا متمنی ہوں۔ اپنی بات شروع کرنے سے پہلے ان عناوین کو آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں جن پر اس بیان میں میں نے روشنی ڈالی ہے۔

۱۔ تمہید و تشکر۔
۲۔ مدارس کی اہمیت۔
۳۔ مدارس کے مابین اتحاد و تعاون۔
۴۔ جماعتی مدارس کے نصاب کا مسئلہ۔
۵۔ صنعتی تربیت۔
۶۔ مدارس کی کثرت اور فنڈ کی فراہمی۔
۷۔ لڑکیوں کی دینی تعلیم۔
۸۔ اشاعتِ کتب کا موضوع۔
۹۔ احساسِ فرض اور کردار کی بلندی۔

آئندہ صفحات میں ان ہی عناوینِ تسعہ کی مختصر تفصیل پیش کی گئی ہے، اور اپنی بساط کے مطابق جماعتی مدارس کے اہم اور بنیادی مسائل و معاملات کا احاطہ کیا گیا ہے، اگر آپ کی نظر میں کسی ترمیم یا اضافہ کی ضرورت ہو تو اسے پیش فرمائیے، میں مشکور ہوں گا۔

تمہید و تشکر

اللہ رب العزت کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ اس نے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ذمہ داران کو توفیق بخشی کہ دھلی جیسے عظیم تاریخی شہر میں جماعتی مدارس کے ذمہ داران اور ان مدارس سے وابستہ علماء کرام کو مدعو کیا، عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مرکزی جمعیۃ جیسا محترم اور عمومی ادارہ مدارس اہل حدیث اور اہل حدیث علماء کرام کے موضوع پر تبادلۂ خیال کا آغاز کرے، اور اس سے متعلق مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، الحمدللہ! آج وہ دن آگیا اور ہم اس موضوع پر غور و فکر کے لئے یہاں جمع ہوئے۔ اس اہم اجتماع کے انعقاد پر میں مرکزی جمعیۃ کے امیر محترم، ناظم اعلیٰ اور دیگر تمام ممبران و متعلقین کو اپنی طرف سے، جماعتی مدارس کی طرف سے، علماء جماعت کی طرف سے، جملہ اعیان و افرادِ جماعت کی طرف سے اور جمعیۃ و جماعت کے مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ کی طرف سے ھدیۂ تبریک و تشکر پیش کرتا ہوں، اور خلوص دل سے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اس اجتماع کو ہر طرح سے کامیاب بنائے، اس میں جن تجاویز کو منظور کیا جائے ان پر عمل کی توفیق بخشے، اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کا ہمیں حوصلہ عطا فرمائے، جماعتی مدارس

اور علماء کرام کے کردار کو مزید مؤثر بنائے اور اس آغاز کو ہماری دینی وجماعتی ترقی وعروج کا نقطۂ آغاز بنائے، آمین۔

ہماری جماعت اہل حدیث کے لئے اس شہر دہلی کی عظمت ومعنویت بہت زیادہ ہے، یہیں پر ولی اللّٰہی درسگاہ تھی جہاں اسلامی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی شخصیت کی تعمیر ہوتی تھی، اور ذہن وفکر کو جمود وتعصب کی آلائشوں سے پاک کیا جاتا تھا، اسی درسگاہ سے موجودہ دینی ترقی کا آغاز ہوا اور علوم کتاب وسنت سے مسلمان قریب ہوئے اور سنت نبویہ کی اہمیت وعظمت کو سمجھنے کی انھیں توفیق نصیب ہوئی۔

اسی شہر میں مسند العصر، شیخ الکل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی درسگاہ تھی جس نے قلب ونظر کی دنیا بدل دی، جمود وتعصب کا طلسم توڑ دیا اور کتاب وسنت کی اشاعت وترویج کے لئے ایسا چراغ روشن کیا جس کی ضیا گستری ونورپاشی کا سلسلہ تاہنوز قائم ہے، اور آپ کے منہج تدریس وتربیت کو قابل تقلید نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

اسی شہر میں دار الحدیث رحمانیہ تھا جس کے خوشہ چیں علماء وفضلاء علم وتحقیق کی دنیا میں آج بھی نمایاں ہیں، سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کے عہد زوال میں اس درسگاہ نے علوم اسلامیہ کو جو تنظیم واعتبار عطا کیا، اس کی مثال کسی دوسری درسگاہ میں نہیں مل سکتی، رحمانیہ مرحوم کا جب ذکر آتا ہے تو ہر اہل حدیث فرد کے دل میں مسرت والم کے دوگونہ جذبات تلاطم انگیز ہو جاتے ہیں، جماعت کے ایک فرد واحد نے معلوم نہیں کس نیک نیتی وبلند ہمتی سے اس درسگاہ کو قائم کیا تھا کہ آج تک کسی دوسرے فرد کو ایسی مقبولیت وکامیابی نصیب نہ ہو سکی، ہم متعلقین مدارس اسلامیہ کے لئے اس ادارہ اور اس کے اساتذہ کا کردار آج بھی مشعلِ راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی توفیق بخشے، آمین۔

اس شہر نے آزادی کے بعد بھی جماعتی تعلیمی سرگرمی کے متعدد مظاہر دیکھے ہیں، چنانچہ اس وقت یہاں جماعت کے کئی ادارے اپنی اپنی بساط کے مطابق علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

اس عظیم شہر اور ملک کی راجدھانی میں جمع ہو کر ہم دینی تعلیم اور دینی دعوت کی تنظیم نو کی بات سوچ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی، اور جمعیۃ اہل حدیث سے گزارش ہے کہ وہ افراد جماعت کو متحرک رکھنے کے لئے اس طرح کے اجتماعات کا سلسلہ برابر جاری رکھے۔

مدارس کی اہمیت

ہماری ملی وجماعتی زندگی میں دینی مدارس کی اہمیت غیر معمولی ہے، یہیں سے وہ افراد تیار ہوتے ہیں جن کے ذریعہ زندگی میں حرکت وسرگرمی پیدا ہوتی ہے اور مستقبل کے منصوبے تکمیل پذیر ہوتے ہیں، یہیں پر کتاب وسنت کی تعلیم ہوتی ہے اور عقیدۂ وعمل کی باریکیاں سمجھائی جاتی ہیں، اللہ اور رسول کے حقوق سے واقفیت ہوتی ہے، تہذیب وتمدن اور علم وثقافت کی تحریک کو سمتِ سفر ملتی ہے، افراد وجماعت کا ذہن اور سیرت وکردار کی تشکیل ہوتی ہے، انہیں تعلیم گاہوں سے ہماری تاریخ کی وہ عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں جن پر ملت وجماعت کو فخر ہے، اور جن کی دینی وعلمی خدمات ہندوستان کی علمی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ ان مدارس کا ملک کی آزادی اور نئی نسل کی تربیت ورہنمائی میں بھی نمایاں حصہ ہے، یہاں کے علماء نے وطن اور عوام کی بے لوث خدمت کا جو معیار قائم کیا ہے آج کی مفاد پرست دنیا کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ برصغیر میں اسلام اور اسلامی علوم کی بقا وتحفظ کے اسباب پر غور کیا جائے تو پہلا نام اسلامی مدارس ہی کا آتا ہے جن کے افراد نے صبر وتحمل اور قناعت و سادگی سے کام لیتے ہوئے علم وایمان کی شمعیں جلائے رکھیں، اور دنیوی آرام وراحت اور ظاہری شان و شوکت کو کبھی بھی راہ کی رکاوٹ نہ بننے دیا، وابستگان مدارسِ اسلامیہ کو اگر معاشی الجھنوں سے آزاد کر دیا جاتا تو پھر دنیا دیکھتی کہ ان کی فکری وعملی کاوشوں کے برگ وبار کہاں تک پہنچتے ہیں۔

دینی مدارس کی اسی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ ان کی آبیاری کی جائے اور ان کی اصلاح وترقی کے پروگرام ترتیب دیئے جائیں۔ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث جماعت کا محترم اور معروف ادارہ ہے، مدارس کی ضابطہ بندی اور اصلاح وترقی کے لئے اگر جمعیۃ کوئی پروگرام بنائے اور افراد کو اعتماد میں لے کر کوشش کرے تو مدارس کی کارکردگی میں محسوس طور پر بہتری پیدا ہوسکتی ہے۔

مدارس کے مابین اتحاد وتعاون

ہمارے جماعتی مدارس دین وعلم کی جو عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں اس کی جانب اشارہ کیا جاچکا ہے، اس خدمت کی بنیاد اور اس کا اصل محرک رضائے الٰہی کا حصول ہے، اسی لئے اسلامی تعلیم کے مطابق ان کے مابین اتحاد وتعاون کی فضا قائم رہنا ضروری ہے، کتاب وسنت کی جس تعلیم واشاعت کے لئے یہ ادارے قائم ہیں وہ بیحد عظیم مقصد ہے، اور اس کے حصول کے لئے انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی کوشش مطلوب ہے۔

مدارس کے مابین اتحاد و تعاون کی ضرورت کا احساس ان مدارس کے منتظمین و متعلقین کو بھی ہے مدارس کے اتحاد و تعاون ہی سے ان کا کام آسان ہوگا اور اس میں برکت پیدا ہوگی، اس لئے اس اجتماع کے موقع پر مدارس کے ذمہ داران کو سوچنا چاہیئے کہ کس طرح مدارس کے مابین تعاون کی فضا قائم ہوسکتی ہے، اسی طرح جمعیۃ کے ذمہ داران کو بھی اس مبارک مقصد کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ مدارس کے مابین اتحاد و تعاون قائم ہو جائے تو استفادہ و افادہ کے رجحان کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے راہ ہموار ہوگی، تن پروری و اقربا نوازی کے امکانات کم ہوں گے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علمی منصوبوں کی تکمیل میں آسانی ہوگی۔

مدارس کے مابین اتحاد و تعاون کے لئے ایک ضروری اقدام یہ ہے کہ علاقہ کے اعتبار سے مدارس کی درجہ بندی کی جائے، یعنی ایک ہی جگہ ایک ہی معیار کے متعدد مدارس نہ ہوں بلکہ ضرورت کے مطابق چھوٹے بڑے مدرسے قائم کئے جائیں، اور ان کے میدان عمل الگ الگ ہوں، ایسا نہ کیا جائے گا تو معیارِ تعلیم ہمیشہ پست رہے گا، اور مدارس کا باہمی ماحول خوشگوار نہ ہو سکے گا۔

جماعتی مدارس کے نصاب کا مسئلہ

کسی تعلیم گاہ کی عظمت و اہمیت کا ایک بنیادی عنصر اس کا نصاب تعلیم ہے، نصاب تعلیم اچھا ہو تو ادارہ بھی اچھا مانا جائے گا، اور نصاب غلط ہو تو پھر ادارہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ فکر و عمل کے میدان میں جماعت اہلحدیث کی ذمہ داریاں جس قدر عظیم اور نازک ہیں اسی لحاظ سے ہمارا جماعتی نصاب محنت و توجہ کا مستحق ہے، اگر ہم اچھی کتابیں اچھے طریقے سے پڑھائیں گے تو اچھے طلبہ تیار ہوں گے، ورنہ محنت کا نتیجہ افسوس کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ نصاب پر ہمیں علمی اور جماعتی دونوں حیثیتوں سے غور کرنے کی ضرورت ہے، ہم جو کچھ پڑھائیں اس کا علمی معیار اونچا ہو، اور جماعتی مقاصد کو اس سے کوئی ٹھیس نہ پہونچے۔ ہمارے نصاب میں بعض کتابیں سلفی منہج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، بعض کتابوں کا علمی مقام محل نظر ہے اور بعض کتابوں کے حواشی جماعتی مقاصد کے خلاف ہیں۔ ہمیں ان تمام پہلوؤں پر غور کرکے ایسا نصاب تیار کرنا چاہیئے جو علمی و جماعتی دونوں تقاضوں کو پورا کر سکے، کتب نصاب سے متعلق کچھ امور کا تذکرہ میں اپنے مقالہ میں کر چکا ہوں، اور یہاں بھی اس حصہ کی یہ بات دہرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ درسی کتابوں پر ہمارے اپنے حواشی کی ضرورت بیحد سخت ہے، اس

پہلو پر علماء کرام کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں قائم شدہ ادارہ "مرکز فروغ سائنس" اور بعض دوسرے حلقوں کی طرف سے عربی مدارس میں سائنس کی تعلیم کا سوال اس وقت گشت کر رہا ہے، موجودہ دور میں اس کی ضرورت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس سلسلہ میں یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ کو کس معیار کی سائنس کی تعلیم دی جائے گی، کتابیں کون فراہم کرے گا اور اساتذہ کہاں سے ملیں گے، یہ چند باتیں طے کر لی جائیں تو سائنس کی تعلیم شروع کی جا سکتی ہے۔ جماعتی مدارس کے مابین اتحاد و تعاون کا ماحول قائم ہو جائے تو اس نوعیت کی تعلیمی اصلاحات کی تنفیذ بہت آسان ہو جائے گی۔

نصاب تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مسئلہ توجہ طلب ہے، ہمارے مدارس میں جو تعلیم ہو رہی ہے اسے بالکل ناقص نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ اعتراف ضروری ہے کہ فارغ ہونے والے طلبہ کی صلاحیت کمزور ہوتی ہے، اور وہ تدریس و تبلیغ اور افتاء وغیرہ کی ذمہ داریاں پورے طور پر سنبھالنے کے اہل نہیں ہوتے حالانکہ یہ تینوں کام ان کے بنیادی فرائض میں داخل ہیں، اس لئے اس نقص کو دور کرنے کی کوشش ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا اقدام یہ ہے کہ مدارس کا معیار تعلیم بلند کیا جائے اور طلبہ کو دوران تعلیم مذکورہ تینوں کاموں کی باقاعدہ اور سنجیدہ طور پر مشق کرائی جائے۔ اور دوسرا اقدام یہ ہے کہ فارغین میں جو طلبہ ذہین اور محنتی ہوں ان کے لئے ایک سالہ تربیتی کورس شروع کیا جائے جس میں طلبہ کو تدریس، تبلیغ اور فتویٰ نویسی کی باقاعدہ مشق کرائی جائے، اور ان مآخذ کی نشاندہی کی جائے جن سے مذکورہ تینوں کاموں کی انجام دہی آسان ہو۔ اگر طلبہ مذکورہ ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل نہ ہوں گے تو اس کا مدارس کے مستقبل پر بہت خراب اثر مرتب ہوگا۔ جامعہ سلفیہ نے اسی سال سے ایک تربیتی نصاب شروع کیا ہے جس میں مذکورہ امور کی رعایت ہے، لیکن اس طرح کے نصاب کی کامیابی طلبہ کے شوق و محنت پر منحصر ہے جس کے سلسلہ میں ہمارا تجربہ تلخ ہے۔

مدارس کی کثرت اور فنڈ کی فراہمی

معاشرتی اور تمدنی مسائل میں ایک مسئلہ آبادی کے اضافہ کا ہے، آبادی میں اضافہ برابر ہوتا رہے گا، اور اسی کے مطابق معاشرہ کے مسائل بھی بڑھتے رہیں گے، ہمارے معاشرہ کی ایک ضرورت دینی تعلیم بھی ہے

جوں جوں معاشرہ بڑا ہوگا اس کی تعلیمی ضرورت بھی بڑھے گی۔ اس پس منظر میں دینی جماعتی مدارس کی کثرت باعث تشویش نہیں، البتہ ہر نیا ادارہ کھولنے سے پیشتر یہ سوچنا ضروری ہے کہ اس کی ضرورت کتنی ہے، ایسا نہ ہو کہ معاشرہ کی ضرورت کا لحاظ کئے بغیر کسی اور سبب کے دباؤ میں آکر کوئی نیا ادارہ کھول دیا جائے، اور پھر اس کی احتیاجات کی تکمیل کے لئے دین وجماعت کا حوالہ دیا جائے، جماعتی اداروں کے بہت سے مسائل اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ادارہ قائم کرتے وقت ہم بہت سی ضروری باتوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔

معاشرہ کی ضرورت کا احساس کرنے کے بعد جب ہم کوئی نیا ادارہ قائم کریں تو ایک توجہ طلب مسئلہ تعلیم کے معیار کا ہے، اصولی بات یہ ہے کہ ہر نئے ادارہ کا تعلیمی معیار دوسرے قدیم اداروں سے بہتر ہو، لیکن امر واقع یہ ہے کہ نئے ادارے قدیم اداروں کے مقابلہ میں زیادہ بدحال ہوتے ہیں، اور ان کے ذمہ داران اس کی توجیہ وسائل اور تجربہ کی کمی سے کرتے ہیں، لیکن تعلیمی معیار کے نقص وانحطاط کے لئے یہ توجیہ کافی نہیں ہے۔

مدارس کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ فنڈ کی فراہمی کا ہے، یہ مسئلہ پہلے کے مقابلہ میں اب آسان ہے، اور شاید اسی وجہ سے نئے مدارس کے قیام کی رفتار بھی تیز ہے، اگر صورت حال سازگار ہو تو اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہماری نظر مدارس کی مادی حیثیت کے بجائے ان کی معنوی حیثیت پر ہو، صرف دولت کے لئے ہم تعلیم وتربیت کے مقاصد کو قربان نہ کریں، اگر اداروں کی معنوی حیثیت کو برقرار رکھنے میں ہم کامیاب ہو جائیں گے تو مادی کمزوری سے ہمیں کوئی نقصان نہ ہوگا لیکن اگر ان کی معنوی حیثیت مجروح ہو جائے گی تو پھر مادی حیثیت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، ہمارے لئے چنداں مفید نہ ہوگی۔

جماعتی مدارس کے ذمہ داران فنڈ کی فراہمی کے لئے بیرون ملک کا بھی سفر کرتے ہیں اور ملک کے اندر بھی تحصیل کا کام ہوتا ہے، بذل وانفاق کی تعلیم اسلام میں موجود ہے، لیکن اس مسئلہ کا منضبط ہونا ضروری ہے، بعض ایسے واقعات پیش آچکے ہیں جو جماعتی مدارس اور علماء کی شان سے فروتر ہیں، جس زہد وقناعت کی تعلیم مدارس میں دی جاتی ہے اس کا مظاہرہ اگر مدارس کے متعلقین نہیں کریں گے تو پھر ان محاسن کی عملی تصویر ہم کو کہاں ملے گی؟

اندرون ملک مدارس کے سفراء کے ساتھ اصحاب ثروت کا جو برتاؤ ہے اسے دیکھ کر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ

یہ مدارس ملت وجماعت کی نہیں بلکہ صرف علماء وطلباء کی خدمت کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور مالدار طبقہ کی اس سلسلہ میں کوئی ذمہ داری نہیں، حالانکہ شریعت کی رو سے مالدار طبقہ ملت کے لئے دینی تعلیم کے بندوبست کا پابند ہے، لہذا موجودہ صورت حال بدلنے کے لئے ہمیں مالداروں کا نقطۂ نظر بدلنے کی ضرورت ہے۔

مدارس کا مالیاتی مسئلہ ان کا اپنا مخصوص مسئلہ ہے، پھر بھی مرکزی جمعیۃ ان کے ذمہ داروں کو یہ مشورہ دے سکتی ہے کہ وہ فنڈ کی فراہمی میں وقار، سنجیدگی اور عزت نفس کا لحاظ کریں۔

لڑکیوں کی دینی تعلیم

موجودہ دور میں دینی تعلیم کو فروغ ملا ہے، نئے مدارس کا قیام عمل میں آیا ہے، اور پرانے مدارس میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ اس توسیع و ترقی میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو بھی حصہ ملا ہے، یعنی مختلف علاقوں میں لڑکیوں کے لئے دینی تعلیم کا بندوبست ہوا ہے، اور اس کے لئے مستقل ادارے قائم ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں ہمارے امیر محترم کی مساعی قابل تحسین ہیں، موصوف نے مالیگاؤں، مئو اور بعض دوسرے علاقوں میں تعلیم نسواں کے لئے بڑے بڑے ادارے قائم کئے ہیں جن سے معتد بہ تعداد میں لڑکیاں فارغ ہو رہی ہیں۔ چونکہ ہمارے دینی مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے لڑکیوں کی دینی تعلیم زیادہ ضروری ہے، اور اس کے عمدہ اثرات بھی ہمارے سامنے ہیں، اس لئے جماعت کے اہل خیر کو اس مسئلہ پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ لڑکوں کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں ہمارا تجربہ طویل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ لڑکیوں کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں ہم ان غلطیوں کا اعادہ نہ کریں جن سے لڑکوں کی تعلیم بے اثر ہو رہی ہے۔

لڑکیوں کی دینی تعلیم پر اگر ہم پوری طرح توجہ دیں گے تو اس سے ان شاء اللہ جماعتی مقاصد کے حصول میں آسانی ہوگی، تعلیم یافتہ ماؤں کی گود میں تربیت پانے والی ہماری نئی نسل دینی تقاضوں سے اچھی طرح واقف ہوگی، اور دعوتی کاموں میں ہمارا مثبت تعاون کرے گی۔ ہماری تاریخ میں صنف نازک کی مذہبی تعلیم کا باب بے حد روشن ہے، عصر اول میں صحابیات کی علمی خدمات اور فن حدیث میں ان کی روایت و تعلیم کا سلسلہ ایک ایسا نمونہ ہے جس سے ہمیں روشنی مل سکتی ہے، معاشرہ میں عقیدہ و عمل کی مختلف خرابیاں اور رسوم و رواج کی بندشیں ہم مسلمانوں کے لئے باعث تشویش ہیں، لڑکیوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعہ ہم ان خرابیوں پر قابو پا سکتے ہیں، اور اپنے معاشرہ کی صحیح خطوط پر تعمیر کر سکتے ہیں۔ ان تمام مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ہمیں لڑکیوں کے تعلیمی اداروں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اگر ہماری نیت نیک اور ارادہ صالح ہوگا تو اللہ تعالیٰ راہ

کی دشواریوں کو دور فرمائے گا ۔

صنعتی تربیت

مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کا یہ ایک مستحسن اور قابل تعریف اقدام ہے کہ اس نے اس کانفرنس میں جماعتی مدارس کے ذمہ داران کو مدعو کیا ہے، ہمارے مدارس کے متعدد ومتنوع مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ان مدارس کے فارغین کے اقتصادی مستقبل اور ذریعہ معاش کا ہے، ہمارے علمائے کرام آزادی کے پہلے سے اس پہلو پر سوچتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی سوچ کا سلسلہ جاری ہے۔ اقتصادی مستقبل کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، اور اسے نظر انداز کرنے کے نتائج ایسی ناخوشگوار صورتوں میں سامنے آرہے ہیں کہ کوئی اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھے یا نہ سمجھے اس کی اہمیت کم نہ ہوگی۔ لیکن اس موقع پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ عربی مدارس کے فارغین کو سائنس وغیرہ کی تعلیم دے کر یا یونیورسٹیوں میں ان کو داخلہ دلاکر جو حل سوچا جارہا ہے وہ ہمارے دینی مقصد سے زیادہ ہم آہنگ نہیں ہے ۔

اس مسئلہ کا ایک حل فارغین کی صنعتی تربیت کے ذریعہ بھی زیر تجویز اور کہیں کہیں زیر عمل ہے، یونیورسٹیوں میں طلبہ کے داخلے کی بہ نسبت یہ حل زیادہ قابل اطمینان ہے، جامعہ سلفیہ نے بھی عرصہ سے یہ منصوبہ تیار کر رکھا ہے کہ صنعتی تربیت کا تجربہ کیا جائے، لیکن شاید ہماری جماعت کے کسی مدرسہ نے ابھی یہ کام شروع نہیں کیا ہے جب کہ اس کی ضرورت واضح ہے ۔ ہمارے موجودہ ذمہ داران مدارس کا نقطۂ نظر اس سلسلہ میں کیا ہے میں کہہ نہیں سکتا، لیکن صنعت وحرفت کے کام سے اگر کسی طرح کا انقباض محسوس ہورہا ہو اسے دور کردینا چاہیئے، یہ تجویز مجھ ناقص الخیال کی نہیں بلکہ جماعت کے ایک بالغ نظر، مخلص اور بابصیرت عالم کی ہے جس نے اپنی علمی و دعوتی خدمات سے اپنے اور بیگانے ہر ایک کو متاثر کیا اور آج تک علمی حلقوں کی طرف سے انہیں خراج تحسین پیش کیا جارہا ہے ۔ علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری رحمہ اللہ اہل حدیث کانفرنس کے جلسہ منعقدہ آگرہ کے اپنے خطبۂ صدارت میں فرماتے ہیں :

"مسلمانوں کی دین ودنیا کی تباہی کے اسباب بہت ہیں، اور میرے خیال میں افلاس قومی ان سب میں سب سے بڑا ہے، مسلمانوں کی دین ودنیا کو بے روزگاری اور بے ہنری نے بہت زیادہ تباہ کیا ہے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا صدر دفتر دہلی میں ہے، اور دہلی تجارت کا مشہور مرکز ہے، اگر اسی جگہ سے مسلمان بچوں کو ہنر سکھلانے اور روٹی کمانے کا ذریعہ سکھلانے کی ابتدا ہوجائے تو نہایت موزوں ہے ۔

دہلی میں جس قدر دینی مدارس ہیں ان کے سب مربی ومعاونین اور اساتذہ مل کر ایسا طریق اختیار کریں کہ طلبہ کو صرف ونحو اور فقہ وحدیث کے اسباق کے ساتھ کوئی ہنر بھی سکھلایا جائے۔ امید ہے کہ دہلی کی نظیر دوسرے مقامات کے لئے بہترین دلیل بن جائے گی۔"

(اخبار اہلحدیث امرتسر، ۲۱ر شوال ۱۳۴۶ھ ص ۵)

اشاعت کتب کا موضوع

یہ زمانہ پریس کی قوت اور ذرائع ابلاغ کی وسعت کا ہے، اخبارات ورسائل اور کتابوں کی ہر طرف کثرت ہے، اور افکار ونظریات کی اشاعت میں اس کا غیر معمولی اثر ہے۔ ہمارے دینی ادارے ہی ہمارا علمی مرکز اور ہماری ثقافتی احتیاجات کی تکمیل کا سامان ہیں یہیں سے فارغ ہونے والے علماء تصنیف وتالیف کی خدمت انجام دیں گے، اور کتابوں کی اشاعت کے لئے راستہ ہموار کریں گے۔ پچھلے دور میں اسی شہر میں کئی جماعتی پریس تھے، بھوپال میں نواب صاحب علیہ الرحمۃ کا فیض جاری تھا، اس وقت جماعت کے پاس کوئی اچھا پریس نہیں، البتہ امیر جماعت حفظہ اللہ کا اپنا ذاتی پریس ہے، اور انہوں نے مختلف جماعتی کتابیں بھی شائع کی ہیں، اگر درسی کتابوں اور دیگر علمی واصلاحی کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں موصوف توجہ فرمائیں تو مرکزی جمعیۃ اپنے اشاعتی پروگراموں کو خوبی کے ساتھ چلا سکتی ہے۔ سنجیدہ دینی لٹریچر کی فراہمی کا مسئلہ بیحد اہم ہے، اس لئے میں نے اس کا ذکر اپنے مقالہ میں بھی کیا ہے، میرا یقین ہے کہ جماعت کی ترقی وعروج کے لئے ذہن سازی ضروری ہے، اور صالح ذہن مناسب لٹریچر کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک ہماری جماعت اپنے افراد کا ثقافتی معیار بلند نہیں کرے گی اس وقت تک ترقی کا تصور برمحل نہ ہوگا۔

احساس فرض اور کردار کی بلندی

جماعت کے دینی مدارس کا اولین مقصد طلبہ کو علم وعمل سے آراستہ کرنا ہے، یعنی ان مدارس کے فارغین علم وفہم میں پختہ ہوں، کتاب وسنت کے نصوص اور اسلامی تاریخ پر ان کی نظر ہو، وقت کے تقاضوں اور دین حق کے مطالبوں سے واقف ہوں، اور جس عظیم امانت کے وہ حامل ہیں اس کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں، اسی طرح ان کا عملی پہلو بھی بیحد مضبوط ہو، اسلام کی جن تعلیمات کو انہوں نے کتاب وسنت میں پڑھا ہو ان پر خود ان کا عمل ہو، زہد وتقوی، ایثار وقربانی، اخلاص وللہیت اور قناعت وبے نفسی کے جن محاسن

کی جلوہ گری انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ ومحدثین کی زندگیوں میں دیکھی ہے انہیں اپنی زندگی میں بھی جاری وساری کریں، میں یہ بات عبارت آرائی ومضمون آفرینی کے کسی جذبہ کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میرے ناقص تجربہ میں ایسے ایسے واقعات آئے ہیں جن سے علم دین اور علماء دین کی سخت توہین ہوتی ہے، اس لئے علماء اور مدارس دینیہ کے ذمہ داران کے اجتماع میں یہ بات عرض کر رہا ہوں۔

یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ دینی مدارس سے وابستہ علماء وطلبہ کے اوپر بھی کچھ معاشرتی وخانگی ذمہ داریاں ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے لیکن پیسوں کے حصول کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جائیں ان کی نوعیت غور طلب ہے، اگر علماء وطلبہ بھی اپنے فرض منصبی کو فراموش کر کے اور اپنی عظیم دینی حیثیت کو نظر انداز کر کے حصولِ زر اور حصولِ منصب کو اپنا نصب العین بنالیں تو اخلاص وبے نفسی کا نمونہ کہاں ڈھونڈا جائے گا؟ دولت کے حصول کو علماء کرام اپنے فتووں سے جائز بتا سکتے ہیں، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے اسلاف میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے کاروبارِ حیات سے قطع تعلق کر کے علم دین کے میدان میں قدم رکھا، ایک عالم دین اگر کسبِ دولت اور تحصیل منصب کو اپنا مطمح نظر بنالے تو علم دین کی خدمت کے لئے مطلوبہ ایثار وقربانی کا مظاہرہ وہ کیسے کر سکے گا۔ میں جانتا ہوں کہ دولت اور علم دین کے مابین کوئی ایسا تضاد نہیں ہے کہ دونوں چیزیں کہیں ایک جگہ جمع نہ ہوسکیں، لیکن یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ آدمی کی توجہ کا مرکز کوئی ایک ہی چیز ہوسکتی ہے، بیک وقت دومختلف جہتوں میں اگر وہ قدم بڑھائے گا تو کسی ایک میں بھی کمال حاصل نہ ہوگا۔ میں خود ایک دینی مدرسہ کا خادم ہوں، مجھے تجربہ ہے کہ طالب علم اول روز سے مال ودولت کے حصول کے لئے کوشاں رہتا ہے مادی منفعت کے مقابلے میں، دین اور علم دین کی راہ میں ناموری اور کمال کا حصول اس کا ثانوی مقصد ہوتا ہے، اور جب انسان کی توجہ کا مرکز دولت کا حصول ہو تو میرے خیال میں علم دین کے میدان میں ایسے طلباء کی کامیابی مشکل ہے، شاید اسی وجہ سے سورۂ احزاب کی آیت ۲۸، ۲۹ میں امہات المؤمنین کو اور سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۳۱ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ دین کی خدمت کرنے والوں کی نظر دنیوی زیب وزینت اور آرام وراحت پر نہیں ہونی چاہیے بلکہ ان کا عظیم مقصد ہی دین اور علم دین کی سربلندی ہو خواہ دنیا راحت سے کٹے یا مشقت سے۔

طلبہ میں حصولِ دولت کا بڑھتا ہوا رجحان بقول بعض مبصرین شاید اس وجہ سے ہے کہ علماء دین کو معاشرہ میں ہمیشہ تنگ دستی کا سامنا رہا ہے، کیونکہ سرکاری ملازمتوں کا دروازہ ان پر بند ہے، اور عربی مدارس میں معیار تنخواہ ناگفتہ بہ۔ میں اصحاب ثروت اور ذمہ داران مدارس سے گزارش کروں گا کہ وہ دینی مدارس کے معیار تنخواہ پر نظر ثانی کریں، اور علماء کو اتنا مشاہرہ اور اتنی سہولتیں مہیا کریں کہ ان کی لازمی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔

اسی طرح علماء و مدرسین کی عزت و توقیر کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے، مجھے ذاتی طور پر افسوس ناک صورت حال کا علم ہے کہ بعض دینی مدارس کے ذمہ داران قلیل مشاہرے پر علماء و مدرسین سے خدمت لینے کے باوجود ان کے تعلق سے بیحد ناشائستہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں، حتی کہ سب وشتم نیز بدزبانی و بہتان تراشی سے بھی باز نہیں آتے، علماء پر عام طور سے بددیانتی اور حرص وطمع کا الزام عائد کرتے ہیں، سرکاری تنخواہ قبول کرنے پر لعن طعن کرتے ہیں، لیکن جن عالموں سے ذاتی اور خصوصی تعلقات و معاملات رہتے ہیں ان کے حق میں زبان بند رکھتے ہیں۔ علماء کی اہانت وتذلیل کا یہ رجحان جماعت کی ترقی نہیں بلکہ انحطاط کی علامت ہے، اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے علماء، مدرسین اور جماعت وجمعیۃ کے ذمہ داران ہر ایک کو کوشش کرنا چاہئے ورنہ ہمارا یہ اخلاقی انحطاط ہمیں عمیق ترین پستی میں ڈھکیل دے گا۔ ہماری جماعت کا شاید یہ المیہ ہے کہ دولت مند طبقے اور بے علم و بے بصر افراد کو علماء و مدرسین پر مسلط کر دیا گیا ہے، اور علماء اس صورتِ حال پر کسی مصلحت یا جراُت کے فقدان کیوجہ سے خاموش ہیں۔ ایک آدمی دن بھر کاروبار کرکے دولت کماتا اور عیش کرتا ہے تو وہ آپ کی نظر میں قابل تحسین ٹھہرتا ہے، لیکن ایک عالمِ دین تدریس کی خدمت انجام دیکر علمِ دین کو فروغ دیتا ہے اور تھوڑی سی تنخواہ پر قناعت کرتا ہے تو وہ آپ کی بدزبانی کا نشانہ بنتا ہے! ۔

•••

مولانا محمد یونس مدنی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

سلسلۂ تراجم علماء اہلحدیث بنارس

مولانا قاری عبدالوہاب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء — وفات ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

قاری عبدالوہاب بن عبدالمجید بن صدیق اللہ بن کریم بخش۔

آپ شہر بنارس کے جنوبی علاقہ محلہ مدن پورہ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں بنارس میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔

جامعہ رحمانیہ مدنپورہ میں اپنے لائق وفائق اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد منیر خاں (م ۱۹۴۵ء) مولانا عبدالغفار حسن عمرپوری حفظہ اللہ، مولانا عبدالرؤف رحمانی حفظہ اللہ، قاری احمد سعید (م ۱۹۶۴ء) اور مولانا محمد ابوالقاسم (م ۱۹۶۵ء) والد ماجد شیخ الجامعۃ السلفیہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

آپ حافظ قرآن تھے، قاری احمد سعید رحمہ سے آپ نے تجوید کی تکمیل کی تھی، آپ خوش الحان قاری، کامیاب مدرس، اور سلفیت کے پرجوش داعی ومبلغ تھے، راقم کو مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

فراغت کے بعد آپ نے سفارت، تدریس، تبلیغ، امامت اور خطابت کے فرائض کو خیر وخوبی، شوق ولگن، امانت داری اور دینی تڑپ کے ساتھ انجام دیا۔

آپ مدرسہ سعیدیہ دارانگر کے سفیر تھے، آپ نے اس کام کو نہایت ہی خوش اسلوبی اور امانت ودیانت کے ساتھ پورا کیا۔[1]

---

[1] پندرہ روزہ "نور توحید" لکھنؤ مجریہ ۱۰ ر مارچ ۱۹۵۲ء

مولانا محمد داؤد راز رح (م ۱۹۸۱ء) بمبئی میں مومن پورہ مسجد اہل حدیث کے امام و خطیب تھے، جب وہ حج بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو ان کی جگہ پر قاری صاحب نے امامت وخطابت کے فریضہ کو بحسن وخوبی ادا کیا، قاری احمد سعید رح کے انتقال کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے اور کئی سالوں تک جامعہ رحمانیہ میں طلبہ کو ناظرہ مع حفظ وتجوید پڑھاتے رہے۔

۱۹۵۲ء میں آپ ریواں تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ خیر العلوم میں منصب تدریس پر فائز ہوئے۔ تدریس کے ساتھ درس قرآن اور درس حدیث کا سلسلہ بڑی مستعدی سے جاری رکھا، شہر کے ہر عمر کے شائقین علم حاصل کرنے کے لئے قاری صاحب کے پاس آتے، آپ سب سے نہایت اخلاق وخندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، شہر میں وعظ وتبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رہا جس سے اکثر لوگ خوش خیال ہوگئے اور عقائد میں قدرے اصلاح ہوگئی۔ پیر پرستی، قبر پرستی اور تعزیہ پرستی سے تائب ہوگئے مگر سماجی دباؤ کی وجہ سے مسلک اہل حدیث قبول نہیں کرسکے، تاہم چند حضرات آپ کی تبلیغی کوششوں سے اعلانیہ اہل حدیث ہوگئے۔[1]

اہل حدیث مذہب قبول کرنے والے افراد کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ جناب عبدالغنی صاحب ٹھیکیدار
۲۔ جناب حکیم جان عالم صاحب
۳۔ جناب عبدالغفور صاحب
۴۔ جناب حکیم ابیّ صاحب

یہ حضرات جلد ہی اللہ کے پیارے ہوگئے اللّٰھم اغفر لھم وارحمھم۔ مسلک اہل حدیث قبول کرنے والوں میں ایک نوجوان محمد حسین بھی ہیں یہ ابھی حیات ہیں، اور بھوپال میں پولیس ڈیپارٹ میں کسی اہم عہدہ پر فائز ہیں، یہ تھے ریواں میں آپ کے تبلیغی کوششوں کے نتائج۔

ویڑھن ضلع سیدھی میں سلفیت آپ کی ہی بدولت پھیلی، واقعہ یوں ہے کہ ایک بزرگ جناب حکیم حافظ عبدالکریم صاحب دوافروش اپنی تجارت کے سلسلے میں ویڑھن آئے اور مسجد میں قیام فرمایا، حسن اتفاق

---

[1] حوالہ مذکور

سے ان کی ملاقات محمد سعید صاحب سے ہوگئی تعارف ہوا، محمد سعید صاحب کو قرأت سیکھنے کا بڑا شوق تھا، حکیم صاحب سے انہوں نے اپنے ذوق کا اظہار کیا، حکیم صاحب اہل حدیث تو نہیں تھے لیکن انہوں نے بتایا کہ اگر آپ اپنا شوق پورا کرنا چاہتے ہوں تو ریواں چلے جائیں وہاں محلہ گھوگھر ڈرین ٹولہ میں حاجی نذیر احمد صاحب کے یہاں ایک اچھے قاری تشریف فرما ہیں، واضح رہے کہ اس دور میں محترم قاری صاحب ریواں میں حاجی نذیر احمد صاحب کے مدرسہ میں مدرس تھے اور تدریسی و تبلیغی خدمات انجام دے رہے تھے، حکیم صاحب نے یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ وہابی ہیں مگر قرأت میں ماہر ہیں۔ قرآت سیکھنے کا شوق سعید صاحب کو کشاں کشاں ریواں لے گیا، سعید صاحب مسلکاً بریلوی تھے اور عام طور سے ایسے لوگ جماعت اہل حدیث و افراد جماعت سے نفرت کرتے ہیں، چنانچہ وہ محترم قاری صاحب سے قرأت سیکھنے لگے، مگر اپنے آبائی مسلک پر سختی سے قائم تھے، کسی اہلحدیث کے یہاں پانی پینا بھی گوارا نہ کرتے تھے مگر قاری صاحب دوران تعلیم اپنے حسن اخلاق، الطاف وعنایات اور حکمت و دانائی کے ساتھ انہیں جام توحید پلاتے اور سنت رسول سے روشناس کراتے رہے۔ قاری صاحبؒ کی تبلیغی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ سعید صاحب نے ریواں ہی میں مسلک سلف کو اختیار کرلیا اور متبع کتاب و سنت بن گئے۔

محترم محمد سعید صاحب ریواں سے ڈیڑھن واپس ہوئے تو دل جذبہ تبلیغ سے لبریز تھا، آپ نے بے پناہ جذبۂ اخلاص کے ساتھ اپنے خویش واقارب، دوست واحباب کو کتاب وسنت کی دعوت دی، توفیق ربانی سے جلد ہی چند افراد اہل حدیث ہوگئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں :

۱۔ جناب محمد ایوب صاحب برادر جناب محمد سعید صاحب
۲۔ جناب ماسٹر محمد حنیف صاحب
۳۔ جناب محمد ایوب گنگیاری صاحب

اس طرح قاری صاحبؒ کی تبلیغی مساعی سے ریواں سے کتاب وسنت کی روشنی ڈیڑھن پہونچی اور لوگوں کے دلوں کو منور کرتی گئی۔

ڈیڑھن میں ایک بار آپ توحید وسنت کا وعظ فرما رہے تھے، اہل بدعت چراغ پا ہو کر جگہ جگہ ٹولیوں کی شکل میں جمع تھے ان میں سے بعض کے ہاتھوں میں خطرناک ہتھیار بھی تھے، قاری صاحبؒ مضبوط دل کے تھے، ان لوگوں

کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر اپنی تقریر کو جاری رکھا، دوران تقریر موصوف نے فرمایا کہ: "اگر تمہارے پاس قرآن و حدیث کی تلوار ہو تو میدان میں آجاؤ" اس کے بعد موصوف کو اتفاقیہ کھانسی آنے لگی، کھنکھار کر گلا صاف کرنا چاہتے تھے، مخالفین نے سمجھا کہ مولانا تلوار دکھا رہے ہیں اور مقابلہ کا چیلنج کر رہے ہیں، چاروں طرف سے مخالفین اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے، سامعین میں سے ایک صاحب جن کا نام شیخ احمد تھا اس دینی محفل میں شریک تھے، جب انہوں نے اس ہجوم کو دیکھا تو ان کی ایمانی غیرت وحمیت جوش میں آگئی اور قاری صاحب پر ٹوٹ پڑنے والوں کو للکارا اور کہا کہ آج سے میں بھی وہابی ہوگیا اب اگر آگے قدم بڑھایا تو خیر نہیں۔

موصوف کی اس للکار سے مخالفین کا آگے بڑھتا ہوا قدم رک گیا، اس طرح قاری صاحبؒ کی تقریر سے اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو مسلک حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

"بروایت محمد شفیع رحمانی ساکن ویڑھن"

قاری صاحبؒ سنت کے شیدائی اور بدعت کے سخت مخالف تھے اور پیغام حق پہونچانے میں نڈر تھے، آپ کی عمدہ و شیریں آواز کی وجہ سے لوگ بہت متاثر ہوتے جس محفل میں جاتے چھا جاتے اور قرآن کی تلاوت سے ایک سماں باندھ دیتے، اس سے ان کی تقریر میں جان پیدا ہوجاتی اور لوگ انتہائی سکون واطمینان سے تقریر سنتے اور متاثر ہوتے۔

آپ نے مرزاپور، گھوسیا، بینی پور وغیرہ میں تبلیغی فرائض کو بڑی مستعدی سے انجام دیا، اکثر وبیشتر آپ خطبۂ جمعہ گھوسیا میں دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی بینی پور اور دوسری جگہوں میں بھی جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔

آپ نے ایک انجمن بنام جمعیۃ الشبان المسلمین قائم کی تھی جو اب تک قائم ہے اور باقاعدہ رجسٹرڈ بھی ہے، آپ ہی کی کوشش سے وہاں ایک مکتب کا قیام بھی عمل میں آیا، اور جب تک آپ زندہ تھے اس انجمن کے زیر اہتمام ایک سالانہ تبلیغی و دینی جلسہ منعقد کراتے تھے۔ علماء کا روح پرور اجتماع ہوتا سامعین کا جم غفیر ہوتا، دور دور سے لوگ قرآن وسنت کا پیغام سننے کے لئے آتے اور اچھا اثر لے کے جاتے، گھوسیا کے لوگ آج بھی قاری صاحبؒ کی خدمات کو یاد کرتے ہیں، آپ کا جاری کردہ مکتب آج بھی چل رہا ہے، اور سیکڑوں بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

انجمن حفلۃ الخطابہ جامعہ رحمانیہ سے نکلنے والا رسالہ "گلدستۂ عید قرباں" میں آپ کا ایک مضمون

"قربانی اور عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل" پر موجود ہے جو دس صفحات پر مشتمل ہے[1] اور ایک مضمون "تعاقب برفتوی اہل حدیث" یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء کے اخبار اہل حدیث دہلی میں شائع ہوا، یہ مضمون آپ نے اس وقت لکھا تھا جب آپ جامع مسجد اہل حدیث بھائی کھلہ مومن پورہ بمبئی میں خطیب تھے[2] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو لکھنے کا بھی اچھا خاصا ذوق تھا۔

اخیر عمر میں آپ کسی طرح زینے سے پھسل کر گر گئے اور پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی، علاج و معالجہ بہت ہوا لیکن کسی طرح کا کوئی افاقہ نہ ہوا، وقت موعود آپہونچا اور ۱۲ر جمادی الاُخریٰ سن ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۹ر اپریل ۱۹۸۰ء بروز منگل بوقت ۳½ بجے دن اپنے مالک حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اسی رات بعد نماز عشاء اپنے آبائی قبرستان محلہ ریوڑی تالاب میں سپرد خاک کر دیئے گئے[3] اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکا عطا فرمایا جو باحیات ہے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہے۔

•••

---

[1] "گلدستۂ عید قرباں" بنارس مجریہ ۱۳۵۸ھ

[2] اخبار اہلحدیث دہلی مجریہ یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء

[3] بیاض حاجی محمد صدیق صاحب مرحوم

جامعہ سلفیہ کی نئی کتاب

نام کتاب	تاریخ اسلام
مؤلف	جناب سلام اللہ صدیقی
صفحات	دو سو چھپن (۲۵۶)
ناشر	ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس
ملنے کا پتہ	مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس
قیمت	تیس (۳۰) روپئے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علم تاریخ اقوام عالم کو بلندی کے منازل طے کرانے اور ان کو ذلت و رسوائی سے بچانے کے لئے نہایت بہترین ذریعہ ہے، انسان جب بھی تنزل سے ترقی کی طرف گامزن ہوا ہے تو اس نے ہمیشہ تاریخ ہی کو سب سے بڑا ذریعہ بنایا ہے۔ فلاح دارین کے لئے تاریخ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، اللہ رب العالمین نے قرآن عزیز کے اندر گذری ہوئی امتوں کے حالات متعدد مقامات پر اجمال یا تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں کہ جس قوم نے نصیحت آموز واقعات کو سامنے رکھ کر صراط مستقیم کا راستہ اختیار کیا وہ کامیاب رہا، اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز کو اپنایا نامراد ہوا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ تاریخ ہی کے ذریعہ قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں اور انھیں کے ذریعہ قومیں اپنا مستقبل شاندار بناتی ہیں۔

اسلامی مؤرخین سے قبل تاریخی روایات اور قصہ کہانیوں کے درمیان کوئی تحقیقی معیار قائم نہ تھا انہوں نے تاریخی روایات اور خرافاتی قصوں کے مابین فرق کو واضح کیا، اسی لئے بعض اہل قلم نے لکھا ہے کہ:

"فن تاریخ مسلمانوں کا خصوصی فن ہے، انہی نے اسے ایک باقاعدہ فن کا درجہ دیا، اس کے اصول وضوابط مرتب کئے، اور کھرے وکھوٹے کے مابین امتیاز کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اور اس فن میں ابن خلدون اور ابن خلکان جیسے ماہرین پیدا ہوئے۔"

مغربی مؤرخین نے اسلامی تاریخ کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے اور تاریخ اسلام کے صحیح و مستند واقعات کو مسخ کرکے مسلمانوں کو اپنی تاریخ کے سلسلہ میں شک و شبہ میں ڈال دیا ہے۔

انھیں چیزوں کے پیش نظر صدیقی صاحب نے زیر تعارف کتاب تصنیف کی ہے، اور اسمیں ان تمام مسائل کو صحیح طور پر پیش کیا ہے جن کے بارے میں دوسروں کو ٹھوکر لگی ہے، یا جان بوجھ کر واقعات کو مسخ کرنے کی سعی کی ہے، یہ کتاب مختصر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ان تمام بڑی سلطنتوں کی عمدہ تاریخ ہے جو پہلی اور دوسری ہجری میں زمین پر قائم ہوئیں۔ موصوف نے کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

عہد رسالت

خلفاء راشدین

خلافت بنو امیہ

خلفاء اندلس

اول الذکر حصے میں موصوف نے ابتدائے اسلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک کے حالات کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت ہر طرف ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، عداوت و دشمنی کا یہ حال تھا کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال کی مختصر سی مدت میں سارے عرب کی کایا پلٹ دی، چنانچہ برائیاں ختم ہوگئیں، اور ہر طرف اللہ کا ذکر ہونے لگا۔

دوسرے حصے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک کے سارے واقعات مفصل طور سے بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً: خلفاء راشدین کو قانون بعینہٖ صحیح طور پر سمجھنے میں مدد دینے کے لئے مجلس شوریٰ کا وجود، ان کے مسکن اور ساز و سامان کی سادگی، شاہی دولت و ثروت سے ان کی بے نیازی، بیت المال کو قوم کی ملکیت سمجھنا، تعمیرات کے سلسلے میں عہد فاروقی و عہد عثمانی میں بہت سی مسجدوں، سڑکوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر کا تذکرہ۔

تیسرے حصے میں حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت خلافت سے خلافت بنو امیہ کے زوال تک کے حالات پر گفتگو کی گئی ہے کہ اموی دور کا آغاز کیسے ہوا اور پھر اس کے اسباب زوال کیا تھے؟ نیز خلفاء بنو امیہ نے اپنے

دور میں کیا گیا۔ مصنف موصوف "حرف آخر" کی سرخی لگا کر ص۲۴۲ میں رقمطراز ہیں کہ:

"بنوامیہ میں کل چودہ خلیفہ ہوئے۔ جنھوں نے مجموعی طور پر بانوے سال تک حکومت کی، اور سلطنت کی حدود میں اتنی توسیع کی کہ یورپ جیسے براعظم میں داخل ہو کر فرانس اور اسپین پر اسلامی پرچم لہرایا، دنیا میں کسی ایک مرکزی حکومت کے ماتحت اتنا بڑا علاقہ کبھی نہیں آیا"۔

آخر الذکر حصے میں خلفاء اندلس کے عروج و ارتقاء کے حالات مذکور ہیں۔

زیر تعارف کتاب کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس میں واقعات کو قدیم و جدید اور معتبر و مستند تاریخی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے، اور ہادی برحق و خلفاء اسلام کے تمدنی تاریخ کو اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، نیز اس کتاب کا اندازِ بیان نہایت دل کش ہے، اس اڈیشن میں حسبِ ضرورت اضافہ بھی ہوا ہے جس کے باعث امید ہے کہ یہ اڈیشن قارئین کے لئے پہلے سے زیادہ مفید ثابت ہوگا' ان شاءاللہ۔

جن اسلامی مدارس میں تاریخ پڑھائی جاتی ہے ان سے ہماری گذارش ہے کہ اس کتاب کو نصاب میں داخل کریں۔

صاحب کتاب ایک اچھے عالم دین، متوازن مصنف اور ملنسار آدمی ہیں، ان کی بہت سی نگارشات شائع ہو چکی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کتاب کو لوگوں کے لئے مفید بنائے اور مصنف و ناشر کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین

• • •

محمد ارشد محمد اکرم سلفی
جامعہ سلفیہ بنارس

فتاویٰ

سوال : مسجد کے اندر طغرے جات جس پر مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کا نقشہ وغیرہ بنا رہتا ہے اس کا مسجد میں لٹکانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور وہ مصلی جس پر نقش و نگار بنا رہتا ہے اس مصلی پر نماز ہو جائے گی یا نہیں، کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دیں ؟

جواب : ایسے طغرے جات جس پر مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ یا کسی بھی چیز کا نقش و نگار ہو ایسے مسجد میں لٹکانا یا مصلی بنانا مکروہ ہے، نماز تو درست ہو جائے گی لیکن حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ نقش و نگار کی وجہ سے دھیان بٹنے اور خشوع و خضوع میں فرق آنے کا اندیشہ ہے۔ "عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی خمیصۃ لہا اعلام فنظر الی اعلامہا نظرۃ، فلما انصرف قال اذھبوا بخمیصتی ھذہ الی ابی جہم و ائتونی بانبجانیۃ فانہا الہتنی آنفا عن صلاتی" (صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۱ ص ۴۸۲) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقش و نگار والی چادر پر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ۔ اور اس سے میرے لئے بغیر نقش و نگار والی چادر لے آؤ اس لئے کہ اس نقش و نگار نے مجھے نماز سے غافل کر دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز ہو جائے گی کیوں کہ آپ نے پڑھ کر لوٹائی نہیں لیکن چونکہ آپ نے اس کو ناپسند کیا اس لئے مکروہ ہے۔

سوال : اگر میں کسی مفتی سے فتوی پوچھ کر اس پر عمل کروں تو کیا اس سے تقلید شخصی لازم نہیں آتا ؟ اور اگر نہیں تو کیوں ؟

جواب : آپ کسی مفتی سے فتوی پوچھ کر اس پر عمل کریں تو تقلید شخصی نہیں ہے بلکہ آپ نے فرمان خداوندی کے مطابق عمل کیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" اب سوال یہ ہے کہ تقلید شخصی لازم کیوں نہیں آتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقلید کی تعریف اس مسئلہ پر فٹ نہیں ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں، التقلید ھو قبول قول بلا حجۃ" (کتاب المستصفی ج ۲ ص ۳۸۷)

علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں فالتقلید العمل بقول غیرک من غیر حجۃ۔ (مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۳۰۵) اور جمع الجوامع میں تقلید کی تعریف یوں مرقوم ہے التقلید أخذ القول من غیر معرفۃ دلیلہ (جمع الجوامع لابن السبکی ج ۲ ص ۲۵۱) یعنی خلاصہ یہ ہوا کہ تقلید کہتے ہیں کہ کسی کے قول کو بلا دلیل اور حجت کے قبول کر لینا اور مفتی جو فتویٰ بتلاتا ہے اس میں دلیلیں دیتا ہے لہذا آپ کتاب وسنت کی دلیل کی وجہ سے مانتے ہیں نہ کہ محض مفتی کے فتویٰ دینے کی وجہ سے آپ عمل کرتے ہیں اس لئے تقلید شخصی نہیں ہوا۔

سوال: بلاوز پہننا مسلمان عورتوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں؟

جواب: اسلام میں لباس کی حرمت وحلت کے سلسلے میں کوئی روایت موجود نہیں ہے البتہ لباس ایسا ہونا چاہئے جس سے پوری ستر پوشی ہو اور جس کو پہن کر آپ باآسانی نماز اور دوسرے امور کو انجام دے سکیں اور دوسری بات یہ ہے کہ لباس یا غیر لباس کے معاملات میں آپ ایسا رویہ نہ اپنائیں جس کے سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید آپ پر منطبق ہو۔

اس لئے حتی الامکان بلاوز وغیرہ سے گریز کرنا چاہئے اس سے عورتوں کی پوری پردہ پوشی نہیں ہوتی بلکہ آدھے سے زیادہ بدن کھلا ہی رہتا ہے اس لئے ایسا لباس استعمال کرنا چاہئے جس سے پردہ پوشی ہو۔

سوال: غائبانہ نماز جنازہ تدفین سے پہلے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

جواب: تدفین سے پہلے نماز جنازہ غائبانہ پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ صحیح بخاری میں ہے: عن جابر بن عبد اللہ یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد توفی الیوم رجل صالح من الحبش فهلموا فصلوا علیه قال فصففنا فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن صفوف (متفق علیہ) جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج حبشہ کا ایک نیک آدمی فوت ہوگیا آؤ اور صف بناؤ اور نماز پڑھو سو ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور ہم صفوں میں کھڑے تھے۔ یہ حدیث عام ہے اس میں قبل التدفین اور بعد التدفین کی کوئی قید نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ قبل التدفین نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کی ممانعت کتب حدیث میں موجود نہیں ہے لہذا پڑھنا جائز ہے (تفصیل کیلئے نیل الاوطار ج ۵ ص ۵۱-۵۳ اور محلی ابن حزم ج ۵ ملاحظہ ہو۔ هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

حررہ۔ عبدالسلام ابوہریرہ سلفی ——— الجواب الصحیح۔ محمد رئیس ندوی جامعہ سلفیہ بنارس

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۱۱	نومبر ۱۹۹۴ء	جمادی الآخرہ ۱۴۱۵ھ	جلد ۱۲

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک
سالانہ ۴۵ روپئے. فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے

اس شمارہ میں

درسِ قرآن — بسم اللہ الرحمن الرحیم — مولانا اصغر علی السلفی

حکایت ملکۂ دور اندیش، و مرد ناداں و مجنوں

قالت یآیہا الملؤا افتونی فی امری ماکنت قاطعۃ امرا حتی تشہدون۔ الی قولہ تعالیٰ وکذالک یفعلون۔ (النمل ۳۲ ؍ ۳۴)

ملکہ بلقیس نے کہا سردار میرے اس معاملہ میں اپنی رائے بیان کردیں تو کسی معاملہ میں آخری فیصلہ اسوقت تک نہیں کرتی جب تک تم لوگ اپنی رائے کا اظہار نہ کردو۔ انہوں نے رائے دی کہ ہم زوردار اور سخت جنگجو ہیں۔ پھر تیرا اختیار ہے جو چاہے حکم دے۔ بلقیس نے کہا (دیکھو) بادشاہ جب کسی شہر میں (فتح یاب) گھستے ہیں تو شہر کو برباد کردیتے ہیں اور وہاں کے باعزت کو ذلیل وخوار کردیتے ہیں۔ (اور ہاں) بادشاہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت و رسالت کی نعمت سے سرفراز تھے۔ انہیں دولت دنیا اور حکومت ارضی بھی عطا کی گئی تھی جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ آپ ہی کے زمانہ میں ایک زبردست بادشاہ خاتون بلقیس نامی تھی جو سورج کی پوجا کرتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کو خط لکھا کہ وہ مسلمان ہوجائے اور ان کے تابع فرمان بن جائے اس نے خط پاکر اپنے درباریوں اور قوم کے سرداروں سے کہا کہ مجھے ایک معزز خط دست یاب ہوا ہے جو سلیمانؑ کی جانب سے ہے اور اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔

ملکۂ بلقیس ایک مشرک خاتون اور ناقص العقل انسان ہونے کے باوجود عقل وحکمت کی باتیں کرتی ہے اور سلیمان علیہ السلام کے نامہ کو معزز قرار دیتی ہے لیکن کس قدر تعجب و افسوس کا مقام ہے کہ اس ترقی یافتہ، روشن خیالی اور متمدن دنیا کے بعض مسلمان حکمراں مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے دنیا کے بڑے بڑے بین الاقوامی اداروں کے سفیر اور ان کے پیغامات کو ہی نہیں کہ درخور اعتناء نہیں سمجھتے بلکہ چند قدم آگے بڑھ کر ان کی تذلیل وتحقیر کرتے ہیں حالانکہ وہاں سلیمانؑ کے نامۂ مبارک کو کتاب کریم کہنے والی ناقص العقل والدین مشرک جاہلی خاتون ہے اور یہاں متمدن دنیا کے اسلام کا دعویٰ کرنے والا مرد ہے جو اپنے دروازے پر آئے ہوئے سب سے بڑے ادارے کے سفیر سے ملنا تک نہیں

اور دھتکار دیتا ہے جو سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

پھر بھی یہ غور کرنے کی چیز ہے کہ ایک ایسی عورت جو اپنے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے ان کی دلجوئی، عزت و تکریم کرتی ہے اور اپنے موقف کی تائید اور ان کی ہمت و طاقت معلوم کرنے کے لئے ان سے مشورہ لینے کیساتھ ہی یہ بھی کہتی ہے کہ میں کوئی فیصلہ کر ہی نہیں سکتی جب تک تمہارا مشورہ نہ سن لوں۔ یہ اس ناقص العقل و دین کی دوسری اہم خوبی ہے۔ کیونکہ مشورہ میں برکت ہے مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وامرھم شوریٰ بینھم" (الآیۃ) ان کے معاملے ان کے آپسی رائے و مشورے سے طے پاتے ہیں اس خاطرداری و ازیائیت کا لازمی نتیجہ تھا کہ سرداران قوم خیرخواہانہ و نیک مشورہ دیتے ہیں چنانچہ سرداروں نے بھی اپنی حمایت کا اظہار کیا اور اپنی فوجی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا کہ ہم بہت طاقتور ہیں اور سخت جنگی قوت سے سرفراز ہیں پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ لیکن اصل فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے جو حکم دو وہ سر آنکھوں پر۔

درحقیقت مشورہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اپنی خیرخواہی اور ایمانداری کیساتھ صحیح صورتحال کی وضاحت کردی جائے۔ اور اہل رائے پر فیصلہ چھوڑ دیا جائے۔ مشورہ کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوتا کہ وہ رائے تسلیم کرلی جائے۔ اور جو مشورہ اہل الرای کی جانب سے دیا گیا ہے اس کو سب کے سر تھوپ دیا جائے۔ دوراندیش ملکہ نے کہا کہ قوت و طاقت اور تمہاری ہمت اور اطاعت میں کوئی شک نہیں ہے لیکن جنگ کی ہولناکی اور اس کے برے اثرات اور ان کے پاداش میں ہونے والی عظیم بربادی و خرابی کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ ایک بادشاہ جب دوسرے ملک پر حملہ کرتا ہے تو عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اس کو تہہ و بالا کرکے رکھ دیتا ہے۔ بستیوں کو اجاڑ دیتا ہے اور اس کے باعزت لوگوں کو اس قدر ذلیل و خوار اور کمزور کردیتا ہے کہ وہ اوپر نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکے اور نہ سر اٹھا کر چل سکے۔ اس کا کس بل کچھ اس طرح نکال دیتے ہیں کہ اس میں مقاومت کی ادنیٰ طاقت بھی نہیں رہ جاتی۔ یہ اس عورت کا فیصلہ اور سوچ ہے جسے فوجی قوت اور ہر طرح کی طاقت اور بادشاہوں کو اپنی بادشاہت کی حفظ و بقاء کے لئے جو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں ان سب سے نوازی گئی تھی: "واتیت من کل شئ" (الآیۃ) والی آیت اس پر شاہد عدل ہے۔

لیکن کیسی ستم ظریفی ہے کہ دور متمدن کے بعض دعویداران اسلام روز روز جنگ کی دعوت دیتے نہیں تھکتے اور اپنی اس قدر بے بسی کے باوجود کہ اپنے روزمرہ کی ضروریات زندگی، دوا، علاج، خوراک و پوشاک میں بھی دوسروں کے دست نگر ہیں۔ عالم اسلام کو جنگ کا اکھاڑا بنانے سے نہیں چوکتے اور ہر روز اپنے ہی گھر اور پڑوس میں جنگ کے خواہاں ہیں۔ میری مراد دور حاضر کے سب سے بڑے ناعاقبت اندیش مرد نادان۔ ومجنون و ظالم انسان صدام سے ہے۔ ان کو اس جاہلی دور کے حکمراں سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے کہ ؎ وما الحرب الا ما علمتم وذقتموا ۔ وما ھو عنھا بالحدیث المرجم ...

درس حدیث

مولانا اصغر علی السلفی

طبقاتی کشمکش اور اسلام

عن ابی ھریرۃ رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الذین ماتوا إنما ھم فحم جھنم، اولیکونن اھون علی اللہ من الجعل الذی یدھدہ الخرء بأنفہ إن اللہ قد أذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ، إنما ھو مؤمن تقی وفاجر شقی، الناس کلھم بنو آدم وآدم خلق من تراب۔ (رواہ ابوداؤد ۳۴۰/۵ والترمذی واللفظ لہ)

باز آجائیں وہ لوگ جو اپنے مردے باپ داداؤں پر فخر کرتے ہیں حقیقت میں وہ کوئلہ ہیں جہنم کا یا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس گوکے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو اپنے نتھنوں سے گو کی بنائی ہوئی گولی کو لڑھکاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم سے اب جاہلیت کی لاف زنی اور بڑاپن اور فخر و غرور کو دور کر دیا ہے۔ اب تو لوگ مومن و تقی ہیں، یا فاجر و شقی اور نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سب لوگ اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

عقل و دانش و بینش سے عاری اور آخرت میں فوز و فلاح سے محروم ہیں جن کی بدبختی دار الجزاء میں مقدر کر دی گئی ہے وہ ہیں جو حسب و نسب کی بنیاد پر فخر و مباہات اور امتیاز و تفریق کو مسلمانوں کے درمیان روا رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ اگر اسلامی تقاضوں کو پورا نہیں کرتے تو خود ان کی کیا قیمت ہے؟ ہاں! ایسے لوگ جن کے مقاصد حیات ہی نسلی غرور اور حسب و نسب کی بنیاد پر انسانی برادری کا بٹوارہ کرنا ہو وہ کیونکر اسلامی تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں جس کی شخصیت کی تعمیر ہی ان اوچھی حرکتوں پڑی ہو اس کی ضمیر میں جاہلیت وعصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو کیا اس سے حق و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور اسلام تو سراپا عدل و مساوات اور اخوت و محبت اور وحدت ہے۔ بھلا یہاں ان طبقاتی ذات پات کے ابلیس رجیم اور صنم عظیم کا کہاں گذر ہو سکتا ہے؟ اسلام تو آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ جاہلیت کے نسلی و طبقاتی کشمکش اور ذات پات کے بھید بھاؤ کے طاغوت اعظم پر ضرب کاری لگائے اور اس کے

آتش ظلم وستم کو ہمیشہ کے لئے بجھا کر راکھ کر دے اور اگر اس راکھ کے ڈھیر سے کبھی دبی ہوئی جاہلیت کی چنگاری نے سلگنا شروع کیا تو فخر دو عالم اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوش غضب شعلۂ جوالہ بن گیا گویا رسول رحمت کے یہاں اور کوئی صفت ہے ہی نہیں تا آنکہ وہ نسلی غرور ٹوٹ پھوٹ کر نیست ونابود نہ ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ دنیائے دنی کے اندر انسان اگر اس داؤ میں ماہر ہے کہ رند کا رند رہتا ہے اور توبہ شکنی بھی نہیں ہوئی تو آخرت میں پھر اس کے لئے کیا ہے؟ صرف پہلی پھونک پر اس کی ساری ھیکڑی نکل جائے گی۔

سنو تو بھلا کس طرح تمہارا منذر و مشفق پروردگار تمہیں متنبہ کرتا ہے "فاذا نفخ فی الصور فلآ انساب بینھم یومئذ ولا یتسآءلون (المؤمنون/۱۰۱) مومن کے لئے یہ انذار و تنبیہ تازیۂ عبرت سے کہیں زیادہ مؤثر و نتیجہ خیز ہونا چاہیئے، ورنہ بدنصیب و بدبخت کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ بھینس کے آگے بین بجائے وہ بیٹھے پگھرائے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بڑے بت پر یوں ضرب اسلامی لگائی ہے جو خاندانی نسلی و ذات پات کی بنیاد پر تقسیم و بٹوارے اور فخر و مباہات کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ سونا تو ٹوٹنے کے بعد بھی سونا ہی رہتا ہے مگر سونے سے کہیں زیادہ قیمتی انسان بھی اس نسلی و جاہلی رنگ میں رنگ کر جب ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے تو فحم جہنم (جہنم کا جلا ہوا کوئلہ وایندھن) بن جاتا ہے۔ پلید و خبث گو کا حصہ جسے گندگی میں پیدا شدہ کیڑے اپنے آلودہ ناکوں سے لڑھکاتے رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان ہو تو پھر جاہلیت کی رسم چھوڑ کر ایسے مومن بنو کہ اس گندگی اور کینسر سے بچ جاؤ ورنہ بدبخت فاجر کے زمرے میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ تم تو اس آدم کی اولاد ہو جو مٹی سے بنے تھے پھر تم نے یہ بھید بھاؤ کہاں سے سیکھ لیا۔

ایک جگہ آپؐ نے انسانی اخوت کو یوں یاد دلایا ہے اور اس کے جذبات کو جھنجھوڑا ہے، " اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، کسی کو کسی پر رنگ و نسل و زبان کی بنیاد پر فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ تقویٰ ہی باعث فضیلت ہے، لہذا مسلمانوں کا کسی طبقاتی بنیاد پر ترقی و عروج کا راستہ ڈھونڈنا یا کامیابی و کامرانی کیلئے ذات و پیشہ کو بنیاد بنانا کسی طرح روا نہیں ہے اور نہ وہ ترقی کر سکتے ہیں بلکہ وہ پستی و تنزلی کا شکار ہو جائیں گے بس ان کے نجات و ترقی و عروج اور بقا و استحکام کا واحد راستہ اسوۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اسی کو اپنا مقصد حیات بنائے، جہاں صرف اسلام وایمان کی پہچان ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایک اور نیک ہونے کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین۔

افتتاحیہ

ترکی میں نئے ویٹیکان کے قیام کی عالمی سازش

ابھی ماضی قریب کی بات ہے کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بڑے خطے پر پھیلے ہوئے عالم اسلام کا بلد خلافت عظیم الشان ترکی تھا، اور ترک خلفاء کا رعب داب سارے عالم پر ایسے ہی تھا جیسے آج امریکہ اور اس کے صدر کا ہے، بلکہ اس سے بھی فزوں تر، مگر مغرب کی حکمت وعیاری سے عالم اسلام آج نصف صد سے زیادہ ٹکڑوں میں منقسم ہو چکا ہے، مغرب کے تمدن وثقافت اور سیاست کی آندھیاں مسلمانوں کے گھر آنگن میں تہلکہ مچا رہی ہیں، مسلم اقوام مغرب کے تشبہ میں اپنا سب کچھ دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہیں اور مغرب اس ولاء اور تشبہ کو غلامی میں تبدیل کر کے مسلمانوں اور عالم اسلام پر طوفان کی طرح مسلط ہو رہا ہے، ایمان وعمل اور اخلاص کی حرارت سے عاری عالم اسلام یقینا اس بوسیدہ لکڑی کی مانند ہو چکا ہے جس میں مغرب جہاں اور جب چاہتا ہے کیل کی مانند گھستا چلا جاتا ہے، خلیفہ، خلافت اور عظیم ترکی کی سنہری داستانیں قصۂ پارینہ بن چکی ہیں، اور اب تو مسلم ترکی کا وجود بجائے خود سوالیہ نشان بن چکا ہے، عالمی صلیبی طاقتوں کے ذریعہ یونان اور ترکی کے درمیان سمندری جزیروں اور اس کے پانی کے قضیہ کو ترکی کے لئے پیچیدہ تر بنایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی آرتھوڈکس صلیبی ملکوں اور ان کی دینی قوتوں کے ذریعہ عالمی پیمانہ پر یہ تحریک چلائی جا رہی ہے، کہ اسطنبول کی جامع مسجد ایا صوفیا کو کلیسا میں تبدیل کر کے وہاں آرتھوڈکسی ویٹیکان نمبر دو یعنی حکومت کے اندر حکومت قائم کی جائے جہاں ایک کروڑ مسلمان آباد ہیں، اور نصرانیوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے، محمد العباسی صاحب کی ایک وقیع تحریر اس سلسلہ میں مجلۃ المجتمع کویت کے جون ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں نظر سے گذری جس سے اس سازش اور تحریک کے خد وخال پر روشنی پڑتی ہے۔

۵۳۲ء میں بیزنطینی بادشاہ قسطنطین نے ایاصوفیا کا کلیسا تعمیر کرایا تھا لیکن اسے عثمانی سلطان محمد الفاتح نے اپنے خاص مال سے خریدا اور مسلمانوں کے لئے بطور مسجد اسے وقف کر دیا ۱۴۵۳ء سے لے کر ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء تقریباً پانچ سو سالوں سے اس میں نماز ادا کی جا رہی ہے، یہاں تک کہ کمال اتاترک نے اسے دوبارہ کلیسا کا رنگ روپ دے دیا، مغرب کو خوش کرنے کیلئے اسے بند کر کے عجائب گھر بنا دیا گیا، جامع مسجد ایاصوفیا سے ملی ہوئی مسجد عبد المجید جب ۱۹۸۰ء میں عبادت کے لئے کھولی گئی تو ایاصوفیا کے چاروں میناروں سے اذان کی آوازیں نصف صدی کے بعد پہلے کی طرح پھر گونجنے لگی، لیکن تاریخی کینہ پرور اور تنگ ظرف مغرب وحشت ناک روشنی کے اس دور میں ٹینکوں اور میزائلوں کے دہانوں سے نکلے ہوئے بولوں اور گولوں کو حقوق انسانی کے اصول قرار دے کر نہ صرف جامع مسجد ایاصوفیا کو بلکہ پورے استنبول کو اپنی تاریخی میراث بتا رہا ہے۔

نصرانیوں کے آرتھوڈکسی فرقہ کے مفادمیں مغرب کی اس عالمی سازش میں ترکی کے آرتھوڈکسی کلیسا فنار کے پادری بارتیلمیوس سب سے زیادہ متحرک نظر آتے ہیں۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے کہ مذکورہ پادری دو رخ پر کام کرتے ہیں، ایک کے ذریعہ سارے عالم کے آرتھوڈکسی نصرانیوں کو متحد اور آرتھوڈکسی حکومتوں میں دینی شعور بیدار کر کے ترکی پر حکومتی دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں، دوسرے کے ذریعہ جامع مسجد ایاصوفیا کی واپسی اور اسے کلیسا میں تبدیل کرنے اور کلیسا فنار سے متصل زیادہ سے زیادہ اراضی حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں، مختلف سرکاری اور صحافتی رپورٹوں سے یہ بات واضح ہے کہ کلیسا فنار کے نظام پادریت نے چار ہزار میٹر زمین ضرورت سے زیادہ قیمت چکا کر خریدا ہے اور میونسپلٹی کی چھ سو میٹر زمین پر غیر قانونی قبضہ کر لیا ہے، ارجون نامی صحافی کی رپورٹ ہے کہ کلیسا فنار کے ارد گرد انیس مکانات خرید کر جو تقریباً پانچ ہزار میٹر اراضی پر مشتمل ہیں کلیسا کے نام وقف کئے جا چکے ہیں، یہ آرتھوڈکسی حکومت کے قیام سے پہلے کلیسا کی اراضی کو وسیع تر کر لینے کی کارروائی ہے، چنانچہ ۱۷ اپریل ۱۹۹۴ء میں استنبول میں آرتھوڈکسی حکومت کے قیام کے خفیہ منصوبہ کی تکمیل کے لئے آرتھوڈکسی معاہدہ کے عنوان سے ایک کانفرنس بھی منعقد کی جا چکی ہے، مسجد ایاصوفیا تک پہونچنے کے لئے کلیسا فنار کا نظام پادریت اراضی کی خریداری میں مرحلہ وار قدم بڑھا رہا ہے۔

فروری ۱۹۹۳ء میں کلیسا فنار میں آرتھوڈکسی چوٹی کانفرنس کا انعقاد نہایت اہم اہداف واغراض

کے تحت ہوا تھا، اس کانفرنس میں ولایات متحدہ امریکہ، کنیڈا، یونان، اسکندریہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے بڑے بڑے پادریوں نے شرکت کی تھی، اس کانفرنس کا ایک مقصد یہ تھا کہ کلیسا فنار کے جھنڈے کے نیچے سارے عالم کے آرتھوڈکسی کلیساؤں کو متحد کر دیا جائے نیز اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ روس کی ایسی تمام سیاسی کوششوں کو تقویت پہونچائی جائے جن کا مقصد وارساپیکٹ کا متبادل جدید آرتھوڈکسی مرکز کا قیام ہے، جو نئے عالمی نظام میں ایک طاقتور عنصر کا کام دے سکے، یہ وہ نظریہ ہے جس کے لئے کلیسا فنار کے پادری بارتیلیموس نے گذشتہ جولائی میں ماسکو کے سفر کے موقعہ پر برکت کی دعا کی تھی۔ اس کانفرنس میں سب کی طرف سے یہ اتفاق کیا گیا کہ سارے عالم میں آرتھوڈکسی کلیساؤں میں وحدت پیدا کی جائے، ایسی سیاسی وعسکری قوت کی تشکیل کی جائے جو سارے عالم میں آرتھوڈکسوں کا تحفظ کرے، اور ساتھ ہی اسلامی بیداری کا محاصرہ کرے، اس موقع پر قدس کے تین پادریوں کو معزول بھی کیا گیا جو آرتھوڈکس کے روحانی باپ کلیسا فنار کے پادری کے بالمقابل اور ان کے کلیسا سے الگ راہ اپنائے ہوئے تھے۔ اس موقع سے ترکی آرتھوڈکس کے نظام پادریت کے ایک ذمہ دار سلجوق ارانہ نے پریس اعلان کیا کہ اس چوٹی کانفرنس سے رومن پادریوں کی غرض یہ ہے کہ ایا صوفیا کی بازیابی اور اسے کلیسا میں تبدیلی اور ایا صوفیا اور کلیسا فنار کو محیط اراضی کی خرید، وہاں مدرسہ رھبان کے افتتاح اور بازیابی کے موقع پر ایا صوفیا میں پانچ سو بار گھنٹوں کے بجانے کے لئے اظہار قوت اور کوششوں کو مجتمع کیا جائے، ولایات متحدہ امریکہ اور کنیڈا کے سب سے بڑے پادری جوہانس یاکوفارس نے اس کانفرنس کے مقاصد کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ کلیسا جب اپنے فریضہ کی ادائیگی پر کمربستہ ہو جائے گا، تو آئندہ تین سالوں میں آرتھوڈکسوں کے درمیان طاقتور اتحاد پیدا ہوگا اور ارمن جارجین، رومن، سرب، یوکرائین، البانی اور یونانی آرتھوڈکسوں کو ایک لڑی میں پرو دیگا، قدس کے پادری پر یونانی دباؤ کے مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب آرتھوڈکسوں کے روحانی مرکز کو قدس منتقل کرنے کے نظریہ کو قبول نہ کرنا ہے اس لئے کہ اس کا معنی اسطنبول میں اس کی سیاسی میراث سے تنازل اختیار کرنا ہے۔

گذشتہ سال امریکہ، کنیڈا اور آسٹریلیا نے کلیسا فنار کے پادری کے زیر اثر ایک سرکاری یادداشت پر دستخط کر کے ترکی حکومت کو بھیجا تھا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ایا صوفیا اور اس کو محیط علاقہ آرتھوڈکسی

مطالبہ کی تکمیل کرتے ہوئے انہیں واپس کر دیا جائے اور وہاں آرتھوڈکس ویٹیکان کے قیام کے مطالبہ کو منظور کیا جائے۔

جولائی ۱۹۹۳ء میں یونانی حکومت نے ترکی حکومت کو ایک یادداشت ارسال کیا تھا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ایا صوفیا کے مہمل ڈھانچے کی ترمیم کی جائے اور اس کا سارا خرچ وہ خود برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔

سال گذشتہ میں روسی صدر بورس یلتسین نے یونان کا دورہ کیا تھا، جہاں ایک معاہدہ پر انہوں نے دستخط کیا تھا۔ ترکی کے آرتھوڈکس پادری کے وکیل سلجوق ارانہ نے معاہدہ کی دسویں دفعہ کے متعلق وضاحت کی کہ یہ دفعہ استنبول میں ویٹیکان نمبر دو کے قیام سے متعلق ہے، اس دفعہ کے مطابق ایا صوفیا آرتھوڈکسی حکومت کا مرکز ہوگی، اور یہ استنبول میں حکومت کے اندر حکومت کے قیام کے آرتھوڈکسی منصوبے کے خاکے کے مطابق ہوگا۔

اپریل ۱۹۹۴ء کو یورپین کونسل کے اجتماعات میں کلیسا فنار کے پادری نے محض ایک مذہبی شخصیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ آرتھوڈکس دنیا کے عظیم پادری اور ایک حکومت کے صدر کی حیثیت سے شرکت کی تھی گو انہوں نے اس کا انکار کیا تھا لیکن اس سلسلہ کی معلومات بتاتی ہیں کہ آرتھوڈکسی ویٹیکان کے قیام کے موضوع پر مکمل گفتگو ہوئی ہے، اور موجودہ بین الاقوامی احوال وظروف میں سرعت کے ساتھ اس منصوبہ کی تکمیل کی بات طے کی گئی ہے، جرمنی اور یونان نے پادری سے وعدہ کیا ہے کہ یورپی اتحاد میں ترکی کی ممبریت کے شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس منصوبہ کو منظور کرے، ترکی حکومت نے ابھی اس منصوبہ کے مسترد کرنے کا کوئی اظہار نہیں کیا ہے، البتہ وہ داخلی احوال وظروف کے پیش نظر اس کی تنفیذ سے پیچھے ہٹ رہی ہے، اس کی خاص وجہ نجم الدین اربکان کی اسلامی پارٹی "رفاہ" کی ترکی خاص طور سے استنبول کے بلدیاتی انتخابات میں شاندار کامیابی ہے، جس کا اظہار ترکی کی خاتون وزیر اعظم تانسو چیلر نے بل کلنٹن سے غیر سرکاری گفتگو میں کیا ہے کہ "رفاہ" پارٹی کی بلدیاتی انتخابات میں کامیابی کے بعد اس امریکی مطالبہ کی تکمیل بروقت مشکل ہے کہ کلیسا فنار کے مرکز نظام پادریت کو مستقل حکومت کا درجہ دے دیا جائے۔

بل کلنٹن نے سال گذشتہ میں انتخابات کے دوران یونانی لابی کے سامنے کلیسا فنار کی آزادی کی

ت کی تھی، انہوں نے ترکی کی وزیر اعظم تانسو چیلر کو گذشتہ مارچ میں ایک مکتوب بھیج کر یہ امید ظاہر کی تھی کہ یسا فنار اور اسے ویٹیکان کی صورت میں تبدیل کرنے کی ضرورت کے موضوع پر ترکی تعاون کرے گا اور اپنے سن نیت کا اظہار کرے گا۔

ترکی کی موجودہ حکومت نے اس طرح کے عالمی دباؤ کے پیش نظر ایک اسلام پسند ترک لیڈر کی سجد ایا صوفیا کو عبادت اور چوبیس گھنٹہ تلاوت کے لئے کھولنے کی تجویز پر ترکی پارلیمنٹ میں بحث کے لئے یش کرنے کی تحریک کی جسے تقریباً دوگنے ممبران نے منظور کر لیا، مگر تنگ ظرف مغرب نے سخت ردعمل اظہار کیا، ایک یونانی وزیر ستالیوس نے کہا کہ ایا صوفیا کو آرتھوڈکسی دنیا کی طرف لوٹنا ہے اور ترکی ے لئے ضروری ہے کہ اسے کلیسا فنار کے مرکز نظام پادریت کو سونپ دے اور نسل پرست یونانی تنظیم شفق ذہبی" یہاں تک کہتی ہے کہ اسطنبول فوراً یونان کو واپس کیا جائے یہ بیزنطینی شہنشاہیت دارالحکومت اور یونانی سرزمین ہے اور یہی قسطنطنیہ ہے۔

عباسی صاحب نے لکھا ہے کہ بہت سے اسلام پسند ترک مفکرین واہل قلم کا خیال ہے جن بن مصطفیٰ نجاتی سرفہرست ہیں کہ عالم ترکی واسلام کے خلاف پندرہواں صلیبی حملہ شروع ہو چکا ہے۔ یورپین ممالک روس، امریکہ اور مسیحی کلیساؤں کے ساتھ از سر نو حلف ومعاہدہ کی تجدید کر رہے ہیں س اتحاد کا واحد نشانہ یہ ہے کہ یونانیوں اور سربیوں اور کروشیوں کو کام میں لاکر بلقانی ریاستوں ں اسلامی وجود اور خلافت عثمانیہ کے تمام آثار کو محو کر دیا جائے، نیز مغرب سے احکام حاصل کرنے لے اور قوقاز کے خطے میں مسلمانوں کو قتل وغارت کرنے والے اتحادی روس کے لئے نیز جارجیا ور آرمینیا کے لئے نئے طریق پر شمالی وجنوبی قوقاز کے عظیم اسلامی خطے کو تابع ومحکوم بنا دیا جائے اور سطنبول میں ویٹیکان جیسی آرتھوڈکسی حکومت قائم کی جائے جو اسطنبول کے اندر کلیسا فنار اور مسجد اصوفیا سمیت بیزنطینی علاقوں پر مشتمل ہو۔

ایک طرف عالمی صلیبیت کے عزائم نہایت واشگاف شکل میں ہمارے سامنے ہیں، دوسری رف عالم اسلام ہے جس کی کھلی لیکن حقیقت میں بند آنکھوں کے سامنے عثمانی دارالخلافۃ کو جس ی خاک کے نیچے عثمانی خلفاء، شہداء اور علماء واولیاء مدفون ہیں چھینا اور غصب کیا جا رہا ہے،

معلوم نہیں اس امت کی رگوں میں وہ لہو کب دوڑے گا جسے دین اسلام کے غلبہ اور امت محمدیہ کی حرمت کے تحفظ کی راہ میں تن آسانی اور سکون و آسائش نہیں بلکہ بہہ کر لالہ زار بن جانا پسند ہو، ہم سارے عالم میں "اسلامی بیداری" کو آواز دیتے ہیں، کہ اس عظیم اسلامی خطے میں سرد صلیبی جنگوں کے پیچھے دہکتے ہوئے آتش فشاں کا علاج دریافت کرے۔

•••

جناب مولانا محمد رئیس ندوی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

عہد نبوی کے معاشرہ کی عکاسی میں حدیث شریف کا حصہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی جمیع الأنبیاء والمرسلین خصوصا علی من بعث خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین محمد وآلہ واصحابہ أجمعین فان اصدق الحدیث کتاب اللہ فان خیر الحدیث کتاب اللہ، فان احسن الحدیث کتاب اللہ، فان افضل الحدیث کتاب اللہ - اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. قال تعالیٰ: "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ علمہ شدید القوی ذومرۃ فاستویٰ" (پ۲۷ سورۃ النجم: ۳-۶) وقال تعالیٰ "اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی" الأیۃ (پ۲۴ سورۃ الزمر: ۲۳) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما روی عنہ المقدام بن معدیکرب الکندی اَلا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ. الحدیث، اخرجہ الامام احمد فی مسندہ. ج۴ ص۱۳۱ و ابوداؤد فی السنۃ وابن ماجہ ایضا فی السنۃ والحاکم فی المستدرک، وقال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ (مشکوٰۃ مع مرعاۃ المفاتیح، ج۱ ص۲۵۹ ـ ص۲۶۱)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول پر درود وسلام کے بعد۔

حضرات! یہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کا نواں جلسۂ مذاکرۂ علمیہ (سیمینار) جامعہ سلفیہ بنارس میں "حدیث شریف کی ادبی وفنی خصوصیات" کے موضوع پر منعقد ہو رہا ہے، اس مذاکرۂ علمیہ کے ذیلی عناوین میں سے ایک عنوان ہے "عہد نبوی کے معاشرہ کی عکاسی میں حدیث شریف کا حصہ" ہمارا زیر نظر مقالہ اسی ذیلی عنوان پر لکھا گیا ہے۔

سب سے پہلی بات مجھے یہاں یہ عرض کرنی ہے کہ اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ حدیث نبوی ہی کی بدولت ہم نے رسول کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کتاب اللہ ہونا اللہ کا موجود اور اپنی ذات وصفات میں یکتا ہونا معلوم ہوا۔ کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی طرح حدیث نبوی بھی کلام الٰہی ہے، دونوں کے درمیان صرف وحی متلو اور وحی غیر متلو یا بلفظ دیگر وحی جلی اور وحی خفی کا فرق ہے جیسا کہ زیر نظر مقالہ کے خطبہ میں میری تلاوت کردہ قرآنی آیات "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" نیز اس کی ہم معنی دوسری آیات سے ظاہر ہے اور یہ معلوم ہے کہ قرآن مجید کی شکل میں پایا جانے والا مجموعہ کلام الٰہی سراپا اعجاز ہے، اس لئے حدیث نبوی بھی التزامی طور پر سراپا اعجاز ہے کوئی شک نہیں کہ حدیث نبوی دراصل کلام الٰہی ہی کی تعبیر و ترجمان و تفسیر و توضیح ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن مجید متعدد و مختلف نواحی و وجوہ سے معجزہ ہے اس کے اوصاف اعجاز میں سے بہت بڑا وصف اعجاز اس کا ادب اور اس کی فصاحت و بلاغت ہے یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا کے علوم ادب پر اسلامی ادب کا فضل و کمال و تفوق نمایاں و غالب ہے، اور یہ بات بہت ظاہر ہے کہ حدیث نبوی اسلامی ادب کا رکن رکین اور جزو اعظم ہے۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کو منجانب اللہ قرآنی الفاظ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ:

"وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا (پ۵ سورۃ النساء: ۶۳) آپ اپنی امت میں تبلیغ و اصلاح اور ترویج دین و اشاعت حق کی خاطر لوگوں سے قول بلیغ کہا کیجئے یعنی کلام بلیغ کے ذریعہ آپ حق گوئی والی باتیں اس انداز و طریق پر کہنے کا موقف اور شیوہ و شعار اختیار کیجئے کہ لوگوں کے دلوں اور نفوس میں آپ کی باتیں اتر جائیں اور اثر انداز ہوں۔"

اس فرمان الٰہی سے یہ بات بہت زیادہ واضح طور پر مستفاد ہوتی ہے کہ کلام الٰہی کی تبلیغ و ترویج اور دین حق کی اشاعت کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلیغ انداز میں باتیں پیش کرنے کا حکم دیا اور یہ معلوم ہے کہ آپ کو جو حکم الٰہی دیا گیا ہے اس کی مخاطب پوری امت ہے الا یہ کہ تخصیص و استثناء ثابت ہو اور یہاں استثناء نہیں بلکہ پوری امت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر و تواصی بالحق و تواصی بالصبر و اشاعت دین و ترویج حق کا حکم دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام بلیغ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اسی طرح پوری امت کے ان تمام افراد کو بھی کلام بلیغ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو

تبلیغ و اشاعتِ دین کا کام کریں اور اس میں شک نہیں کہ اپنی اپنی استطاعت و معلومات پر امتی کو اس کام کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا ہمارے موضوع سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کو بھی حدیث کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم کو اور تمام کے تمام لوگوں کو رسول کا رسول ہونا، قرآن کا منزل من اللہ ہونا اللہ کا موجود اور واحد اور لاشریک ہونا صرف فرمان نبوی و قول مصطفوی یعنی حدیث شریف سے معلوم ہوا ہمارے رسول نے جب فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھ پر فلاں کلام منجانب اللہ نازل ہوا ہے، اور یہ کلام الٰہی ہے جس کا نام قرآن ہے تو ہم نے جانا کہ آپ رسول ہیں اور آپ پر پیش کردہ کتاب قرآن کتاب اللہ ہے ورنہ ہم پر براہ راست وحی نازل نہیں ہوئی اور نہ کسی کو اللہ نے بتلایا کہ قرآن کتاب اللہ ہے، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی اللہ کے رسول ہیں۔ صرف اتنی سی بات سے حدیث شریف کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ آپ کی اس حدیث اور اسی طرح دوسری احادیث سے دنیا وجودِ الٰہی، توحیدِ الٰہی و رسالت و نبوت سے واقف ہوئی۔

حدیث نبوی کا سراپا اعجاز ہونا اس حقیقتِ ثابتہ سے بھی واضح ہے کہ قرآن مجید نے فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا ہے کہ قرآن جیسا کلام پیش کر سکنا پوری دنیا کے لئے ناممکن ہے، جیسا کہ قرآنی آیت " ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین، فان لم تفعلوا ولن تفعلوا " (پ۱ سورۃ البقرہ: ۲۳ و ۲۴) سے ظاہر ہے کہ اس قرآنی اعلان کے ساتھ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ " الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ " یہ حدیث نبوی میں نے خطبۂ مقالہ میں لکھ رکھی ہے یعنی کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے قرآن جیسی چیز قرآن کے ساتھ مزید ملی ہوئی ہے، اس فرمان نبوی میں صراحت ہے کہ آپؐ کو کلام الٰہی کا مثل دوسرا کلام بھی حاصل تھا اور قرآن کا مثل دوسرا کلام جو آپ کو حاصل تھا اسی کو اہل اسلام کی اصطلاح میں حدیث نبوی کہا جاتا ہے، علاوہ ازیں قرآن مجید کی متعدد آیات میں خود قرآن مجید کو بھی حدیث کہا گیا ہے جن میں ایک آیت کا ذکر خطبۂ مقالہ میں موجود ہے یعنی " اللہ نزل احسن الحدیث " الآیۃ۔ مشہور و معروف خطبات نبویہ میں " فان خیر الحدیث کتاب اللہ " اور " فان اصدق الحدیث کتاب اللہ " اور " فان احسن الحدیث کتاب اللہ " اور " فان افضل الحدیث کتاب اللہ " کے الفاظ

وارد ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید حدیث ہے، حدیث کے اطلاق اور معنی و مفہوم میں بڑی وسعت ہے، ذات نبوی کی طرف معتبر و صحیح طریق پر حقیقی و معنوی طور پر منسوب ہونے والی ہر بات اور ہر چیز پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ اشارۃً وکنایۃً اور تقدیراً ہی کیوں نہ ہو۔

قرآن مجید کی طرح حدیث شریف کی ہمہ جہت انقلاب آفرینی اور اثر انگیزی آنے والی تفصیل سے بہت واضح ہے اگرچہ معاشرہ کے ہر پہلو پر حدیث کی تاثیر اس مقالہ میں ممکن نہیں بلکہ معاشرہ کے بنیادی پہلوؤں اور نواحی سے متعلق بھی حدیث شریف کے اثر کا ذکر مشکل ہے، صرف بطور مثال بعض باتوں کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا جا سکتا ہے اور اسی اشارہ ہی سے بات واضح ہو جائے گی۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خود یہ ارشاد ہے کہ "ان من البیان لسحرا" بعض باتیں جادو کا سا اثر رکھتی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ آپ جوامع الکلم سے نوازے گئے تھے اور آپ ہی نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ "انا افصح العرب" میں افصح العرب ہوں پھر تو آپؐ کے کلام یعنی حدیث شریف کی قوت تاثیر و نفوذ کا صحیح اندازہ کر سکنا عام انسانی فہم وادراک سے باہر ہے، کائنات انسانی میں ہمہ جہت انقلاب آفرینی دراصل حدیث کی کرشمہ سازی ہے۔

البتہ یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ آخری صدیوں میں عام طور سے ادب کا جو معنی و مفہوم عام لوگوں کے ذہن پر حاوی ہو گیا ہے وہ معنی و مفہوم عہد نبوی والے ادب کے معنی و مفہوم سے مختلف ہے۔ عام و خاص لوگوں میں یہ مشہور حدیث متداول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"ادبنی ربی فاحسن تادیبی ثم امرنی بمکارم الاخلاق وقال خذ العفو و امر بالعرف الآیۃ" إلی آخر الحدیث۔

اس حدیث کو حافظ ابو الفضل بن نصر نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن تیمیہ نے کہا کہ "معناہ صحیح ولکن لیس لہ اسناد ثابت" (مجموعۃ الرسائل الکبریٰ لابن تیمیۃ ج۲ ص۳۳۶) حافظ ابن تیمیہ کی اس بات سے حافظ سخاوی و سیوطی بھی متفق ہیں اور حافظ ابن اثیر جزری نے مقدمہ نہایۃ میں اسے بالجزم بطور حجت پیش کیا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کشف الخفاء للامام العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ ج ۱ ص ۷۰ واللآلی المصنوعۃ للسیوطی وغیرہ)

کلام ائمہ سے ظاہر ہے کہ نصوص سے روایت مذکورہ کی معنوی متابعت و تائید ہوتی ہے، اس روایت

کے بعض الفاظ اس طرح ہیں:

" ان رجلا من بنی سلیم قال یا رسول الله! ایدالک الرجل امرأته؟ قال: نعم اذا کان ملفجا فقال ابوبکر الصدیق ما قال لک وما قلت له؟ قال: قال لی ایماطل الرجل امرأته قلت: نعم اذا کان مغلسا فقال ابوبکر الصدیق ما رأیت أفصح منک فمن ادبک یا رسول الله؟ قال ادبنی ربی ونشأت فی بنی سعد (کشف الخفاء ج ۱ صنے)

آگے چل کر اس حدیث پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے، فی الوقت ہم عقیدہ توحید سے متعلق حدیث شریف کی ایک اثرانگیزی کا یہاں ذکر کریں گے۔

یہ معلوم ہے کہ جب سے کائنات انسانی وجود پذیر ہوئی تب سے انسانی معاشرہ میں شادی بیاہ ونکاح کے مراسم جاری ہیں۔ بعثت نبوی کے زمانہ بعد بلکہ ہجرت نبوی کے کچھ زمانہ بعد حسب دستور مدینہ منورہ میں ایک انصاریہ خاتون ربیع بنت عفرا کی شادی ہوئی۔ موصوفہ کی شب زفاف کی صبح کو موصوفہ کے گھر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ تمام مسلمانوں کی خوشی وغمی کے مواقع پر تمام مسلمانوں کے غم وسرور میں عام طور پر آپ عملا حصہ لیتے تھے۔ اپنی اسی عادت کے مطابق ربیع کے گھر آپ تشریف لے گئے اس وقت موصوفہ ربیع بنت عفرا کے حجرۂ عروسی میں خاندان ومحلہ کی کچھ بچیاں جمع تھیں اور رواج کے مطابق وہ سب دف بجا بجا کر گیت گا رہی تھیں۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس منظر ومجلس سے محظوظ ہو رہے تھے کہ ان معصوم ونابالغ بچیوں نے ایک اس قسم کا مصرع گانا شروع کر دیا۔

" وفینا نبی یعلم ما فی غد " یعنی ہمارے درمیان ہمارے وہ نبی بھی جلوہ افروز ہیں جو آئندہ باتوں کا علم رکھتے ہیں مراد علم غیب سے واقف ہیں۔ اس محفل سرور ومسرت سے لطف اندوز ہو رہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معصوم بچیوں کی زبان سے یہ مصرع سنتے ہی فرمایا۔

" ودعی هذه وقولی بالذی کنت تقولین فانه لایعلم ما فی غد الا الله "
یعنی جس مصرع میں مجھے آئندہ باتوں کا علم رکھنے والا کہا گیا ہے، اسے گانا چھوڑ دو اور اس کے علاوہ جو دوسرے مضامین پر مشتمل تم اشعار پڑھ رہی تھیں، انہیں پڑھو کیونکہ مافی غد کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

(عام کتب حدیث واللفظ لابن ماجہ)

خوشی ومسرت کی اس کیف آور مجلس میں معصوم بچیوں کی ایسی بات کو کسی طرح کی تاویل و توجیہ کی رعایت رکھے بغیر آپؐ نے اس لئے رکوادیا کہ ان کی یہ بات توحید خالص کے منافی اور اسلامی مزاج کے خلاف تھی، یعنی کہ حدیث شریف کسی بھی حالت میں اور کسی بھی تاویل و توجیہ کا سہارا لے کر کسی بھی مسلمان شخص کی زبان سے منافیٔ توحید کسی بھی قسم کا کوئی بھی کلمہ نکلنے کی روادار نہیں۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ توحید خالص کے معاملہ میں توحید خالص کے منافی کسی معمولی یا غیر معمولی بات کا اسلام روادار نہیں۔ آپؐ کی تعلیم و تربیت وحدیث کے اثر سے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اثرپذیر ہوکر فرماتی ہیں کہ:

" من قال انه یعلم ما فی غد فقد اعظم الفریة "جس نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ وہم وگمان رکھا کہ آپؐ ما فی غد کا علم رکھتے تھے، وہ بہت بڑا افترا پرداز ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عہدنبوی میں بہت سارے مسلم وغیر مسلم غیر اللہ کے غیب داں ہونے کا نظریہ رکھتے تھے مگر آپؐ کی تعلیم کا اثر تھوڑے ہی دنوں میں یہ ہوا کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ نے مذکورہ بالا بات بڑے جوش وخروش کے ساتھ کہی تو اس زمانے کے اسلامی معاشرے کے کسی بھی فرد بشر نے ام المومنین کی اس بات کے خلاف کسی قسم کی کوئی آواز اٹھائی نہ اس کے خلاف کسی طرح کی کوئی لب کشائی کی، اسی قسم کا معاملہ آپ توحید کے جملہ فروعی واصولی مسائل میں دیکھیں گے، مگر بدقسمتی سے جب مسلمانوں پر زوال وانحطاط آنے کو ہوا تو اسلام کے بنیادی عقیدہ یعنی توحید خالص میں خلل آنا شروع ہوگیا، اور ایسی بنیادی نازک چیز پر غیر اسلامی نظریات اثرانداز ہونے لگے اور نتیجہ یہ ہوا کہ منافی توحید چیزوں کی آمیزش سے قرون متاخرہ والا مسلم معاشرہ دوچار ہوا، صرف یہی نہیں بلکہ شادی بیاہ کے مواقع پر جس طرح غیر اسلامی مراسم آج کے اسلامی معاشرہ میں رائج ہیں وہ عہدنبوی والے معاشرہ کے مراسم سے نوے فیصد تک مختلف ہیں۔

ہم عرض کرچکے ہیں کہ ہم اپنے اختیار کردہ موضوع یعنی " عہدنبوی کے معاشرہ کی عکاسی میں حدیث شریف کا حصہ " کے موضوع پر ہم صرف اشاروں ہی میں گفتگو کرسکتے ہیں، اس لئے مذکورہ بالا اشارہ کی مناسبت سے نکاح وشادی بیاہ کے معاملہ میں ایک حدیث کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں، اور اختصار کے پیش نظر تفصیل کے بجائے

اجمال پر اکتفا کرنا اور زیادہ موزوں سمجھتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی سے منقول ہے کہ عہد نبوی میں نکاح کے جاہلی دستور میں چار قسم کے نکاح کا رواج تھا یعنی چار قسم کے نکاح عمومی طور پر ہوا کرتے تھے، ورنہ اس کی قسمیں اور بھی زیادہ ہیں مگر ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ میں یہ ہوا کہ:

" فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق ھدم نکاح الجاھلیۃ کلہ الا نکاح الناس الیوم " یعنی آپؐ نے مبعوث ہو کر جاہلی دستور والے سارے طریقۂ نکاح کو ختم کر کے صرف اس ایک طریق کو برقرار رہنے دیا جو آج کے اسلامی معاشرہ میں رائج ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

" یخطب الرجل الی الرجل ولیتہ او ابنتہ فیصدقھا ثم ینکحھا " (صحیح بخاری وعام کتب حدیث) "یعنی نکاح کا خواہش مند آدمی جس خاتون یا لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا اس کے ولی کو باقاعدہ پیغام نکاح دیتا پھر پسند آنے پر لڑکی کا ولی نکاح کے امیدوار سے مہر لے کر اس کے ساتھ نکاح کر دیا کرتا تھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جاہلی دستور والے مروجہ نکاحوں میں سے ایک کو چھوڑ کر آپؐ نے اپنے فرمان یعنی حدیث کے ذریعہ سب کو ختم کر دیا جس کے نتیجہ میں پورا اسلامی معاشرہ اس طرح بن گیا کہ ولی کی اجازت و سرپرستی کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہو سکتا تھا، حدیث شریف والے اس اسلامی دستور کو دنیا کی متعدد غیر مسلم اقوام خصوصاً ہمارے ملک ہندوستان کی ہندو قوم نے اپنے ہندو پرسنل لا ریں داخل کر لیا جس سے اس معاملہ میں عورتوں کی بے راہ روی اس معاملہ میں ہندو معاشرہ میں بہت کم دیکھی جاتی ہے جسے نہ جانے کن وجوہ سے عہد نبوی و عہد صحابہ کے بعد بعض مسلم گھرانوں میں ختم کر دیا گیا جس کا برا اثر بھی مسلم معاشرہ میں ظاہر ہو رہا ہے، حالانکہ مذکورہ حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ عہد نبوی والے معاشرہ میں ولی و سرپرست عموماً باپ و بھائی ہوتے ہیں کے بغیر کسی بھی عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا، الا یہ کہ ولی ولیہ کے درمیان رشتۂ نکاح کے انتخاب میں نزاع ہو اور اس نزاع میں ولیہ حق بجانب ہو تو حدیث نبوی: "فان اشتجرا فیما بینھما فالسلطان ولی من لا ولی لہ" کے مطابق اسلامی عدالت اس کا نکاح کرائے گی، نکاح کے لئے ولی والی جو شرط حدیث نبوی میں رکھی گئی ہے اس کے اثر کا اندازہ اس دور کے معاشرہ پر اس بات سے ہو سکتا

ہے کہ پوری صراحت کے ساتھ بسند صحیح مروی ہے کہ:

خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق بلا ولی نکاح کرنے اور کرانے والوں کو باطل تو خیر قرار ہی دیا کرتے تھے، انھیں کوڑے بھی لگواتے تھے (مصنف عبدالرزاق ص ۱۹۸/۱۹۹ ج ۷ ومصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۱/۱۳۲ و سنن الامام سعید بن منصور ج ۲ ص ۲۸۳ ومتعدد کتب حدیث)

حضرت عمر فاروق رضی کے طریق مذکور پر خلیفہ راشد حضرت علی بن ابی طالب کا بھی عمل تھا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۹) اور مشہور و معروف صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی جو سابقین اولین میں سے ہیں اسی موقف پر کاربند تھے۔ نیز ان کے علاوہ متعدد صحابہ وجلیل القدر تابعین کرام کا بھی موقف تھا (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۱۹۷/۱۹۸ وسنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۱۱)

ان آثار صحابہ خصوصاً فتاویٔ خلفاء راشدین کے خلاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ کا معاشرہ دوسرا طریق نکاح اختیار نہیں کرسکتا تھا۔

احادیث شریفہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح اس زمانے کے معاشرہ میں دل کی اجازت ورضا کے بغیر نکاح نہیں ہوتا تھا اسی طرح عورت کی اجازت کے بغیر بھی اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف نہیں کیا جاسکتا تھا۔

زیر نظر حدیث شریف کا مفاد یہ بھی ہے کہ عہد نبوی میں نکاح کرنے والا مرد اپنی منکوحہ بیوی کو صداق یعنی مہر دیا کرتا تھا مہر کے بغیر عہد نبوی والے معاشرہ میں نکاح کا رواج نہیں تھا اور مہر کی ادائگی مرد کے ذمہ ہی ہوا کرتی ہے حتی کہ جاہلی دستور میں نکاح شغار کا جو رواج جاری تھا جو ادلے بدلے والا نکاح اس طرح کا ہوا کرتا تھا کہ دونوں لڑکیوں یا عورتوں میں سے کسی کو مہر نہیں دیا جاتا تھا بلکہ ہر ایک کا نکاح ہی مہر کا بدل مان لیا جاتا تھا، اسے حدیث نبوی کے ذریعہ بالکل ہی ختم کردینے کا حکم دیا گیا، اس حدیث شریف پر صحابہ کرام والے معاشرہ کا پورا عمل تھا اور حکومت وقت اس طرح کے نکاح کو باطل قرار دیا کرتی تھی، مگر شغار والے نکاح کے علاوہ عام نکاحوں کا حال اس دور میں یہ ہے کہ ظاہری طور پر برائے نام مہر کی تقرری کا رواج عام اسلامی معاشرہ میں تو پایا جاتا ہے مگر بہت ہی کم لوگوں کے یہاں اس پر عمل ہو رہا ہے، ورنہ منکوحہ عورت کو مہر دینے کے بجائے عام طور سے الٹ کر غیر اسلامی رسم والے تلک کی ہم معنی رقوم وساز وسامان نکاح کرنیوالے

مرد وصول کرتے ہیں حالانکہ منکوحہ لڑکی کے لئے مرد پر اس کی ادائیگی اس قدر حدیث شریف میں ضروری قرار دی گئی تھی کہ ایک افلاس زدہ مال و منال سے تہی دست صحابی سے آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں بہرحال مہر کا انتظام کرنا ہوگا " ولو خاتما من حدید " (عام کتب حدیث) آپؐ نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر ایک روز شادی کے آثار دیکھ کر موصوف عبدالرحمٰن بن عوف سے سوال کیا کہ " کم اصدقتها" یا "کم سقت الیها " (صحیح بخاری مع فتح الباری حدیث نمبر ۱۶۷ ج ۹ ص ۲۳۴ و عام کتب حدیث) تم نے اپنی منکوحہ بیوی کو کتنا مہر دیا ؟ پس صحابہ کرام والے معاشرہ میں یہی بات پائی جاتی تھی کہ نکاح کرنے والا مرد منکوحہ عورت کو مہر ضرور دیتا تھا اور حدیث شریف کا یہ حکم متعدد قرآنی آیات سے ماخوذ ہے مثلاً :

" واحل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین ۔"
(پ۵ سورۃ النساء : ۲۴) حتی کہ غربت و مسافرت میں وطن سے دور انتہائی پریشانی کے عالم میں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی بھی قرآنی بیان کے مطابق بلا مہر نہیں ہوئی اور اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ لڑکی کی طرف سے تلک والی رسم کے مطابق حضرت موسیٰ پر داد و دہش ہوئی تھی ۔

نکاح کے معاملہ میں ایک نہایت خراب رسم جاہلی دستور میں نکاح حلالہ والی رسم تھی اسے بھی حدیث نبوی میں سراسر باطل و جرم قرار دیا گیا ، اور صحابہ والا معاشرہ اسی پر کاربند بھی رہا حتی کہ خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے قابل تعزیر جرم بتلایا اور اسے زنا قرار دیا ، اسی طرح دوسرے خلفائے راشدین نے بھی کیا ۔ (کتاب التحلیل لابن تیمیہ میں اس کی تفصیل ہے)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جہاں کسی سنت نبویہ پر عمل ترک ہوگا وہاں کوئی بدعت قبیحہ اور گھناؤنی بات اس کے بدلے اسلامی معاشرہ میں رائج ہو جائیگی ۔ (سنن ابن ماجہ وغیرہ)

اس فرمان نبوی کے مطابق موجودہ مسلم معاشرہ اہم معاشرتی امور میں ترک حدیث شریف کرنے کی پاداش میں گھناؤنے قسم کے معاشرتی رواج کے بندھن میں جکڑا گیا ہے ، نعوذ باللہ من ذلک ۔

ہم نے صحابہ کرام والے معاشرہ کے صرف ایک معاملہ سے متعلق بعض اشارات اپنے اس مقالہ میں پیش کئے ہیں کیونکہ تفصیلی تذکرہ اس مقالہ میں ممکن نہیں ، اب ہم اس حدیث شریف کی طرف پھر لوٹتے ہیں جس کا

ذکر ابتدائے مقالہ میں کیا گیا ہے کہ " ادبنی ربی فاحسن تادیبی وادبنی بمکارم الاخلاق ۔" الحدیث ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العالمین نے اپنے مخصوص طریقے پر تعلیم و تربیت کے ذریعے اچھے آداب سے بہرہ ور کیا تھا، جس میں مکارم اخلاق بھی شامل ہیں۔ مکارم اخلاق تو آپ کے خصوصی اوصاف وشعار و آداب میں سے ہیں اور تمام صحابہ کرام کو حکم دیا گیا تھا کہ امور زندگی کے تمام معاملات میں اتباع نبوی کرو اور آپ کے طور طریق کو نمونۂ زندگی قرار دو، یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی میں صحابہ والا معاشرہ پوری طرح مکارم اخلاق کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، جس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کفارِ قریش کی فتنہ سامانیوں سے پریشان ہو کر ایک مرتبہ ہجرت کے ارادہ سے تن وتنہا گھر سے نکل پڑے اور ابن الدغنہؓ یا ابن الدغنہ سے ملاقات و بات چیت ہونے پر موصوف صدیق اکبر نے کہا کہ " اخرجنی قومی فارید أن اسیح فی الارض واعبد ربی " (صحیح بخاری مع فتح الباری کتاب المناقب باب هجرة النبیؐ واصحابه، حدیث نمبر ۳۹۰۵) تو ابن الدغنہ نے فوراً کہا :

" فان مثلک لایخرج ویخرج انک تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الکل وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق الی آخر ما قال ۔"

پھر ابن الدغنہ نے قریش سے مل کر طے کرا دیا کہ صدیق اکبر اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت اور تلاوت قرآن کریں، صدیق اکبر کے اندر پائے جانے والے مذکورہ بالا اوصاف حمیدہ اور مکارم اخلاق کا تذکرہ ابن الدغنہ نے قریش کے سامنے کیا تھا اور اس کی تغلیط کے بجائے قریش نے تصدیق کی تھی وہ اوصاف واخلاق موصوف ابوبکر صدیقؓ میں اتباع نبوی کی برکت سے پائے جا رہے تھے اور اسی قسم کے اوصاف نبویہ کا ذکر ام المومنین سیدہ خدیجہ کبریٰؓ نے اس وقت کیا تھا جس دن آپؐ پر وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہوا تھا، اس سے پتہ لگتا ہے کہ عام امور میں عہد نبوی والے معاشرہ کے افراد میں حدیث نبوی کی چھاپ پائی جاتی تھی، آپ کتب حدیث کا تتبع کریں تو عام صحابہ کرام کو کم وبیش ان اخلاق واحوال کے رنگ میں رنگا ہوا پائیں گے جن کی تعلیم وتربیت عملی وعلمی طور پر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، الا ماشاء اللہ ۔

اواخر مقالہ میں ہم ذیل میں ادب سے متعلق بعض احادیث نبویہ کا ذکر کرتے ہیں ۔

حضرت عمرو بن سعیدؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " ما نحل والد ولده

من نحل افضل من ادب حسن " رواہ الترمذی والبیھقی فی شعیب الایمان "

(مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق الفصل الثانی)

اس حدیث سے ادب جس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، دوسری حدیث اس طرح منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :

" ادبوا اولادکم علی ثلثۃ خصال حب نبیکم واھل بیتہ وقراءۃ القرآن"

(جامع صغیر مع فیض القدیر ج ۱ ص ۲۲۵/۲۲۴ وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ۲۱۶۱)

اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ لوگ اپنی اولاد کی تادیب و تربیت کے لئے تین امور خصوصی طور پر ملحوظ رکھیں، حب نبوی، حب اہل بیت نبوی وقراءۃ قرآن، ظاہر ہے کہ حب الہی کے بعد حب نبوی اسلام وایمان کا سب سے اہم جزو اعظم ہے، اس کی تعلیم وتادیب اولاد مسلمین کے لئے ضروری ہی قرار پائے گی، اسی طرح قراءۃ قرآن کے بغیر ایمان کا پایا جانا ممکن نہیں، اسی کے ذریعہ خود ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نبوت جیسے منصب سے بہرہ ور ہوئے۔

علقمہ بن حارث رض سے ایک طویل حدیث منقول ہے کہ سات آدمیوں پر مشتمل ایک وفد کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر بتایا کہ ہم مومن ہیں، اس پر آپ نے ان سے کہا: " لکل قول حقیقۃ فما حقیقۃ ایمانکم ؟" ہر بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ وفد نے کہا کہ حقیقت ایمان پندرہ باتوں پر مشتمل ہے جن میں سے تو پانچ آپ نے براہ راست ہم کو بتلائی، اور پانچ آپ کے بھیجے ہوئے مبلغین نے بتلایا ہے، اور پانچ وہ ہیں جو جاہلی زمانے سے ہمارے خصائل میں داخل ہیں، اس وفد نے اپنی بات اس انداز میں بہتر ڈھنگ سے پیش کی کہ آپ نے ان کی بابت فرمایا کہ: " فقھاء ادباء کادوا ان یکون انبیاء من خصال " یہ لوگ ادیب وفقیہ ہیں اور خصائل کے اعتبار سے نبیوں سے قریب تر ہیں (کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۶۳ ج ۱ ص ۲۷۴/۲۷۵) اس حدیث سے ادب وفقہ کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عہد نبوی میں صحابہ والے معاشرہ کے افراد خصائل حمیدہ سے متصف تھے ان خصائل کی تفصیل زیادہ طویل ہے، اس لئے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ البتہ اتنا اشارہ کردیتے ہیں کہ یہ سارے ایمان واسلام والے آداب واوصاف ہیں، اسی سے ملتی ہوئی ایک روایت جامع کبیر للسیوطی

میں بحوالہ مسانید منقول ہے۔

اوپر "ادبنی ربی" والی روایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ صحابہؓ نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ افصح العرب ہیں، آپ کا افصح العرب ہونا نصوص سے ثابت ہے اور علی الاطلاق امت کو اسوۂ نبویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے ہر امتی پر زیادہ سے زیادہ فصیح وبلیغ بننے کی کوشش کی طرف توجہ دینا بھی اسوۂ نبویہ کی پیروی میں داخل ہے کیونکہ تبلیغ واشاعت دین میں فصاحت وبلاغت کا بڑا دخل ہے، اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عذر شرعی کے بغیر ازواج اور عورتوں کے معقول ومباح وصحیح مطالبات پورا کرنے میں ٹال مٹول وحیلہ سازی وبہانہ بازی درست نہیں، معذوری ومجبوری کی بات دیگر ہے، ظاہر ہے کہ اس فرمان حدیث کا اثر صحابہ کرام والے معاشرہ پر پوری طرح تھا حتی کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا دل بہلانے کے لئے اور ان کی تفریح طبع کے لئے فوجی رقص بھی اپنے کندھوں پر سوار کرکے دکھلاتے تھے۔

ہم اپنی انھیں باتوں پر اپنے اس مقالہ کو ختم کرتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

جوارِ رحمت میں

ہم متعلقین جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس بیحد رنج وغم کے ساتھ یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا شاہد جنید سلفی حفظہ اللہ کی والدہ محترمہ بروز شنبہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۹۴ء بوقت نو بجے صبح وفات پاگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ ناظرین کرام سے نماز جنازہ غائبانہ اور دعاء مغفرت کی درخواست ہے، مرحومہ ایک اعلیٰ کردار کی حامل مثالی خاتون تھیں، ان شاء اللہ ان کے حالاتِ زندگی ماہنامہ محدث کے آئندہ شمارے میں قلمبند کئے جائیں گے۔ (ادارہ جامعہ سلفیہ، بنارس)

کلیم انصاری، مئو
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

نعت

وضو کرلے اے میرے پیارے قلم
صفاتِ نبیؐ کر رہا ہوں رقم

وہ شاہِ مدینہ وہ شاہِ عجم
شہِ انبیاء آپؐ ہیں ذوالحشم

وہؐ گذرے ہیں جس راہ سے، آج بھی
وہاں تک نہ پہونچے کسی کے قدم

اخوت کا ایسا پڑھایا سبق
کہ دشمن بھی رہنے لگے ہیں بہم

شفاعت کی خاطر سرِ حشر سب
کہیں گے کہاں ہیں شفیع الامؐ

اگر غیب داں ہوتے خیرالوریٰؐ
نہ کھاتے کبھی گوشت جس میں ہو سَم

الٰہی مری ہے یہی آرزو
ہو اِک بار دیدارِ ارضِ حرم

امامت فرشتوں کی جس نے ہے کی
خدا کے ہیں پیارے نبیؐ محترم

کلیم اپنا شیوہ یہ ہو روز و شب
درود اُنؐ پہ پڑھتے رہیں دم بدم

شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری رح
اور
تردید انکارِ حدیث

مولانا محمد مستقیم سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

شیخ الاسلام علامہ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ان نادرۂ روزگار شخصیات میں سے ہے جو روز روز اس دنیائے فانی میں نہیں آتیں، اور جب اس دنیا سے عالم بالا کو سدھار جاتی ہیں تو اپنے پیچھے اپنی یادوں کے انمٹ نقوش چھوڑ جاتی ہیں۔

علامہ ثناء اللہؒ جون ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۷ھ کو "خضر جو" بن "اکرم جو" ساکن ڈور تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر کشمیر کے گھر پیدا ہوئے، آپ خود اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ:

"میری عمر سات برس میں تھی کہ والد (خضر جو) صاحب کا انتقال ہو گیا، بڑے بھائی ابراہیم مرحوم رفوگری کا کام کرتے تھے، مجھے بھی انہوں نے یہ کام سکھایا، چودہیں سال میں والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ چودھویں سال میں مجھے پڑھنے کا شوق ہوا، ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا احمد اللہ صاحب رئیس امرتسر کے پاس پہونچا، رفوگری کا کام بھی کرتا رہا اور سبق بھی پڑھتا رہا، اس کے بعد بغرض تحصیل علم حدیث مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں کتب درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی، یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کا ہے، اس کے بعد شمس العلماء سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوا، سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی، پھر سہارنپور چند روز قیام کر کے دیوبند پہونچا، وہاں کتب درسیہ معقول و منقول ہر قسم پڑھیں، دیوبند کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور میں جا کر داخل ہو گیا اور مولانا احمد حسن مرحوم کے درس حدیث میں شریک ہوا، کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب پہونچا، مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا، طبیعت میں تجسس زیادہ تھا اسی لئے ادھر ادھر سے ماحول کے مطابق مذہبی حالات

دریافت کرنے میں مشغول تھا، میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ میں مناظرات کی طرف بہت راغب تھی، اس لئے درس و تدریس کے علاوہ میں ان تینوں (عیسائی، آریہ، قادیانی) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا، بفضلہ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کرلی۔ (اہلحدیث امرتسر، مجریہ ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء)

کون جانتا تھا کہ خدائے قدیر نے "خضر جو" کے گھر جنم لینے والے اس بچے کو عام کاروباری گھرانوں کے ان بچوں جیسا نہیں بنایا ہے جو پروان چڑھ کر دنیائے دوں کے لئے تگ و تاز میں لگ جاتے ہیں، بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے کہ "برصغیر ہند و پاک میں اپنے علم و فضل اور اخلاق کریمانہ کا ایسا جوہر اپنے دشمنوں کو بھی دکھائے جیسا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم دکھاتے تھے، اور اسلام پر عیسائی مشنریوں کی یورش کو روکے، شریعت اسلام کو اعدائے اسلام کے نرغے سے بچائے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر زبان دراز کرنے والوں کا محاسبہ کرے، اور اس شمع نبوت کو بجھنے نہ دے جس کو فروزاں رکھنے کے لئے ائمہ محدثین، اولیاء اللہ اور مجددین دین نے اپنا خون تک بہادینے سے گریز نہیں کیا تھا۔

جس وقت آپ نے آنکھیں کھولیں اس وقت حالت یہ تھی کہ ایک طرف پورے برصغیر میں آریوں نے مسلمانوں کے عقائد و مذہب کی مخالفت کے جوش میں " رنگیلا رسول "، وچتر جیون " اور " سیتارتھ پرکاش " جیسی بیہودہ ولایعنی کتابیں ہی لکھ کر پھیلانے پر بس نہیں کیا بلکہ ہر سو ہلچل مچا رکھی تھی، عیسائیت کے فتنے سر ابھارے ہوئے تھے اسی اثناء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا، نیچریوں نے دہریت کا شعلہ بھڑکایا اور منکرین حدیث نے الگ راگ الاپا، قریب قریب سب کو حکومت کی پشت پناہی اور معاونت حاصل تھی اور انہوں نے کھلم کھلا اسلامی تعلیمات کا مضحکہ اڑایا، اور اسلام کے مسلمات کا انکار کیا، ایسے پر آشوب اور پرفتن دور میں شیخ الاسلام نے اعدائے اسلام کو للکارا اور پھر آریت، عیسائیت، مرزائیت، ہندومت اور انکار حدیث کے ہر میدان میں ان فرقوں کے علمبرداروں کو شکستیں دیں اور اسلام پر وارد کئے گئے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیئے جس پر مختلف مکتب فکر کے اہل علم و مفکرین اسلام نے آپ کو خراج تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ سکے۔

بطور مثال چند علماء و مفکرین اسلام کی تحریر میں آپ حضرات کے سامنے پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ قاضی محمد عدیل عباسی رقم طراز ہیں کہ:

" میں گورنمنٹ ہائی اسکول بستی میں پڑھ رہا تھا کہ آریہ سماج کی جانب سے اسلام پر اعتراضات کی بارش

شروع ہوئی اور اس زور وشور اور گھن گرج کے ساتھ کہ معلوم ہوتا تھا کسی غنیم نے پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کے قلعہ پر اس طرح گولہ باری شروع کردی کہ اس کا بچنا محال ہے، اور حملہ ایسا اچانک اور پر شور تھا کہ لوگوں کے دل دہل گئے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کے خیمے کی چوبیں اس آندھی کا مقابلہ نہ کرسکیں گی اور اکھڑ کر منتشر ہوجائیں گی، ان لرزہ خیز حالات میں ایک مرد کامل نکلا جو ہمہ صفت موصوف تھا، عالم متبحر، مفسر، محدث، واعظ، مناظر، محقق مفکر، مرد آہن، یقین محکم کا مبلغ اور استقلال مزاج کا پیامبر ؎

اگر ہو رزم تو شیران غاب کے مانند
دگر ہو بزم تو رعنا غزال تاتاری

اس نے نفرت کا جواب محبت سے، تضحیک کا جواب سنجیدگی سے، غصہ کا جواب مسکراہٹ سے، علم کی پیچیدہ گتھیوں کا جواب تحقیق سے اس طرح دیا کہ ہر قدم پر زبان حال سے یہ آواز آنے لگی ؎

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

یہ تھے مجدد عصر، مبلغ اعظم، محقق اکبر حضرت مولانا ثناءاللہ امرتسری نوراللہ مرقدہ، اس زمانہ کی نئی مسلم پود پر ان کا احسان بے پایاں ہے، اگر آج ہم لوگ اس عالم پیری میں ایمان ویقین سے بہرہ ور ہیں تو یہ اس مرد مجاہد کا طفیل ہے، اور آنے والی نسلوں پر ان کا احسان بدستور باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا مولانا صرف اہلحدیث کے نہ تھے وہ کامل ملت اسلامیہ کے تھے۔" (اخبار اہلحدیث دہلی ۲۱ نومبر ۱۹۷۱ء)

۲۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں کہ:

"موصوف کا نام میں نے اس وقت جانا جب ایک مرتد کی کتاب "ترک اسلام" سے دل بیحد جلا ہوا تھا اور مولانا نے اس کا جواب قریبی مدت میں "ترک اسلام" لکھ ڈالا تھا، جواب ترکی بترکی اسی وقت ختم ہوگئی اور آخر نئے سرے سے اسلام کے دامن میں پناہ لینا پڑی، میں اسکول کے چھٹے درجے کا طالب علم تھا، اور عمر ۱۱ سال سے زائد نہ تھی، ایک ہندو لڑکے سے لے کر "ترک اسلام" کی جھلک دیکھ لی تھی، اور اس پر تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی، کچھ ہی دن بعد "ترک اسلام" کی زیارت نصیب ہوئی اور اس نے زخم پر ٹھنڈا مرہم رکھ دیا، یہ ۱۹۰۲ء ہوگا یا ۱۹۰۳ء کا شروع، اور دل مولانا کا اسی وقت سے بے حد معتقد ہوگیا تھا، ان کی تحریریں اس

اعتقاد کو بڑھاتی ہی رہیں، ان کا ہفتہ وار "اہلحدیث" بھی کچھ دنوں بعد دیکھنا شروع کر دیا، اس اعتقادی غلو میں اعتدال و توازن کہیں سالہا سال بعد جاکر پیدا ہوا، مولانا کی اردو تفسیر بھی مختصر تفسیروں میں اچھی ہے لیکن عربی تفسیر کا نمبر اس سے بڑھا ہوا ہے۔ قرآن کی تفسیر خود قرآن کریم ہی سے کی ہے، ہم معنی آیتیں خوب یکجا مل جاتی ہیں، فن مناظرہ کے تو کہنا چاہیئے امام تھے، خصوصاً آریہ سماجیوں کے مقابلہ میں جو علاوہ بد فہم دبے علم کے بد زبان بھی ہوتے تھے، اور شروع صدی میں ان کا فتنہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ تھا، اگر مولانا ثناء اللہ صاحب ان کے سامنے نہ آجاتے تو مسلمانوں کی مغلوبیہ مرعوبیت خدا جانے کہاں تک پہونچ جاتی، حریف کی نبض شناسی میں مولانا بہت بڑھے ہوئے تھے۔ ایسی بات ڈھونڈھ نکالتے کہ آریہ سماجی ذہنیت دنگ ہو کر رہ جاتی، اب یاد نہیں کتنے مناظرے کر ڈالے اور ہر جگہ کامیاب ہی رہتے، ایک جگہ معروف نامور آریہ سماجی مناظر نے شروع میں خم ٹھوک کر کہہ دیا کہ ،، آپ مسلمان ہی کب ہیں جو اسلام کی طرف سے وکیل بن کر آئے ہیں، دیکھئے مسلمان علماء کے فتوے یہ سب آپ کی تکفیر میں ہیں ،، یہ کہا اور میز پر ان فتوؤں کا ڈھیر لگا دیا، مولانا صبر کے ساتھ اپنی تکفیر کا ڈھونڈورا سنتے رہے، جب وہ کہہ چکا تو کڑک کر بولے

"اچھا صاحب اب میں مسلمان ہوتا ہوں اور آپ سب مسلمان گواہ رہیں کہ میں آپ سب کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھتا ہوں اشهد أن لا اله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله فرمایئے اب تو کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

مسلمان باغ باغ ہو گئے، آریہ مناظر سے کچھ بن نہ پڑا اور مولانا نے اپنا کام چلتا کر دیا۔

عیسائیوں سے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار رہتے وہ زمانہ بھی مناظرہ بازیوں کا تھا، اور آریہ سماجیوں نے مسلمانوں کے منہ آنا عیسائیوں سے سیکھا تھا، عیسائی مشنری انیسویں صدی کے وسط ہی سے مسلمانوں کے پیچھے پڑی ہوئی تھی عیسائیوں سے مقابلہ کے لئے مولانا نے شُد بُد کچھ انگریزی بھی سیکھ لی تھی۔ اگر کہیں انگریزی کا مطالعہ زیادہ کر لیا ہوتا تو اپنے فن میں بے مثل ہو جاتے کلمہ گو فرقوں کے اندر توجہ احمدیہ (قادیانیہ) پر زیادہ دی تھی بلکہ ایک بار تو ایک انعامی مباحثہ میں انعام بھی احمدی فریق سے جیتا تھا (معاصرین مولانا عبدالماجد دریاآبادی ص۱۲۴)

۳۔ علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا، اس کے حملے کو روکنے کے لئے ان (یعنی مولانا ثناء اللہ) کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا، اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انھوں نے عمر بسر کی۔

(یاد رفتگاں، مولانا سید سلیمان ندوی ص۱۱۵)

سید صاحب مزید لکھتے ہیں :۔ "مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے، زبان و قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔" (یعنی مولانا ثناء اللہ) (حوالہ مذکورہ)

۴ ۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری فرماتے ہیں کہ :۔

"میرے نزدیک اسلام کی صداقت و حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ثناء اللہ ایسا زیرک، معاملہ فہم، ذہین و فطین اسلام کا علمبردار ہے اور یہ صداقت اسلام کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا معجزہ ہے۔"

(المنبر لائل پور، ۱۴ شعبان ۱۳۸۷ھ صفحہ ۱۲)

۵ ۔ رئیس الاحرار مولانا ظفر علی خاں مدیر اخبار زمیندار لاہور رقمطراز ہیں کہ :۔

"مولانا ابوالوفاء صاحب امرتسری کو غیر مسلموں کے مذہبی اعتراضات کے دندان شکن جواب اور قاطع جواب دینے میں جو خاص شہرت حاصل ہے وہ محتاج تصریح نہیں، بلا خوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا ممدوح نے اس وقت تک عیسائیوں، آریوں اور دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں دین کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، ان کی سپاس گذاری کے گراں بہا قرض سے ہندوستان کے مسلمان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

(اہل حدیث امرتسر ۲۲ جنوری ۱۹۲۵ء، مقدس رسول ص ۱۸)

۶ ۔ علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ اپنے اساتذۂ عظام کی محبت و شفقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"مجھے خود اس بات کا فخر ہے کہ میرے اساتذۂ عظام بھی عظیم الشان جلسوں میں بڑے بڑے مناظرے میرے سپرد کرتے تھے جن میں وہ خود بھی شریک ہوتے تھے، مثلاً مناظرہ دیوریا ضلع گورکھپور، مناظرہ نگینہ ضلع بجنور، مناظرہ جبل پور، مناظرہ خورجہ، مناظرہ رامپور،، (یہ سب مناظرے تحریری ہوتے تھے، جن کی روئدادیں کتابوں کی صورت میں شائع ہوتی تھیں")

خصوصیت کے ساتھ اپنے استاذ مولانا محمود الحسن صاحبؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"میں یہ فقرہ بھی عرض کر دوں تو بجا ہے کہ ممدوح کو میرے ساتھ اپنی اولاد کی طرح محبت تھی۔ اسلئے بڑے بڑے مباحثوں میں جہاں اکابر دیوبند یہ کا دخل ہوتا، مباحثہ اس خاکسار کے سپرد کیا جاتا جیسے مباحثہ نگینہ اور رامپور وغیرہ"

(مقدمہ ترجمہ ثنائی بعنوان سوانح حیات ص ۵۲، ۵۳)

یہ تھی شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کی شخصیت اور معاصرین علماء و اساتذہ کی نظروں میں ان کا مقام و مرتبہ جن لوگوں نے شیخ الاسلام کا زمانہ نہیں پایا یا پایا لیکن قریب سے انکو نہیں دیکھا وہ اس نابغۂ عصر کے مقام و مرتبہ کا اندازہ

مشکل سے کر سکتے ہیں۔

منکرین حدیث کے رد میں شیخ الاسلام کی تصانیف، مناظرے اور مضامین اس قدر کثرت سے اور بلند پایہ ہیں کہ کسی دوسرے کے یہاں اس کی مثال نہیں ملتی، پھر مولانا کا "اخبار اہلحدیث امرتسر" کی چوالیس سالہ فائلیں جس نے بھی دیکھی ہوگی اس کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ مولانا کی تحریروں کے علاوہ منکرین حدیث کے رد میں دوسرے لوگوں کے مضامین کس قدر کثرت سے شائع کئے گئے ہیں، بطور مثال شیخ الاسلام کی چند کتابیں اور مضامین کی جانب ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن

یہ کتاب مولوی عبداللہ چکڑالوی کے رسالہ "برہان القرآن علی صلوٰۃ القرآن" کے جواب پر مشتمل ہے۔

۲۔ برہان القرآن

یہ کتاب مولوی احمد دین کے مضمون عدم حجیت حدیث کا جواب ہے۔

۳۔ حجیت حدیث اور اتباع الرسول

یہ کتاب مولوی احمد دین کے مضمون "نبی کو اصل مطاع بما تحت حکم خدا ماننا شرک ہے" کے جواب پر مشتمل ہے

۴۔ خاکساری تحریک اور اس کا بانی۔

یہ کتاب ماسٹر عنایت اللہ مشرقی کے خیالات وعقیدہ کی تردید میں ہے۔ مشرقی صاحب حدیث رسول کو حجت شرعیہ نہیں مانتے تھے۔

۵۔ حدیث نبوی اور تقلید شخصی۔

اس کتاب میں احادیث رسول کے شرعی حجت ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے اور منکرین حدیث کے جواب دیئے گئے ہیں، ساتھ ہی ساتھ تقلید شخصی کی تحقیق کی گئی ہے۔

۶۔ برہان الحدیث

اس کتاب میں منکرین حدیث کے دلائل کو رد کرتے ہوئے احادیث رسول کو حجت شرعی ثابت کیا گیا ہے۔

۷۔ برہان التفاسیر برائے اصلاح سلطان التفاسیر

اس میں آیات کی صحیح تفسیر کرتے ہوئے دوسرے اصحاب تفسیر خصوصا منکرین حدیث، عیسائی اور قادیانی

حضرات کی تفسیر پر نقد و تبصرہ کئے گئے ہیں ۔

۸ ۔ تفسیر بالرائے

اس کتاب میں مندرجہ ذیل ۱۵ تفاسیر کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے جن کے نام یہ ہیں :

خزینۃ العرفان ، ازمرزا غلام احمد قادیانی
تفسیر القرآن ، ازجناب سرسید احمد خاں مرحوم
تفسیر بیان للناس ، ازمولوی احمد دین امرتسری
تفسیر بیان القرآن ، ازمولوی محمد علی لاہوری
ترجمہ وحواشی قرآن مجید ، ازمولوی عبداللہ چکڑالوی
تفسیر القرآن بآیات الفرقان ، ازمولوی حشمت علی
خزائن العرفان فی تفسیر الفرقان ، ازمولوی نعیم الدین مرادآبادی
ترجمہ وتفسیر قرآن ، ازڈپٹی عبداللہ خاں لاہوری
متفرق تفسیری نوٹ ، ازمرزا بشیر الدین محمود
ترجمہ وحواشی قرآن مجید ، ازمولوی مقبول احمد شیعی
عام فہم تفسیر قرآن ، ازخواجہ حسن نظامی
تفسیر آیات ، ازمفتی محمد الدین وکیل گجراتی
تفسیر کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ، ازمولوی احمد رضا خاں بریلوی
تذکرہ علامہ عنایت اللہ مشرقی
تفسیر ایقان ، ازشیخ بہاء اللہ ایرانی

۹ ۔ تفسیر بالروایۃ

یہ مضمون مولانا اسلم جیراجپوری (منکر حدیث) کے تلبیسات کے جواب میں ہے جو مسلسل اخبار الحدیث امرتسر میں یکم مئی تا ۳۱ جولائی ۱۹۳۶ء چودہ قسطوں میں شائع ہوا ہے ۔

۱۰ ۔ کلمۃ الحق بجواب شرعۃ الحق

یہ کتاب مضمون کی شکل میں اخبار اہلحدیث میں ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء تک ۲۷ قسطوں میں شائع ہوا ہے
کتاب شرعۃ الحق امرتسری جماعت منکرین حدیث کی جانب سے شائع ہوئی تھی۔

۱۱۔ صلوٰۃ المومنین بجواب رسالہ صلوٰۃ المرسلین

اس میں اہل قرآن کے اس جدید حملہ کی تردید کی گئی ہے جو حدیث اور جماعت اہل حدیث پر کئے گئے تھے، یہ مضمون اہل حدیث امرتسر ۵ر مئی ۱۹۳۹ء سے لے کر ۲۳ر جون ۱۹۳۹ء تک آٹھ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

۱۲۔ دفاع عن الحدیث

یہ کتاب مولانا اسلم جیراجپوری کے مضمون "انکار حدیث" کے جواب میں ہے، یہ کتاب مضمون کی شکل میں اخبار اہل حدیث میں ۴ر دسمبر ۱۹۳۱ء تا ۸ر جنوری ۱۹۳۲ء ۶ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

۱۳۔ بیان الحق بجواب بلاغ الحق

یہ کتاب (پنڈت) حافظ محب الحق کے رسالہ بلاغ الحق کے جواب میں ہے جس میں احادیث رسول کو ناقابل عمل بتایا گیا تھا، یہ کتاب مضمون کی شکل میں اہل حدیث امرتسر میں ۲۰ر اگست تا ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء ۱۴ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

۱۴۔ حقیقت پسندی بجواب شخصیت پرستی

یہ مضمون چودھری غلام احمد صاحب پرویز کے رسالہ ترجمان القرآن مجریہ ماہ صفر ۱۳۵۶ھ کے ایک مضمون بعنوان "شخصیت پرستی" کے جواب میں ہے، پرویز صاحب کی نظر میں حدیث نبوی بزمانہ رسالت جو آنحضرت (ص) کے منہ سے سنی گئی ہو حجت شرعی ہے لیکن سلسلہ روایت کی وجہ سے وہ حجت نہیں رہی۔

یہ مضمون ۲۱ر جنوری ۱۹۳۸ء تا ۱۱/۱۸ فروری ۳۸ء چار قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ بلاغ کا باطل گو نامہ نگار

یہ مضمون کسی "حق گو" صاحب کے مضامین کے جواب میں ہے جس میں احادیث نبوی پر پھبتیاں کسنے کے ساتھ علماء اسلام کو اتنا کوسا گیا ہے جتنا کہ "شیعہ" حضرت امیر معاویہ کو اور خارجی حضرت علی کو، یہ مضمون ۶ر اگست ۱۹۳۷ء اور ۲۰ر اگست ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا ہے۔

علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کے ایک معاصر کی خلش

علمی وادبی حلقوں کا یہ معروف مقولہ ہے کہ "المعاصرۃ اصل المنافرۃ" یعنی معاصرت (ہم عصری) باہمی نفرت کی اصل اور جڑ ہے، معاصرانہ چشمک کی تصویر پیش کرنے والا یہ جملہ ہر جگہ صادق نہیں آتا، لیکن اس کے نمونے کہیں کہیں ضرور دیکھنے میں آتے رہتے ہیں، قرآن کریم کی توضیح کے مطابق ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہوتا ہے، یعنی علم و تحقیق کے میدان میں کسی شخصیت کو حرف آخر اور سب سے فائق نہیں کہہ سکتے، مختلف لوگوں میں مختلف اوصاف و محاسن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتقدیر و حکمت رکھے گئے ہیں تاکہ علم و دین کو ہر ایک سے فائدہ پہونچے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو اجر و ثواب عطا ہو، دولت، اقتدار اور حسن و جمال میں جس طرح انسان کو باری تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہونے کا حکم ہے، اسی طرح علم و معرفت کی نعمت میں بھی اسے منعم حقیقی کی تقسیم پر راضی رہنا ضروری ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمیں ملا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اور جو کچھ دوسروں کو ملا ہے اس پر حسد نہ کریں، دل میں تکدر نہ پیدا کریں اور ہر ایک کے محاسن و کمالات کا کھلے دل سے اعتراف کریں، اخلاق کا یہ حسن اور دل کی یہ وسعت اگر مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو ان کا معاشرہ سکون و سعادت کا گہوارہ بن جائے۔ لیکن افسوس کہ اس میدان میں بھی شیطان کی تظلیل و تلبیس اپنا کام کر رہی ہے اور مسلمان عوام و علماء بودی دلیلوں کے سہارے ایک دوسرے کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہیں، اور ہر شخص دوسرے کے قد کو چھوٹا کر کے دکھانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کا اپنا قد بڑا نظر آئے، یہ رویہ تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں میں معیوب ہے، لیکن علماء میں اس کا وجود بڑا دل خراش ہے، کیونکہ ان کا فرض یہ ہے کہ وہ ہر ایک کو اسلامی اخوت و مودت کی دعوت دیں، اور اپنے عمل سے اس کا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں، لیکن اس طبقہ نے کینہ و حسد اور الزام تراشی و دل آزاری کی روش اختیار کی تو عوام بھی ان کے نقش قدم پر چلنے لگے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ نفاق، حسد اور تہمت تراشی ہمارے معاشرہ کا امتیاز بن گئی، کچھ لوگ تو ایسے پیدا ہو گئے کہ خود ساختہ علمی و ادبی مسائل کے بہانے دوسروں کے خلاف الزام تراشی کا موقع پیدا کیا اور اپنے جذبہ نفرت و عداوت کو تسکین دی۔

مذکورہ تمہید کی توضیح کے لئے ہم ایک مثال پیش کر رہے ہیں جس سے مصرع ذیل کی تصدیق ہوتی ہے:

"ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است"

مئوناتھ بھنجن کی حنفی جماعت کے ایک عالم مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب نے تردید انکار حدیث کے موضوع پر ایک کتاب بہ مسمّی "نصرۃ الحدیث" (جو کسی حق گو صاحب کے مضمون کے جواب میں ہے) لکھ کر اپنی عادت کے مطابق علامہ امرتسری پر طنز و تعریض کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

"حق گو صاحب سے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا، اب سب سے آخر میں مجھے مولوی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہل حدیث سے ایک شکایت کرنا ہے، مجھ کو نہایت تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ منکرین حدیث کا یہ رسالہ ثنائی برقی پریس میں طبع ہوا ہے، اور میں نہیں سمجھ سکا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے با ایں ہمہ ادعائے عشق حدیث، دشمنان حدیث کے اس الحاد پرور رسالہ کو جس میں حدیث اور محدثین کی تنقیص و تکذیب اور توہین و تحقیر کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا ہے، کیوں اپنے پریس میں طبع کرایا، اور ان کی مذہبی حمیت و غیرت نے اس کو کس طرح گوارہ کر لیا، کیا مولوی صاحب مجھے بتائیں گے کہ یہ تعاون علی الاثم و العدوان میں داخل ہے یا نہیں؟ اور کیا حدیث میں دشمنوں کے ہاتھ اسلحہ بیچنے کی ممانعت آئی ہے یا نہیں؟ اگر آئی ہے تو اس میں کیا راز ہے؟ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس رسالہ کو چھاپ کر آپ خاموش ہو گئے جہاں تک مجھے معلوم ہے، آپ نے مستقل جواب تو درکنار اپنے اخبار میں بھی شاید اس کی خبر نہیں لی۔

مولوی صاحب گستاخی معاف! اہل حدیث کہلانے کے لئے تو آپ ہیں اور حدیثوں سے مدافعت کرنے کے لئے حنفی؟ ؎

فإذا تکون کریهة ادعی لها   وإذا یحاس الحیس یدعی جندب

(مطلب یہ کہ) جب کوئی سختی پیش آتی ہے تو اس کے لئے میں بلایا جاتا ہوں اور جب حلوا پکتا ہے تو جندب کو بلایا جاتا ہے۔"

ناظرینِ کرام | مذکورہ تحریر میں مولانا اعظمی صاحب نے غیر معمولی تلبیس، طعنہ زنی، اخفائے حق، اور کذب بیانی سے کام لیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ علامہ ثناء اللہ صاحب امرتسری نے جہاں تمام منکرین حدیث و علماء سوء کی خبر لی ہے، وہیں "حق گو" صاحب کا بھی تیا پانچہ کر دیا ہے، دیکھئے اہل حدیث امرتسر ۶ر اگست ۱۹۳۶ء میں علامہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بعنوان "بلاغ کا باطل گو نامہ نگار" لکھتے ہیں: "امرتسری منکرین حدیث کے رسالہ "بلاغ" میں ایک شخص کی طرف سے جس کا لقب "حق گو" ہے

مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، یوں تو ہر شخص کا حق ہے کہ اپنا نام جو چاہے رکھ لے، عبداللہ رکھے یا رام دت مگر ایسا نام اور لقب جس کا اثر عوام پر پڑتا ہو، اس پر رائے زنی کرنے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے،

ہم عرصے سے ان "حق گو" صاحب کے مضامین دیکھ رہے ہیں، اب ہمارا جی چاہتا ہے کہ خود ان کو دیکھیں خدا کرے ہماری آرزو پوری ہو (ہماری ان سے ملاقات ہو جائے) پھر ہم دیکھیں گے کہ ان کی حق گوئی ہم پر اثر کرتی ہے یا ہماری معروضات کو وہ قبول کرتے ہیں، ان کی ساری حق گوئی کا خلاصہ اس ایک ہی عربی شعر میں آجاتا ہے، ؎

کانت مواعید عرقوب لها مثلا وما مواعیدها الا الأباطیل

یہ حضرت حدیث نبوی کے حق میں تو سرے سے ہی بدگو ہیں، مگر علمائے اسلام کو اتنا کوستے ہیں جتنا کہ "شیعہ" حضرت امیر معاویہ کو یا خارجی حضرت علی کو۔

کوئی تحریر ان کی سخت کلامی یا گندہ دہنی سے خالی نہیں ہوتی، اسی لئے ہم نے آج تک ان کو قابلِ خطاب ہی نہیں سمجھا، آیت کریمہ "قل لعبادی یقولوا التی ھی أحسن[ع]" ان کے نزدیک منسوخ التلاوۃ اور متروک العمل ہے، ہمیں ان حضرات سے تعارف نہیں ہے مگر ہم ان کو استاد صائب کے اس شعر میں نصیحت کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ؎

دھن خویش بدشنام میا لا صائب کیں زر قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

اب ہم نے بھی ارادہ کر لیا ہے (خدا ہمارے ارادے کو پورا کرے) کہ ان حضرات کی بدزبانیوں اور تلخ کلامیوں سے پر مضامین کا جواب دے کر ان کی تسلی کریں، چنانچہ آج ہم اس سلسلہ کو شروع کرتے ہیں (بحولہ وقوتہ)"

ناظرین کرام! مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے "حق گو" صاحب کی بھی اچھی طرح خبر لی ہے، اگر مولانا اعظمی صاحب میں ذرا بھی صداقت اور دیانت کی بو ہوتی تو اس قسم کی طنز و تعریض "کہ اہل حدیث کہلانے کے لئے تو آپ ہیں اور حدیثوں سے مدافعت کرنے کے لئے حنفی الخ" سے یقینا

ع بنی اسرائیل آیت ۵۳

گریز کرتے۔

مولانا اعظمی صاحب ایک اور بات کی نسبت علامہ امرتسری کی جانب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مجھ کو نہایت تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ منکرین حدیث کا یہ رسالہ ثنائی برقی پریس میں طبع ہوا ہے۔"

اس سلسلہ میں اولاً یہ عرض ہے کہ ہر دور میں علماء اہل حدیث کے سلسلہ میں افتراء پردازی اور بہتان تراشی کا سلسلہ جاری رہا ہے، کئی کئی سطر کی عبارتیں ان علماء کی جانب بے بنیاد طور پر منسوب کردی گئی ہیں، اور ان کے استدلال والی عبارتوں میں کھلی تحریف کی گئی ہے، اس کی مثالیں خود اعظمی صاحب کی کتاب "رکعات تراویح" اور ان کے مدافع مولانا عبدالباری قاسمی کی "ذیل رکعات تراویح" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اس رویہ کی بناء پر عین ممکن ہے کہ حق گو صاحب کی کتاب کے ثنائی پریس میں چھپنے کی داستان ہی من گھڑت ہو۔

ثانیاً یہ عرض ہے کہ "کسی پریس میں کسی کتاب کے چھپنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ پریس کا مالک اس کتاب کے مضمون و مشتملات سے متفق اور اس کے موقف کا حامی دمؤید ہے، بڑی سطحی بات ہے، علامہ امرتسری اپنے پریس کے مالک تھے لیکن پریس کا عملہ ہر کتاب کی اشاعت و عدم اشاعت سے متعلق ان کی منظوری لینے کا مکلف نہ تھا، لہذا جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ علامہ امرتسری کی واقفیت و اجازت کے بعد کتاب ان کے پریس میں طبع ہوئی تھی، اس وقت تک اسلام کے اتنے بڑے مجاہد بقول علامہ سید سلیمان ندوی (حنفی) "اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے پہلے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے" (یعنی علامہ ثناءاللہ امرتسری) کے خلاف لب کشائی بے معنی ہے، خصوصاً اس پس منظر میں کہ علامہ امرتسری نے اپنی پوری زندگی علم حدیث کی خدمت اور مؤولین و منکرین حدیث کی تردید میں بسر کردی، یہاں تک کہ اس راہ میں ان کو قاتلانہ حملہ کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

مولانا اعظمی صاحب تردید انکار حدیث کے موضوع پر ایک کتاب، ہاں صرف ایک کتاب لکھ کر علامہ امرتسری پر طنز و تعریض کر رہے ہیں، جب کہ علامہ امرتسری نے اس موضوع پر آٹھ مستقل کتابیں تصنیف

کیں اور بڑے بڑے سات مقالے تحریر فرمائے جن کی اقساط کی مجموعی تعداد ہماری تلاش کے مطابق (۸۵) ہے، جب کہ اس تعداد پر اضافہ کا امکان اب بھی ہے۔

ناظرین کرام! مولانا اعظمی صاحب کا یہ طنزیہ جملہ " اہل حدیث کہلانے کے لئے تو آپ ہیں اور حدیثوں سے مدافعت کرنے کے لئے حنفی " ایسے مرد مجاہد کے حق میں تعصب اور بغض و عناد کے سوا کیا کسی اور چیز پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

مولانا اعظمی کی یادگار میں " المآثر " نامی جو مجلہ شائع ہو رہا ہے اس کا عام رجحان تشویش انگیز ہے، کیونکہ جس طرح مختلف مسائل کو ابھار کر مولانا کی عظمت ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس سے مولانا کے علمی مقام میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے لوگ ان تحریروں اور شہادتوں کو پیش کریں گے، جن میں موصوف کی تنقیص ہے۔ " المآثر " کی اشاعت جولائی اگست، ستمبر ۱۹۹۴ء میں مولانا اعظمی کی ایک کتاب " الألبانی شذوذہ واخطاؤہ " کا تعارف یہ ثابت کرنے کے لئے کرایا گیا ہے کہ اعظمی صاحب کا مرتبہ علامہ البانی صاحب سے بہت بڑھا ہوا ہے، اس تعارف میں علامہ البانی صاحب پر متعدد اوچھے اعتراضات کئے گئے ہیں، اور کہیں کہیں ان کے خلاف بہتان طرازی بھی کی گئی ہے، ہم علامہ البانی صاحب کو نقد و اعتراض سے بالا تر نہیں سمجھتے، لیکن یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ موصوف اردو نہیں سمجھتے، ان پر اگر کچھ لکھنے کا حوصلہ ہو تو عربی میں لکھ کر پیش کرنا چاہیئے تاکہ وہ غور کر سکیں، اور اپنے موقف کو واضح کر سکیں، علامہ البانی صاحب حفظہ اللہ کے خلاف اردو میں کچھ لکھنے کا مدعا شاید یہ ہے کہ اس طرح مریدوں کے حلقہ میں مولانا اعظمی کی عظمت ثابت ہو سکے گی۔

مذکورہ کتاب کی جس طرح تمجید و توصیف کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعظمی صاحب کا کوئی بہت عظیم کارنامہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعظمی صاحب مارے خوف کے اس کتاب کو پہلی بار اپنے نام سے شائع نہ کر سکے، بلکہ وہ کتاب " ارشد سلفی " (حنفی نہیں) کے نام سے شائع ہوئی، پھر اعظمی صاحب کے ایماء پر یا کسی مرید کی قدردانی کے نتیجہ میں اسے اعظمی صاحب کے نام سے شائع کیا گیا، اس لف و دوران اور ابہام و تلبیس کے باوجود کتاب میں کوئی ایسی تنقید نہیں جس کا معقول

جواب موجود نہ ہو، چنانچہ علامہ البانی صاحب کے ایک شاگرد نے اعظمی صاحب کی مذکورہ کتاب کا مسکت جواب دیا جو علمی حلقوں میں آج بھی معروف ومشہور رہے۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ رسالہ المآثر میں جب مذکورہ کتاب کی تجدید کی گئی تو مختصر اشارہ اس کے جواب کی طرف بھی ہونا چاہئے تھا، تاکہ تصویر کا دونوں رخ سامنے آجاتا۔

"الألبانی شذوذہ واخطاؤہ" کے تعارف میں جماعت اہلحدیث پر بھی چوٹ کی گئی ہے، اور علامہ البانی صاحب حفظہ اللہ پر اباحیت وغیر مقلدیت کے لئے تعصب کا الزام عائد کیا گیا ہے، ان سطور میں مذکورہ تعارف کا جائزہ مقصود نہیں لیکن یہ ضرور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کی جانب سے اہل حدیث اور اکابر اہلحدیث کی شان میں جو کچھ لکھا جائیگا اس کا جواب دینے کے لئے وہ بھی منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم رکھتے ہیں اباحیت کا الزام اگر کسی اسلامی فرقہ پر عائد ہو سکتا ہے تو سب سے پہلے وہ مقلدین کا فرقہ ہے اور بالخصوص حنفیہ کا، فقہی ذخیرہ میں جن لوگوں نے کتاب الحیل کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کی تصدیق کریں گے، اس کتاب میں مفروضہ اور غیر ضروری مسائل کی جس انداز سے تشریح کی گئی ہے اور احکام شریعت سے گریز کیلئے جو راہیں پیدا کی گئی ہیں اس کے بعد کسی اور تحریر و کتاب پر اباحیت کا الزام کیسے عائد کیا جا سکتا ہے؟

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب "تذکرہ" میں کتاب الحیل پر جو تاثر پیش کیا ہے اسے پڑھ لینا چاہئے۔

ان سطور کے اختتام پر گزارش ہیکہ "نصرۃ الحدیث" کی آئندہ اشاعت سے "ایڈیٹر اہلحدیث امرتسر سے ایک شکایت" والی تحریر حذف کر دینا چاہئے، اسیطرح مولانا اعظمی کی عظمت و برتری کیلئے ان کے اپنے کارناموں کا تذکرہ کرنا چاہئے کسی اور کی تنقیص و تحقیر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا عیب و ہنر کی تعیین و تشخیص میں نقطۂ نظر کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے اسلئے صاحب انصاف صرف کسی کے تاثر و بیان کی بنیاد پر رائے قائم نہیں کرتے :

فعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

یعنی رضامندی کی نظر عیوب دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے، اور ناراضگی کی نظر صرف برائیوں کو نمایاں کرتی ہے۔ تقریبا یہی بات شیخ سعدی رح نے یوں کہی ہے :

ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

سلسلۂ تراجم علماء اہلحدیث بنارس

مولانا محمد یونس مدنی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(۴)

مولانا حافظ محمد ابو القاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۶ء ۔ وفات ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء

مولانا حافظ محمد ابو القاسم بن حاجی محمد رفیق بن حاجی ننھو بن شیخ ولی محمد بن پیر محمد عرف فرنگی آپ شہر بنارس کے مشہور محلہ مدن پورہ کے ایک معروف اور متوسط گھرانہ کے چشم و چراغ تھے، ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے، باپ کے ایک ہی لڑکے تھے اس لئے لاڈ و پیار اور شفقت و محبت سے پرورش پائی، آپ نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں اپنے لائق و فائق اساتذہ کرام سے کی، آپ کے اساتذۂ کرام میں مولانا محمد منیر خاں بنارسی (م ۱۹۴۵ء) مولانا محمد بن یوسف سورتی (م ۱۳۶۱ھ) مولانا عبد المجید الحریری (م ۱۹۷۲ء) مولانا عبد المتین بنارسی (م ۱۹۶۴ء) قاری احمد سعید بنارسی (م ۱۹۶۴ء) اور حافظ عبد الکبیر بہاری بنارسی (م ۱۳۳۱ھ) کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

آپ حافظ قرآن تھے، قاری احمد سعید سے آپ نے تجوید کی تکمیل کی تھی، آپ خوش الحان قاری تھے، آپ کے قرآن مجید پڑھنے کا انداز نرالا تھا، تراویح میں جب آپ قرآن مجید پڑھتے تھے تو دور دور سے لوگ آپ کے پیچھے تراویح پڑھنے آتے تھے، آج بھی لوگ موصوف کی خوش الحانی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حافظ عبد اللہ رحیم آبادی نومسلم (م ۱۹۵۴ء) کو آپ کا پڑھنا اتنا پسند تھا کہ ہندوستان میں جہاں بھی ہوتے رمضان سے دو تین روز قبل بنارس پہونچ جاتے، اور حافظ صاحب موصوف کی امامت میں تراویح پڑھتے۔

ایک مرتبہ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڈھی (م ۱۳۶۲ھ) دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے اپنے گھر پرتاپ گڈھ جا رہے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا، ایک روز کے لئے بنارس میں قیام کیا، بہت بوڑھے

ضعیف اور کمزور تھے۔ بیٹھ کر عشاء کی نماز ادا کی، جب تراویح کے لئے صف بندی ہوئی تو پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے، جب حافظ صاحب نے تراویح میں قرآن پڑھنا شروع کیا تو ان کے پڑھنے کا انداز مولانا کو اس قدر پسند آیا کہ صف میں شامل ہو کر نماز تراویح ادا کی، اور تراویح کے اختتام پر حافظ صاحب کو اپنے قریب بلا کر بڑی محبت و شفقت سے کہا کہ " بیٹا کہاں میں بیٹھا اور کہاں یہ تراویح مگر تمہارے قرآن کے پڑھنے کے انداز نے مجھ بوڑھے سے بھی تراویح پڑھوالی، اور موصوف کیلئے ترقی علم کی دعا کی "۔

قاری احمد سعیدؒ کو اپنے تین شاگردوں پر بڑا ناز تھا جن میں سرفہرست آپ ہی تھے۔

آپ کو مسائل کا استحضار حد درجہ تھا، اظہار حق کی خاطر کبھی کسی کی پرواہ نہ کی، خود بھی عامل سنت تھے اور دوسروں کو بھی اسی کا متبع دیکھنا چاہتے تھے، جس مجلس میں ہوتے دینی مسائل پر گفتگو کرتے یا سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے واقعات سناتے۔ بنارس کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ رحمانیہ کے رکن رکین اور اس کے خصوصی سرپرستوں میں سے تھے، آپ کو مرکزی دارالعلوم سے بڑا لگاؤ تھا اس کی نشستوں میں جہاں تک صحت اجازت دیتی شرکت کرتے اور مختلف مسائل میں اپنے بیش قیمت مشوروں سے اراکین کی صحیح رہنمائی فرمایا کرتے تھے، اور مسائل و معاملات میں اپنے مفید مشوروں سے کسی کو کبھی محروم نہیں رکھا، وضع کے بڑے پابند، نہایت خوددار اور غیور تھے۔

آپ نے عرصے تک جامعہ رحمانیہ میں اعزازی طور پر درس و تدریس کا فریضہ بڑی ذمہ داری اور خوبی سے انجام دیا۔ فن رجال پر آپ کی نظر بڑی گہری تھی، چنانچہ مولانا محمد اسید رحمانی حفظہ اللہ جو آپ کے شاگرد ہیں، آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں " حافظ صاحب جس طرح قرآن پاک کے باکمال حافظ تھے، اسماء الرجال کے بھی حافظ تھے، بالخصوص سنن ترمذی پڑھاتے وقت اسماء الرجال کو بکھیر بکھیر کر رکھ دیتے " (نقوش منظرؔ)

آپ نے اپنی زندگی میں تحفۃ الفکر، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، مؤطا امام مالک اور مسلم شریف کا درس دیا، آپ نے تین مرتبہ جامع مسجد اہل حدیث مدن پورہ میں خطبۂ جمعہ بھی دیا ہے، اور بائیس سال تک آپ اسی مسجد میں نماز تراویح میں قرآن مجید بھی سناتے رہے۔

درس و تدریس اور خطابت کے ساتھ ساتھ آپ کو تحریر کا بھی ذوق تھا، چنانچہ آپ نے رمضان کے [illegible] مشتمل ہے۔

رئیس احمد جعفری نے زاد المعاد کا اردو میں ترجمہ کیا جو پاکستان سے شائع ہوا تھا جس میں ترجمہ کی بہت ساری غلطیاں تھیں، نیز علمی خیانت سے بھی کام لیا تھا، آمین بالجہر، رفع یدین اور سورۂ فاتحہ خلف الامام کے ابواب کو کتاب سے حذف بھی کر دیا تھا، مولانا نے ترجمہ کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور ان کی خیانت کا جائزہ لیا، اور اس پر ایک مبسوط، مفید اور جامع مضمون لکھا جو قسط وار "ترجمان" دہلی میں شائع ہوا تھا، اس سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ کتاب کے ترجمہ میں مترجم نے کس قدر غلطیاں کی ہیں اور خیانت سے کام لیا ہے۔

وفات سے تقریباً تیرہ چودہ سال قبل آپ نے تدریس کا سلسلہ چھوڑ دیا تھا، لیکن مطالعہ برابر جاری رہا، آپ ایک عرصہ سے مریض تھے، وقت جوں جوں گذرتا گیا نقاہت و کمزوری بڑھتی گئی مرض شدید سے شدید تر ہوتا گیا، آخر وقت موعود آپہونچا، اور ۲۳ راگست ۱۹۶۵ء روز یکشنبہ بوقت ۱½ شب اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی "انا للہ وانا الیہ راجعون" آپ کی نماز جنازہ آپ کے لڑکے مولانا عبد الوحید رحمانی صاحب شیخ الجامعہ مرکزی دار العلوم نے پڑھائی، اور اپنے آبائی قبرستان سکرا باغ میں مدفون ہوئے۔

مرحوم کے پسماندگان میں مولانا عبد الوحید رحمانی شیخ الجامعہ مرکزی دار العلوم بنارس ان کے جانشین اور علم وفن میں ان کی سچی یادگار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے موصوف کو بھی علم وادب اور حدیث و تفسیر میں ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے، رب کریم ان کو تا دیر زندہ وسلامت رکھ کر ان سے اپنے دین متین کی خدمت لیتا رہے، آمین۔ اور آپ کے دوسرے فرزند شیخ عبید اللہ طیب ہیں جو ذہین وفطین، اچھے مقرر اور باصلاحیت عالم دین ہیں، آپ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں پی، ایچ، ڈی کر رہے ہیں۔

(۱) نقوش منظر ص ۲۶ منظر اکیڈمی سمرا، سمری خان کوٹ سدھارتھ نگر۔ طبع اول ۱۹۹۰ء
(۲) "الهدیٰ" دربھنگہ مجریہ ستمبر ۱۹۶۵ء
(۳) استفادہ از مولانا عبد الوحید رحمانی شیخ الجامعہ السلفیہ

اعلان داخلہ

برائے درجاتِ فضیلت وتخصص

جامعہ سلفیہ نے معروف ومستند مدارس اہل حدیث کے اساتذہ کے متعدد اجتماعات کے بعد تدریسی کورس آٹھ سال کر کے مزید دو سال کا ایک کورس "تخصص" کے نام سے شروع کیا تھا۔

اب تعلیمی سال ۱۴۱۶-۱۴۱۵ھ سے مذکورہ نظام میں قدرے تبدیلی عمل میں آئی ہے، یعنی:

۱۔ عالمیت کے بعد فضیلت کا مرحلہ شروع کیا جارہا ہے جسمیں صحیحین کا درس ہوگا

۲۔ مذکورہ مرحلہ کی تکمیل کے بعد تخصص کا دو سالہ مرحلہ بھی ان شاء اللہ برقرار رہے گا

دونوں مرحلوں میں داخلہ کے لئے درخواستوں کا شعبان کے اختتام تک دفتر جامعہ میں پہونچنا ضروری ہے۔

۳۔ الحمدللہ جامعہ میں مدارس اسلامیہ کے فارغین کے لئے تدریب الدعاة والمعلمین کا ایک سالہ کورس بھی جاری ہے، اس کے لئے بھی درخواست

بھیجنے کا وقت اختتام شعبان ... دفتر جامعہ سلفیہ، بنارس)

ہماری نظر میں

نام کتاب ـــــ اشکہائے نبوی　　　نام مؤلف ـــــ ایمن مدینی شنکر نگری

صفحات ـــــ ایک سو چوبیس　　　سائز ـــــ ۲۰×۳۰/۱۶

ناشر ـ ادارہ تالیف وتبلیغ، شنکر نگر، بلرامپور، گونڈا　　　قیمت ـــــ پچیس روپئے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پیغمبروں کی سیرتیں اگر نہ ہوتیں تو دنیا کی تاریخ حرص وہوس، خود غرضی، جہالت وگمراہی اور جنگ وجدال کی ایک بھیانک داستان بن کر رہ جاتی، اسی وجہ سے ابتدا ہی سے اہل سیر ومصنفین نے انبیاء کرام کی سیرتوں کو محفوظ کیا اور آنے والی نسلوں تک پہونچایا۔

درحقیقت دنیا کو رشد وہدایت کی روشنی دکھلانے کے لئے سب سے بہترین نمونۂ عمل سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ اس میں تمام پیغمبروں کی سیرتوں کا خلاصہ پوشیدہ ہے، اسی حقیقت کی روشنی میں سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف زبانوں اور مختلف زاویوں سے جو کچھ اور جتنا کچھ لکھا گیا اس کا شمار مشکل ہے۔

مولانا ایمن مدینی صاحب کی زیر تبصرہ کتاب بھی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اہم گوشے سے تعلق رکھتی ہے، جس گوشے پر اب تک بہت کم مصنفین سیر نے توجہ دی ہے جیسا کہ مولانا خود لکھتے ہیں:

"یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ اردو کے کسی صحافی وقلم کار کی توجہ اس جانب مبذول نہیں ہوسکی اور اردو کے تمام ذخائر اس سے یکسر خالی ہیں"[1] (کتاب مذکور ص ۲۹)

کائنات میں کوئی ایسا انسان ملنا ممکن نہیں جس کی آنکھیں زندگی میں کبھی نہ کبھی اشکبار نہ ہوئی ہوں، رنج وغم اور کرب واضطراب کی کیفیت وحالت سے ہر انسان دوچار ہوتا ہے، پھر انبیاء علیہم السلام کی بات اور ہوتی ہے، نبی کا دل سراپا رحمت ہوتا ہے، وہ تمام انسانیت کے دکھوں اور آلام کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہتا ہے۔

ع۱ : لیکن راقم کی ادنیٰ معلومات کی بنیاد پر واضح ہو کہ اس کتاب کے شائع ہونے سے بہت پہلے ایک کتاب "رسول اللہ کے آنسو" نام سے منظر عام پر آچکی ہے، مجھے اس کتاب کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ زیر تبصرہ کتاب بڑی حد تک اسی سے مستفاد ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات کس حد تک درست ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں خندہ ہی کے مقابلہ میں آنکھوں میں نمی کے واقعات زیادہ نظر آتے ہیں، رحمۃ للعالمین نے کبھی امت کے غم میں آنسو بہائے اور کبھی عزیزوں اور ساتھیوں کے مصائب پر اشک بار ہوئے زیر تعارف کتاب بنام "اشکہائے نبوی" انہیں اشکوں کے واقعات کا مجموعہ ہے، یہ تمام واقعات سیرت کی کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے، مؤلف کتاب نے بڑے دلنشین اور صاف ستھرے اسلوب میں ان تمام واقعات کو یکجا کر دیا ہے، جس سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلو بیک نظر سامنے آگیا۔

مذکورہ کتاب ۱۴۴ صفحات اور ۲۶ عنوانات پر مشتمل ہے، کتاب کے شروع میں چند جید علماء کرام کے تبصرے اور تقاریظ پھر مؤلف کتاب نے بذات خود اپنا تعارف رقم فرمایا ہے، کتاب کا مقدمہ ملک کے مشہور و معروف مؤرخ و مصنف حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی حفظہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں جن اہم واقعات کو ذکر کیا گیا ہے، ان میں والدین کی رحلت، یاد خدیجہ، وقت ہجرت، حضرت خبیبؓ و زیدؓ کی شہادت، وقت تدفین زینب و ام کلثوم، نظارۂ مناظر قبر، حضرت مصعب و زید بن حارثہ و سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم کی شہادت، حضرت صدیق اکبر کا زخمی ہونا، دنیائے فانی کا ایک منظر، حضرت سمیہ کی بے بسی، داستان بلال وغیرہ۔ یہ تمام واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ان لمحات سے متعلق ہیں۔ جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے اس کی تیاری میں محنت اور لگن سے کام لیا ہے، مؤلف نے کتاب میں مذکور تمام واقعات کا ماخذ مستند کتب کو بتایا ہے، مجموعی طور پر یہ کتاب ایک عمدہ کاوش ہے جو عام مسلمانوں میں یقیناً مقبول ہوگی۔

چند ملاحظات کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے تاکہ طبع دوم کے موقع پر انہیں پیش نظر رکھا جائے مثلاً یہ بہتر ہوتا کہ وہ کتابیں جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں ان کے حوالہ میں جلد نمبر کی وضاحت کردی جاتی، عموماً کتاب میں حوالہ یوں ہے: طبقات، مسند بزار، صحیحین، اصابہ، بخاری وغیرہ، گرچہ بعض مقامات پر باب کی وضاحت کردی گئی ہے، اسی طرح چند مقامات پر صرف کتاب کے نام پر اکتفا کیا گیا ہے۔ صفحات کی تعیین درج نہیں ہے، کئی مقامات پر کتابت کی غلطیاں بھی ہیں، جن کی طوالت کے خوف سے نشاندہی نہیں کی جارہی ہے۔

اگر اس چھوٹی سی کتاب پر اتنے علماء کرام سے تقاریظ نہ لکھائی جاتیں اور مصنف بذات خود اپنا تعارف نہ لکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا ——— اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لیے نفع بخش اور مؤلف کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

(محفوظ الرحمٰن مشتاق احمد السلفی)

حاجی عبدالوکیل صاحب بھدوہی رکن صوبائی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کو

صدمہ

والدین کی جدائی ومفارقت وفا شعار اور خدمت گذار اولاد کے لئے ایک ایسا عظیم صدمہ ہے جو دل ودماغ پر تاحیات چھایا رہتا ہے، آپ کے والد محترم پہلے ہی اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت فرما گئے تھے جن کا غم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا کہ ۴/اکتوبر ۱۹۹۶ء شب ۱۱ بجے مطابق ۲۸/ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ کو والدہ محترمہ بھی داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کی جدائی آپ کے لاحقین وپس ماندگان کے لئے ان آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ہے جن میں مبتلا کرکے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے صبر واستقامت کا امتحان لیتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید اس پر شاہد ہے: ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ۔

یعنی ہم تم کو کچھ ڈر کچھ بھوک کچھ مال کچھ جانوں کچھ پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے، اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے ان کو جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ کی طرف جانے والے ہیں، انہیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی ہے۔

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ جو لوگ ایسے وقت میں صبر واستقامت سے کام لیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ مرحومہ کے لاحقین وپس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں، انتہائی منکسر المزاج اور مہمان نواز تھیں، علماء وطلباء دینیہ سے بے حد محبت کرتی تھیں، قارئین سے نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے، اور دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی خطاؤں ولغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ بخشے، آمین۔

شریکِ غم: **ادارہ**

باب الفتاویٰ

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہندہ کیساتھ ہوئی، شادی کے بعد زید کا انتقال ہو گیا جب کہ ہندہ حمل سے تھی۔ زید کے انتقال کے تقریباً ایک ماہ بعد ایک بچہ پیدا ہوا، اس وقت بچہ کی عمر تقریباً تین ماہ ہے۔ زید کے گھر والے اور ہندہ دونوں ہی اسے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں ایک پنچایت بھی ہوئی جس میں یہ طے کیا گیا کہ پانچ چھ سال بچہ اپنے ماں کے پاس رہے گا اس کے بعد اسے زید کے گھر والوں کے حوالہ کر دینا ہو گا لیکن ان پانچ سالوں کے دوران اس بچہ کا اخراجات آئیں گے وہ زید کے گھر والے برداشت نہیں کریں گے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

جواب : صورت مذکورہ میں واضح ہو کہ لڑکا اس وقت تک اپنی ماں کے پاس رہے گا جب تک کہ باشعور نہ ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت نے آکر کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان ابنی هذا کان بطنی له وعاء وحجری له حواء وثدی له سقاء وزعم ابوه انه ینزعه منی فقال علیه السلام انت احق به مالم تنکحی" (ابوداؤد ج ۲ ص ۴۳، کتاب الطلاق) یہ میرا بیٹا ہے میرا پیٹ اسکا برتن تھا، میری گود اس کا پنگوڑا (گہوارہ) تھی، میری چھاتیاں اس کی مشک تھیں، اور اب اس کا باپ مجھ سے اس کو چھیننا چاہتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تو نکاح نہ کرے تو اس کی زیادہ حقدار ہے، اور "فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۱۲۱ پر" فتاوی عالمگیری، کے حوالہ سے یہ بات مذکور ہے کہ لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو سات سال تک ہے" الام والجدة احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین"۔ یعنی ماں یا نانی بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے۔ اور اس مدت تک کی خوراک وغیرہ کا خرچ والد یا ان کے سرپرستوں کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف" (سورۃ البقرۃ: ۲۳۳) لہذا اس پنچایت میں جو فیصلہ ہوا ہے وہ بالکل شریعت کے خلاف ہے بلکہ زید کے اولیاء پر یہ ضروری ہے کہ ہندہ جب تک بچے کی پرورش کرے تب تک اس کا خرچہ برداشت کریں۔

سوال : بالغہ ہندہ کی شادی زید سے تین سال قبل ہوئی تھی، ہندہ کا مہر پانچ ہزار ایک روپئے ہے شروع ہی سے ہندہ کو یہ شکایت رہی کہ زید بیوی کے قابل نہیں ہے۔ ہندہ نے اس کا ذکر اپنی ساس سے کیا تو ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کرا دیا اور اس بات کو پردہ میں رکھا۔ اب ہندہ کسی بھی صورت میں زید کے یہاں جانے کے لئے تیار نہیں بلکہ خلع کرنا چاہتی ہے زید خلع پر راضی نہیں، بہت زیادہ کوشش کرنے کے بعد زید خلع کے لئے آٹھ ہزار روپیہ مانگتا ہے جو ہندہ کے والد کی طاقت سے باہر ہے لہذا ایسی صورت میں ہندہ اپنا چھٹکارا کس طرح حاصل کرے جواب جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

جواب : واضح ہو کہ جب ہندہ خلع کرنا چاہتی ہے تو زید کے لئے مناسب ہے کہ خلع پر راضی ہو کر ہندہ کو اپنی زوجیت سے الگ کر دے کیونکہ الگ نہ کرنے کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان ناخوشگوار تعلق برقرار رہنے کا ہمہ وقت خطرہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس رض کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ بولیں : "ما اعتب فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام" میں ثابت رض کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب نہیں پاتی لیکن اسلام میں مجھے کفر (مراد ناقدری وناشکری) ناپسند ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رض سے فرمایا اپنا باغ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ زید آٹھ ہزار مانگتا ہے جو ہندہ کے والد کی طاقت سے باہر ہے تو زید کا یہ رویہ از روئے شرع صحیح نہیں ہے. کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک تو مہر کی مقدار سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں ہے. لیکن جو بعض حضرات مہر کی مقدار سے زیادہ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ جب عورت زیادہ کی طاقت نہ رکھے تو صرف بقدر مہر ہی لینا ہوگا، اسلئے زید کو چاہیئے کہ بقدر مہر لے کر خلع پر راضی ہو جائے تاکہ اللہ کی حد کو قائم رکھ سکیں۔

سوال : نماز میں ہم پیر کو کتنا پھیلائیں ؟ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

جواب : قرآن وحدیث میں پیر کے پھیلانے کے سلسلہ میں کوئی متعین حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ ویسے اعتدال کو اپنانا بہتر اور افضل ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

حررہٗ
عبد السلام ابو ہریرہ السلفی
جامعہ سلفیہ، بنارس

الجواب صحیح
محمد رئیس ندوی
جامعہ سلفیہ، بنارس

اعلان وخوشخبری

ضلع سہارنپور میں چند سال قبل چند مخلص حضرات نے سلفی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا ہے، گذشتہ تین ماہ سے شہر کے وسط میں جمعیت اہل حدیث سہارنپور کے دفتر اور لائبریری کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے۔

لیکن افراد جماعت کو اپنی مسجد نہ ہونے کے سبب جمعہ وجماعت اور نماز تراویح کے سلسلہ میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔

اخوان جماعت نے اس علاقہ میں پہلی اہلحدیث مسجد کی تعمیر اور مکتب کے قیام کے سلسلہ میں ایک قطعہ اراضی کی خرید کا فیصلہ کیا ہے۔ محترم مولانا عبدالوہاب خلجی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے بھی اس زمین کا معائنہ اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے جس پر کم وبیش ڈھائی لاکھ روپئے کا خرچہ ہے۔

سہارنپور میں مسجد اہلحدیث کی زمین کی خریداری کے سلسلہ میں حصول تعاون کے لئے مقامی جمعیت کے فعال وسرگرم رکن اور خازن جناب پرویز احمد گجرات، مہاراشٹر، بمبئی، راجستھان اور بعض جنوبی ریاستوں کا دورہ کر رہے ہیں۔

اس لئے جملہ مسلمانان واخوان جماعت ملت کے بہی خواہ مخیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ اس جگہ کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کے پیش نظر تعاون میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیکر اجر وثواب کے مستحق ہوں۔ نہ صرف خود تعاون کریں بلکہ دیگر احباب واقارب کو بھی ترغیب دلاکر اس جمود زدہ علاقہ میں حریت فکر اور توحید وسنت کی شمع روشن کرنے میں معاون بنیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے۔ آمین۔

حسب ذیل پتہ پر بذریعہ منی آرڈر چیک وڈرافٹ سے تعاون کی رقم بھیجی جاسکتی ہے۔ چیک یا ڈرافٹ پر "جمعیت اہل حدیث سہارنپور" لکھیں۔

اپیل کنندگان:

عبدالرحمٰن (صدر)   ڈاکٹر محمد عتیق (ناظم)

وعہدیداران واراکین جمعیت اہل حدیث سہارنپور

۱۳/۱۷۱۸ قاضی اسٹریٹ سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ یوپی

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۱۲	دسمبر ۱۹۹۴ء	رجب المرجب ۱۴۱۵ھ	جلد ۱۲

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی۔ ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
سالانہ ۴۵ روپیے ۰ فی پرچہ ۴ روپیے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

درسِ قرآن　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　مولانا اصغر علی السلفی

کھانے کے آداب

قال تعالیٰ: "کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لایحب المسرفین" لوگو کھاؤ پیو اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں فرماتا۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اور اپنی جامعیت و کمال میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس نے انسان کی رہنمائی کے لئے جامع اصول و قوانین اور آداب و تعالیم اور ضابطے مقرر کئے ہیں جس سے انسان کارگہ حیات مستعار کے تمام منازل میں روشنی و رہنمائی حاصل کرنے کا مکلف و محتاج ہے۔ کیونکہ اس کو بروئے کار لائے بغیر کامیابی و کامرانی کا حصول ناممکن ہے۔ اس لئے زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تعلیمات کو حرز جان بنا کر اس کی پیروی کرنا ہر انسان کا فرض بنتا ہے۔ انسانی زندگی کی بقاء کے لئے کھانا اور پانی اور خورد و نوش ایسے لوازمات ہیں جن سے کوئی فرد بشر مستثنیٰ نہیں ہے۔ اتنی اہم چیز کے سلسلہ میں ناممکن ہے کہ اسلام نے واضح ہدایات و تعلیمات و فرامین صادر نہ فرمائے ہوں۔ چنانچہ حدیث شریف میں اور کلام پاک میں اس کے آداب و تعلیمات بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور اس کے اندر افراط و اسراف اور تفریط سے منع فرمایا گیا ہے۔

ہاتھ دھونا کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھونا چاہیئے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: کھانے کی برکت اس سے پہلے اور بعد میں وضو کرنا ہے (ابوداؤد) وضو کی فضیلت و برکت احادیث میں تفصیل سے آئی ہیں جس میں ہاتھ دھلنا رکن عظیم ہے۔ ہاتھ ہی انسانی بدن کا ایسا عضو ہے جس کو مختلف چیزوں کے چھونے اور پکڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس سے ہاتھ کا ملوث ہونا ناگزیر ہے۔ میل کچیل مختلف موذی و منافی صحت جراثیم کی آماجگاہ ہے کھانے سے پہلے ہاتھ دھل لینے سے ان جراثیم سے بچا جا سکتا ہے اور صفائی ستھرائی اسلام کی اہم تعلیم اور نصف ایمان ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھلنا بھی صفائی ستھرائی کی علامت ہے اور بہت سی نقصان دہ چیزوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

بسم اللہ کہنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرے، بسم اللہ بھول جانے پر "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھے (ابوداؤد)

بسم اللہ کے بغیر کوئی کام بھی تمام نہیں ہوتا اس کی بے برکتی دامنگیر رہتی ہے۔

عیب جوئی کا مسئلہ

اسلام میں کسی بھی شخص یا چیز کی عیب جوئی غیر مستحسن فعل ہے اور معیوب امر ہے کھانا جو میسر اور موجود ہو اس کے اندر عیب نکالنا منع ہے۔ کیونکہ مومن کو جو رزق عطا کی گئی ہے وہ حلال و پاک اشیاء پر مشتمل ہے اس کے اندر کسی طرح کی عیب گیری درحقیقت ان اشیاء طاہرہ اور حلال پر حرف گیری کے ساتھ اسلام پر بھی نکتہ چینی و عیب جوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی طرح کے کھانے کے اندر عیب نہیں نکالا۔ اس کی اشتہا و خواہش ہوئی تو کھالیا ورنہ بلا عیب لگائے ہاتھ اٹھالیا۔ (بخاری)

دائیں ہاتھ اور سامنے سے کھانا چاہیئے

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کم سنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگرانی تھا اور کھانے کے وقت پورے برتن میں ہاتھ پھیرا کرتا تھا۔ آپ نے مجھے تنبیہ کی کہ بچے بسم اللہ پڑھو، داہنے ہاتھ سے اور سامنے سے کھاؤ۔ (مسلم) لہذا انسان کو چاہیئے کہ وہ کھانا اپنے ہاتھ سے کھائے اور کھانا ایک ہی قسم کا ہے اور ایک برتن میں ہے تو دوسروں کے سامنے والا کھانا نہ کھائے کہ اس میں ڈھیر سارے محذور ہیں۔

لیٹ کر کھانا صحت کیلئے مضر اور تکبر کی نشانی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لیٹ کر کھانا نہیں کھاتا ہوں۔ (البخاری)

کھانا کھاتے وقت کلام کرنا: عام طور پر مشہور ہے کہ کھانے کے وقت کلام کرنا مکروہ ہے: کثرت کلام جو بے جا ہو یوں بھی ناپسندیدہ امر ہے۔ مگر کھانے کے وقت بات کرنا مکروہ یا ناجائز ہرگز نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے وقت اپنے گھر والوں سے سالن طلب کیا۔ اندر سے جواب آیا کہ سرکہ کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ آپ کھاتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے کہ سرکہ کیا ہی بہتر سالن ہے، سرکہ کیا ہی بہتر سالن ہے (مسلم) اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کے ساتھ کھانے کے وقت مختلف مناسبات سے بات چیت کرنا ثابت ہے۔ اس لئے یہ بھی پتہ چلا کہ کھانے کی تعریف کرنی چاہیئے اس سے شکریہ اور کھانا بنانے اور پیش کرنے والوں کی دلجوئی اور تعریف و توصیف بھی ہو جاتی ہے۔

درس حدیث

مولانا اصغر علی السلفی

پینے کے آداب

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہترین کام پسند ہے اور وہ ہر چیز میں اچھائی و بہتری ومیانہ روی کو پسند فرماتا ہے، کھانے پینے میں بھی وہ اعتدال و بہتری کو پسند فرماتا ہے اور اس کے اندر کسی بھی طرح کی بے ضابطگی کو ناپسند کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات و آداب صحت و تندرستی کا ضامن ہیں وہیں اعلیٰ اخلاق اور حسن تصرف کا آئینہ دار بھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے تین سانس میں پینے اور پینے کے بعد حمد کرنے کی تعلیم دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیو، دو اور تین سانس میں پانی پیو، اور بسم اللہ کر کے پیو، اور پی کر فارغ ہو تو الحمد للہ کہو (ترمذی) پیاس کے وقت آدمی سانس لے لے کر پیتا ہے تو سیرابی و آسودگی بھی بہتر طور پر ہوتی ہے۔ اور طبی نقطۂ نظر سے بھی مفید ہے کہ غٹ غٹ پینے سے پینے والے کے دل پر ضرب پڑتی ہے اور ربسا اوقات شدت تشنگی میں انسان کی یکبارگی اور جلد بازی اس کو مرض میں مبتلا کرنے کے علاوہ اس کی جان کو جوکھم میں ڈال دیتی ہے، اور انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

برتن و پائپ میں منھ لگا کر پینا منع ہے] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزہ اور گھڑے وٹنکی میں منھ لگا کر پینے سے روکا ہے (متفق علیہ) اولاً یہ غیر مہذب فعل ہے ثانیاً اس میں کل پانی کے تلویث کا خوف بھی رہتا ہے جو معاشرتی ذوق کے منافی ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ پائپ کے اندر یا مشکیزہ کے اندر ایسی چیز پڑ گئی ہو جو صحت کے لئے نقصان دہ ہو۔

برتن میں سانس لینے کی ممانعت] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے اور اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی) اس حدیث کی افادیت ہر اس شخص پر عیاں ہے جو سانس کے اندر جراثیم سے واقف ہے نیز یہ کہ یہ عمل اجتماعی زندگی اور اس کے آداب کے بھی منافی ہے

بیٹھ کر کھانا پینا چاہیئے] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے

منع فرمایا ۔ ابوہریرہؓ کے شاگرد قتادہ کہتے ہیں کہ ہم طلبہ نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کھڑے ہوکر کھانا کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اور برا ہے مسلم شریف ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ کھڑے ہوکر ہرگز نہ پیو، اگر بھول کر پی لو تو قئی کر دو! بایں ہمہ اسلام چونکہ رحمت کا دین ہے اس لئے بحالت مجبوری وضروری کھڑے ہوکر پینے کی اجازت دیتا ہے ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا بھی ہے ۔

سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا حرام ہے] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص سونے اور چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کو غٹ غٹ بھرتا ہے (رواہ الشیخان)

سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع کرنے کی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ یہ متکبرین کا شیوہ ہے اور بظاہر کبر وغرور میں سے ہے ۔ اور اسراف وتبذیر کا لازمی حصہ ہے ۔ اور فقیروں وغریبوں کے جذبات کو مجروح کرنا نیز ان کے فقر وافلاس کے زخم پر نمک پاشی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کو یوں بھی اسراف وتبذیر پسند نہیں ۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین ۔ (الاعراف) اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو ! کہ فضول خرچ اللہ تعالیٰ کو نہیں بھاتے ۔

بھر پیٹ کھانے پینے سے ممانعت] اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان نے پیٹ سے بڑھ کر برا برتن نہیں بھرا انسان کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھنے کے لئے چند لقمے کھائے ۔ اور اس سے زیادہ بھرنا چاہتا ہے تو ایک تہائی کھانے کے لئے خاص کردے ۔ ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی خالی رکھے سانس اور ہوا کے لئے ۔ کم کھانا انسانی صحت کی ضمانت ہے اور پیٹ کو بھر لینا مضر صحت ہے ۔ حاذق اطباء کا کہنا ہے کہ اشتہا اور خوب خواہش اور بھوک لگنے پر ہی کھانا چاہیے اور بھوک اور اشتہا باقی ہو کہ کھانے سے ہاتھ دھولینا چاہیئے ۔ انسان جتنا زیادہ کھاتا ہے اس کو اسی مقدار بھوک وپیاس بھی لگتی ہے ، لہذا یہ حکمت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ آدمی کم کھائے اور پیٹ کا بقیہ حصہ سانس اور پانی کے لئے رکھ چھوڑے ۔ اور داہنے ہاتھ کو کھانے کی طرح پینے میں بھی استعمال کرے ۔ کچھ لوگ دونوں ہاتھوں کو شامل رکھنا فرض وسنت بتاتے ہیں ان کا یہ کہنا صحیح نہیں یہ ان کی بھول اور سہو ہے ۔

افتتاحیہ

یورپ و افریقہ میں محدودیت و وسعت کی نئی لہریں

تحریر : ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری
ریکٹر جامعہ سلفیہ، بنارس

مختلف ممالک میں وقتاً فوقتاً جو واقعات پیش آتے ہیں ان میں سب کے لئے عبرت ونصیحت ہوتی ہے، لیکن سیاسی مبصرین ان سے مزید ایسے اشارے اور پیشین گوئیاں اخذ کرتے ہیں جن پر دوسرے لوگوں کی نظر نہیں جاتی۔ براعظم افریقہ میں اس وقت کچھ اسی طرح کے واقعات پیش آرہے ہیں جن سے مبصرین مستقبل کے بارے میں سنسنی خیز پیش گوئی کر رہے ہیں۔ افریقہ کا جنوبی حصہ تین سال بعد آزاد ہوا ہے، اور وہاں کے باشندوں کو موقع ملا ہے کہ وہ اپنے ملک پر اپنا قانون نافذ کریں، یہ سیاسی استقرار اور ترقی وخوشحالی کی جانب ایک قدم ہے۔ اسی طرح اس براعظم کے شمالی حصہ میں الجزائر کے حالات سے بھی اہم سیاسی وتہذیبی تبدیلی کا اشارہ ملتا ہے، تھوڑے دنوں پہلے یہ ملک اقتدار کے لئے رسہ کشی اور دہشت گردی وبے اطمینانی کا شکار تھا، لیکن اب یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ الجزائر کے حکام اور سالویشن فرنٹ کے ذمہ داروں کے مابین مذاکرات کے کئی دور پورے ہوچکے ہیں اور اس بات کی قوی امید ہے کہ دونوں فریق صلح کرلیں، اور باہمی تعاون سے اس طرح حکومت چلائیں کہ ملک ترقی کرے اور عوام امن وسلامتی کی نعمت سے بہرہ ور ہوں۔ اسی لئے مبصرین کا خیال ہے کہ دونوں ملکوں میں رونما ہونے والے واقعات اصل میں اس براعظم میں حقیقی ترقی کے آغا

کی غمازی کرتے ہیں، دوسری طرف یورپ پر نظر ڈالی جائے تو وہاں وسعت و شمولیت کی جگہ محدودیت و علاقائیت کے آثار نظر آتے ہیں، خصوصاً سوویت یونین میں کمیونزم کے زوال کے بعد مختلف علاقے خودمختاری کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں، اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے بین الاقوامی توازن کے لئے کوشاں ہیں۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ روانڈا میں انسانی جان و مال کا جو نقصان اور سیاسی بحران نظر آرہا ہے، اسی طرح جنوبی سوڈان میں اور بعض دوسرے افریقی ملکوں میں جو صورت حال ہے اس کے پیش نظر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ افریقی براعظم کسی عظیم تہذیبی ترقی کے لئے آگے بڑھ رہا ہے ؟

اس کا جواب مذکورہ مبصرین یہ دیتے ہیں کہ افریقہ میں اقتدار کے لئے رسہ کشی، علیحدگی پسندی اور تقسیم کا جو عمل اس وقت جاری ہے وہ اصل میں سامراجی طاقتوں کے باقی ماندہ اثرات ہیں جو زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہیں گے۔ روانڈا میں چونکہ سامراجی طاقتوں کے مفادات محدود تر ہوگئے تھے اس لئے انہوں نے سیاسی عدم استقرار کے باوجود وہاں سے رخت سفر باندھنے کا فیصلہ کرلیا لیکن جنوبی سوڈان کی صورت حال اس سے مختلف ہے، سامراجی مفادات کا تقاضہ یہ ہے کہ وہاں یہ طاقتیں اپنی سرگرمیاں مزید جاری رکھیں، اور حکومت پر اسلام پسند عناصر کے غلبہ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کا مقابلہ کریں۔

روانڈا کے المیہ سے قطع نظر جنوبی افریقہ میں جو تبدیلی رونما ہوئی ہے اس کی تاریخی اہمیت صرف یہ نہیں ہے کہ وہاں اب اکثریت کی حکومت ہے، اور نسلی امتیاز پر قائم حکومت ختم ہوگئی ہے، بلکہ یہ تبدیلی اس بات کی غماز ہے کہ نسلی امتیاز پر قائم تین سو سالہ حکومت کے خاتمہ کے بعد سفید فام اقلیت کا دبدبہ ختم ہوچکا ہے، اور افریقی عوام کی قوت ارادی کو غلبہ حاصل ہوا ہے۔ جنوبی افریقہ کے انتخابی عمل میں بعض مسلم پارٹیوں کی شرکت سے اس تہذیبی کردار کے سیاسی و ثقافتی امکانات واضح ہوگئے ہیں جو نو آزاد ملک ادا کر رہا ہے، اس ملک میں افرادی طاقت، قدرتی وسائل اور سیاسی شعور کی ایسی بنیادیں موجود ہیں جن سے پورا براعظم مستفید ہوسکتا ہے،

اس ملک کے ذریعہ جنگ آزادی کا جو حوصلہ افزا نتیجہ سامنے آیا ہے اس سے دوسرے افریقی ملکوں کو یقینا روشنی ملے گی۔

الجزائر میں متحارب گروہوں کے مابین صلح کے امکان اور اس کے نتیجہ میں سیاسی استقرار کے وجود کی جو بات ہم نے عرض کی ہے اس کی تصدیق فرانسیسی حکومت کے ایک ترجمان کے اس بیان سے ہوتی ہے جس میں اس نے وضاحت کی ہے کہ فرانسیسی صدر کی توجہ الجزائر کے مسئلہ پر بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح فرانس کے بعض حلقوں کی طرف سے اس بات کی شدید مخالفت دیکھنے میں آرہی ہے کہ الجزائر میں کسی ایسی حکومت کا قیام عمل میں آئے جس میں اسلام پسند طبقہ کو نمائندگی حاصل ہو، چنانچہ فرانس کے ایک مشہور اہل قلم " برنارڈھنری لیوی " نے ۱۵ رمئی ۹۴ء کے ٹیلی ویژن پروگرام میں وہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ اور نشر واشاعت سے متعلق لوگوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان دوملین الجزائری پناہ گزینوں کے استقبال کے لئے فرانسیسی رائے عامہ کو ہموار کریں جو الجزائر کی بنیاد پرست حکومت کے خوف سے بھاگ کر فرانس میں آنے والے ہیں۔

الجزائر میں اسلام پسندوں کے ساتھ یورپی ممالک کے مذکورہ رویہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل یورپ کے ذہن میں ابھی یہ تصور قائم ہے کہ ایشیا وافریقہ کے جن ملکوں کو پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک کا نام دیا گیا ہے ان پر سفید فام اقوام کو اقتدار وتسلط کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح ان کو یہ اندیشہ بھی ہے کہ جس طرح جنوبی افریقہ نے آزادی حاصل کر لی اسی طرح الجزائر بھی بیرونی دباؤ سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ یورپ میں مختلف نوعیت کی اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی الجھنیں بھی موجود ہیں جن کو حل کرنے میں ناکامی کے باعث یہ احساس رونما ہو رہا ہے کہ یورپ کو بیرونی مسائل کے بجائے اپنے داخلی معاملات پر توجہ دینا چاہئے، اور کسی ایسے تہذیبی وجود کو یورپ پر اثر اندازی کا موقع نہ دینا چاہئے جو یورپ کے وجود کے لئے خطرہ ثابت ہو سکے۔ جرمنی میں نازی اور اٹلی میں فاشسٹ رجحانات ابھر کر سامنے آچکے ہیں، بہت سے غیر یورپین افراد کو نسلی امتیاز کی بنیاد پر قتل بھی کیا جاچکا ہے، بعض ایسی سیاسی تنظیمیں بھی وجود میں آچکی ہیں جو نسل ونسب کی بنیاد پر اپنی مہم

چلا رہی ہیں، بوسنیا میں صربوں کی جانبدارحمایت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں بلقان کے علاقہ میں برسراقتدار رکھنے کا یورپین منصوبہ سنجیدگی پرمبنی ہے ۔

یورپ کے متعدد مفکرین کو اس بات پر تشویش ہے کہ بوسنیا کی جنگ میں یورپ نے کوئی مؤثر مصالحتی کردار ادا نہیں کیا، سابق الذکر مفکر برنارڈ ھنری لیوی نے بوسنیا کے عنوان سے جو فلم بنائی ہے اس میں یورپ کے مذکورہ رویہ پر کڑی تنقید کی گئی ہے اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مغرب اور بالخصوص فرانس کی وجہ سے بوسنیائی (مسلم) عوام کو اپنے دفاع کا موقع نہیں دیا گیا، صربوں کے وحشیانہ مظالم پر جو خاموشی اختیار کی گئی ہے اس کی قیمت یورپ کی آئندہ نسلوں کو ادا کرنا پڑے گی ۔

ان واقعات کے پیش نظر مبصرین کا خیال ہے کہ یورپ میں بے روزگاری، نسلی امتیاز اور اخلاقی ومعاشرتی زوال کے باعث اس کی طاقت واقتدار کو دھچکا لگا ہے، اور ایسے آثار موجود ہیں کہ یورپ اب اپنی سیاسی واقتصادی اصلاح میں مصروفیت کے باعث بیرونی دنیا کے مسائل سے کنارہ کشی اختیار کرلے گا، اور اس کی جگہ افریقہ وایشیا کے دوسرے ممالک اپنی آزادی وخودمختاری کو برقرار رکھتے ہوئے اور پرامن بقائے باہم کے اصول پر عمل کرتے ہوئے بین الاقوامی تعلقات میں منصفانہ توازن کی سبیل پیدا کریں گے ۔

(المجتمع ، کویت ، ۲۴ رمئی ۱۹۹۴ء)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکومت واقتدار کے لئے جو معیار بیان فرمایا ہے ، اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں جو واقعات مذکور ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حکومتوں کی طرح کسی تہذیب وتمدن کو بھی ہمیشہ غلبہ حاصل نہیں رہ سکتا ، بلکہ اس کے زوال کے بعد کسی دوسری تہذیب کو اس کے مقام پر رکھا جائیگا، طویل عرصہ تک یورپ علم وتہذیب سے ناآشنا تھا ، پھر سنت الٰہی کے مطابق وہاں تبدیلی آئی، اور اسے تہذیب وثقافت میں برتری حاصل ہوگئی، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا، اور افریقہ وایشیا کی قومیں اپنی صلاحیتوں سے کام لیں گی تو عین ممکن ہے کہ ان کو تہذیب وثقافت کی برتری حاصل ہوجائے ۔

•••

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سانحہ

مورخہ ۲۱، ۲۲ر نومبر ۱۹۹۴ء کی درمیانی شب میں بوقت دو بجے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اطہر ہوسٹل میں چھاپہ ماری، گرفتاری اور تصادم کا جو حادثہ پیش آیا اس سے ملت اسلامیہ ھند کو سخت تشویش لاحق ہے، اور یہ تشویش بڑی حد تک برمحل ہے۔ آزادی کے بعد ہی سے ملک کی فضا ایسی بنی ہوئی ہے کہ مسلم اقلیت مختلف نوعیت کے اندیشوں کا شکار رہے۔ سرکاری ملازمتوں کے حصول میں مسلمانوں کو دشواری ہے، فرقہ وارانہ فسادات سے وہ ہمیشہ سہمے سہمے رہتے ہیں، اردو زبان کے مسئلہ میں بھی کچھ اس طرح کے موڑ آتے رہے ہیں کہ اس اقلیت کو اس سے صدمہ پہنچا ہے، جب کہ اردو زبان کا مسئلہ تنہا مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس زبان کے بولنے اور لکھنے والے بہت سے دوسرے لوگ بھی ہیں، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا مسئلہ بھی ایک عرصہ تک مسلمانوں کے لئے تشویش کا سبب رہ چکا ہے۔ اس کے علاوہ قومی پریس میں ایک مخصوص فرقہ کی طرف سے اس اقلیت کی دل آزاری حق تلفی اور دل شکنی کا جو سلسلہ جاری ہے اس کی مثال کہیں اور ملنا مشکل ہے، پھر ان تمام مشکلات کے بعد ان کے سامنے بابری مسجد کے انہدام کا مسئلہ آیا جس نے ان کے دلوں سے پرسکون وخوشحال زندگی اور تعمیر و ترقی کی تمام امیدوں کو یکسر ختم کر دیا۔ ملک سے بیوفائی اور عدم اخلاص کے طعنے مسلمان برابر سنتے آئے تھے، لیکن دسمبر ۹۲ء کے بعد ان کے خلاف یہ بات ایک مسلمہ کی حیثیت سے گشت کرنے لگی۔

ابھی یہ زخم مندمل بھی نہ ہو سکا تھا کہ قومی سلامتی کے نام پر مسلم جمعیات و مدارس کو نشانہ بنایا گیا، اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ مسلم اقلیت ملکی سلامتی کے قانون کے تئیں وفادار نہیں ہے! دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک ہوسٹل پر چھاپہ کا جو سانحہ پیش آیا ہے وہ مذکورہ سلسلہ ہی کی ایک کڑی ہے۔ قومی سلامتی کے ذمہ داران کو اپنی معلومات وصوابدید کی کارروائی کا حق ہے، لیکن ملک میں سو سال سے زائد عرصہ سے عربی و اسلامی علوم نیز ملی و ملکی تہذیب وثقافت کی خدمت

کرنے والے باوقار و معتبر ادارہ کی تاریخ بھی ایک وزن رکھتی ہے جسے آسانی کے ساتھ مجروح کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مشکوک و بے بنیاد الزامات کو اگر اتنی اہمیت دی جائے کہ ایک صدی پرانی تاریخ اس کے سامنے بے وزن ٹھہرے تو یہ بیحد افسوسناک رویہ ہوگا۔

مسلمان اس ملک میں ایک ہزار سال کا عرصہ گذار چکے ہیں، اس ملک کے لئے ان کی خدمات و کردار پر کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، اب اس مرحلہ میں کسی خاص مقصد کو سامنے رکھ کر ان کی وفاداری کو مشکوک قرار دینا بالکل بے بنیاد و غیر منطقی ہے۔ قومی سلامتی کا مسئلہ بلاشبہ ایک نازک مسئلہ ہے، اسے نہ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے نہ اس کی باریکیوں کا احاطہ کرسکتا ہے لیکن اس کی نزاکت ہی کا یہ تقاضہ ہے کہ اس سلسلہ میں حکومت اور اس کے ذمہ داران اپنے عوام کے مختلف طبقات کے رجحانات وافکار کو سابقہ و موجودہ واقعات کی روشنی میں سمجھیں، اور اپنے کسی اقدام سے ان کے اعتماد کو مجروح نہ کریں کیونکہ یہ اعتماد اگر کسی وجہ سے مجروح ہوا تو ملک کی تعمیر و ترقی کی تمام کوششیں بے سود ہوجائیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ندوۃ العلماء یا ملک کا کوئی دوسرا مسلم تعلیمی ادارہ دہشت گردی کا اڈہ یا دہشت گردوں کی پناہ نہیں ہے، نہ اس نوعیت کے اداروں کے ذمہ دار ملک کی سالمیت کے خلاف کوئی اقدام برداشت کرسکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہاں وہاں چھاپے مار کر ان اداروں اور ان سے متعلق افراد کی حیثیت کو مجروح کیا جارہا ہے، جب کہ ان بہت سے واقعات سے چشم پوشی کی جاتی ہے جو کھلے طور پر ملک کے دستور کے خلاف اور اس کے امن وامان کے لئے خطرہ ہیں، گویا وفاداری کو ناپنے کے لئے ہمارے پاس دو قسم کا پیمانہ ہے، ایک سے مسلمانوں کی وفاداری ناپی جاتی ہے، اور دوسرے سے غیر مسلموں کی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی فرد یا ادارہ کے بارے میں کسی طرح کا کوئی شبہ پیدا ہوجائے تو اس کو اس طرح دور کرنے کی کوشش کی جائے کہ اس کی توہین نہ ہو؟ ہم نہیں سمجھتے کہ مسلم تعلیمی ادارہ کا کوئی ذمہ دار بھی ایسا ہوگا کہ اگر حکومت کے افسران اس کے سامنے ملکی سلامتی کے نام پر کوئی مسئلہ رکھیں تو وہ اپنے تعاون سے انکار کردے، لیکن یہ منطق بالائے فہم ہے کہ کسی تعلیمی ادارہ کے ذمہ داران کی اطلاع کے بغیر کسی مطلوبہ فرد کی تلاش میں ادارہ کے کسی ہوسٹل پر چھاپہ مارا جائے، اور وہ بھی اس

طرح کہ ریاستی حکومت و مقامی ذمہ داران بھی معاملہ سے لاعلمی کا اظہار کریں ۔ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ ندوۃ العلماء کی ایک تاریخ ہے ، اور اس کے بڑے ذمہ دار جناب مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب ملک و بیرون ملک میں مشہور ہیں ، خود ہماری موجودہ حکومت مختلف مسائل میں ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتی رہتی ہے ، کیا یہ مناسب نہ تھا کہ چھاپہ جیسے بڑے اقدام سے قبل یا عین چھاپہ کے وقت ان کو معاملہ کی نوعیت سے آگاہ کیا جاتا ؟ گویا حکومت کی نظر میں ہر شخص ملک کا دشمن اور ملکی معاملات میں بددیانت ہے ! دینی تعلیمی ادارہ کے ایک یا چند معصوم و نہتے طلبہ سے ملکی سلامتی کو اس طرح کا خطرہ لاحق تھا کہ رات کے دو بجے خفیہ کارروائی کی ضرورت پیش آئی ، جب کہ دیکھا جاتا ہے کہ مبینہ طور پر سنگین جرائم میں ملوث افراد کھلے طور پر چلتے پھرتے ہیں اور افسران اس کا کوئی نوٹس نہیں لیتے ، قومی پریس میں اس طرح کی خبریں آئے دن شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ آزادی کے بعد ہمارے ملک کی تاریخ کا یہ پہلو اس قدر افسوسناک ہے کہ اس پر جس قدر کہا اور لکھا جائے کم ہے ۔ ان سطور کے اختتام پر ہم اپنی اس توقع کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ ملک میں مسلمانوں کے ساتھ حکومت کا رویہ مبنی برانصاف ہوگا ، اور مزید کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جس سے مسلمانوں کی بے چینی میں اضافہ ہو ، اور ان کے بچے کھچے اعتماد کا بھی خاتمہ ہو جائے ۔

موجودہ مسلمانوں کی مشکلات اور ان کا حل

تحریر: مولانا محمد الاعظمی ۔ سابق شیخ الجامعہ، جامعہ عالیہ عربیہ مئو

مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کی علماء اہلحدیث کانفرنس میں پڑھے گئے ایک مقالہ کا خلاصہ

برصغیر کی تقسیم اور اس کے مضمرات نیز مرتب ہونے والے اثرات کے تعلق سے نقطہائے نظر مختلف ہیں، ایک نقطۂ نظر ذیل میں درج ہے، اس موضوع پر اہلِ قلم کو اظہار خیال کی دعوت ہے۔

ادارہ

اس موضوع کی مناسبت سے ہم اس مقالہ میں صرف متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات اور ان کے حل پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ہمیں پہلے مشکلات کے پس منظر میں جھانکنا ہوگا اور اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ متحدہ ہند کے طویل دور حکومت میں بھی مسلمانوں کا تشخص اور ان کی دینی حمیت قسم قسم کی مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار رہی، اور عام مسلمان "الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق ثابت ہوئے، پھر جب مسلم حکومت پر ادبار آیا اور انگریزوں کا تسلط ہوا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان "اِنّ الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ" (بادشاہوں کا شیوہ ہے کہ جب کسی ملک پر قبضہ کرتے ہیں تو اس کو تہس نہس کر ڈالتے ہیں اور اس کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے

ہیں) کی حقانیت پر عینی مشاہدے کی مہر ثبت کر دی گئی ہے۔ تاج و تخت تو گیا ہی، عزیز وطن بھی سفید فاموں کے خونیں پنجوں میں جکڑ گیا، یہاں تک کہ مسلمانوں کا وجود و بقا بھی سخت دشوار ہو گیا، دوسری قوموں کی طرح عام مسلمانوں نے بھی "الناس علی دین ملوکھم" کی پرانی روش اختیار کرنے میں عافیت سمجھی، لیکن موحدین کا طبقہ جس کے افراد ملک کے اطراف و جوانب میں منتشر تھے منظم ہو کر جہاد حریت کے لئے کمربستہ ہوا اور ایسے نازک وقت میں انگریزوں کی آقائیت کو چیلنج کیا جب تمام اہل وطن بالخصوص مسلمانوں کے اکثریتی فرقے ان کے ظلم و جبر کی تاب نہ لاکر توریہ و تقیہ کی بزدلانہ و منافقانہ روش اختیار کر کے اپنی جان بخشی کرا رہے تھے، دوسری طرف سفید بھیڑیوں کی خوشنودی اور موحدین کی نسبت اپنے گروہی جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے ان کو وہابی باغی کے لقب سے بدنام کر کے ان کو دار و رسن کے حوالہ کئے جانے کا ٹھیکہ لئے ہوئے تھے، ان چالبازیوں اور وحشیانہ کھیلوں کے باوجود مجاہدین صرف اپنے پائے استقامت سے سامراجیوں کی آقائیت کو یہ کہہ کر ٹھوکر مار رہے تھے کہ ؏

منزلگہِ مردان موحد سر دار ست

اس بدنام تنظیم کی مجاہدانہ سرگرمیوں نے اہل ہند کو باعزت حیات و ممات اور حصول حق کے لئے جاں فروشی کا سبق سکھایا اور استقلال وطن کی عزت و حرمت پر اپنی عزت و وقار کو قربان کر کے اہل وطن کے مردہ جسم میں جہاد آزادی کی برقی رو دوڑائی، اس کے نتیجہ میں انگریزی آمریت کے آہنی قلعہ میں زلزلہ آگیا اور دار و رسن کی اذیت رسانی کے بجائے "پھوٹ ڈالو حکومت کرو" کی پالیسی وضع کی گئی جو اتنی کارآمد اور موثر ثابت ہوئی کہ تقریباً مزید ایک صدی تک دور غلامی دراز ہو گیا اور صبح آزادی نمودار ہونے تک پھوٹ ڈالو کی پالیسی نے متحدہ ہند کے جغرافیہ کو بھی دو لخت کر دیا۔

مذکورہ بالا حقائق کے تناظر میں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے مصائب و مسائل میں بڑا مسئلہ ملی و مسلکی، نسلی، علاقائی اور بالخصوص جغرافیائی پھوٹ کی تباہ کاری ہے جس کے ذمہ دار خود مسلمان ہیں، انہوں نے پاکستان کے نام پر برصغیر کی وحدت کو دو لخت کرنے میں انگریز قوم کی پھوٹ ڈالو پالیسی کا خیر مقدم کیا اور انگریز بھی پھوٹ ڈالو کا سہرا ان کے سر ڈال کر سرخرو واپس گئے ہمارے برادران وطن نے بھی سکون کا سانس لیا، بالخصوص آنجہانی جواہر لال نہرو نے بنگالیوں کی علیحدگی

پر اپنی خوشی کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ ایک بڑے دردسر سے نجات مل گئی، حالانکہ ہمارے آباؤ اجداد نے اپنے وطن کی وحدت وسالمیت کے لئے اپنے خون کا نذرانہ دے کر دیوار وحدت کی ایک ایک اینٹ کی حفاظت کی تھی یہاں تک کہ ہمارے وطن کے غاصب انگریز نے بھی ملکی وحدت کو امانت کی طرح محفوظ وبرقرار رکھنے میں کسی غفلت کو روا نہیں جانا۔

ظاہر ہے کہ جب کسی چیز کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے تو ہر ٹکڑا ٹکڑے در ٹکڑے کئے جانے کی بین دلیل بنے گا، جیسا کہ بنگلہ دیش کی علیحدگی اور اس نوعیت کے دوسرے رجحانات و واقعات سے ثابت ہوا، ان دہشت ناک مصائب کے ساتھ سرحدی تنازعوں، حفاظتی انتظامات اور دفاعی اخراجات نے برصغیر کے منقسم ملکوں اور متنازع ریاستوں کی خوشحالی اور ترقی کی نعمت سے محروم کر رکھا ہے، بلکہ لوگوں کو امن وآشتی کے ساتھ جینے مرنے کا حق بھی سلب کر لیا ہے۔ پاکستانی قیادت کے ساتھ حصول آزادی کے وقت میں ہندوستانی اکابر قائدین کو بھی تقسیم وطن میں حصہ داری سے بری قرار دینا مشکل ہے، قوم نے ان کو برصغیر کی آزادی وسالمیت کا امین بنایا تھا، ان کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وطن عزیز کی تقسیم قبول کریں، اور تقسیم کے دستاویز پر دستخط ثبت کر کے وطن کے ایک بڑے ٹکڑے پر اپنی خود مختاری کا کریڈٹ حاصل کریں۔

مولانا آزاد رحمہ اللہ کے لئے سب سے اذیت ناک لمحہ یہی تھا جب سردار پٹیل نے تقسیم ھند کی حمایت میں پہل کرتے ہوئے جواہر لال نہرو کو اپنا ہم خیال بنایا، پھر ان دونوں نے گاندھی جی، جو تقسیم کو ناممکن قرار دینے پر اٹل تھے، کو بھی رضامند کر لیا، اگر ہمارے یہ ہیرو مولانا آزاد کی طرح ذاتی مفاد اور دو قومی نظریئے سے بلند ہو کر عدم تقسیم کے موقف پر اٹل رہے ہوتے تو تقسیم کے علم بردار لاکھ سر پٹکتے وطن عزیز کا جغرافیہ ایک ہی رہتا، پاکستانی قیادت نے اسلام کی دہائی دے کر مسلمانوں کو جو فریب دیا ہے تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہمیں کوئی یہ بتائے کہ پاکستان کو قائم ہوئے نصف صدی پوری ہونے کو ہے وہاں اسلام کا کیا کام ہوا ہے، وہاں کے مسلمانوں میں ایسا کون سا اسلامی و دینی وصف ہے جو ھندی مسلمانوں میں نہیں ہے؟ البتہ ایک کام بہت نمایاں طور پر ہوا ہے، وہاں کی بعض رفاہی و سرکاری بلڈنگوں پر خوب موٹے موٹے حروف میں لکھا گیا ہے کہ "وہابی کافر ہے"۔

دوسرا امتیازی کام یہ ہوا ہے کہ لاہور میں داتا مزار پرستی کو حکومت پاکستان کی سرپرستی اور ٹھیکہ داری حاصل ہے، اس مرکز شرک و بدعت کے شرکیہ مناظر کو بھارت کے بت پرست ہنود دیکھ لیں تو ان کی گردنیں بھی شرم سے جھک جائیں۔

ہمارے بزرگوں نے متحدہ برصغیر کی آزادی واستقلال کے لئے اپنی جانوں کو دار و رسن اور کالا پانی کے حوالہ کیا تھا، اس راہ میں ان کی جانی و مالی قربانی نے کبھی مسلم و غیر مسلم کی تمیز نہیں کی تھی، ان کا ترکہ متحدہ ہندوستان ہے، اور ہم ان کی اولاد و پس ماندگان ہیں، اس لئے ہم پورے برصغیر کے وارث ہیں، اس کے چپے چپے میں ہمارا اور ساری بسنے والی قوم کا حق مساوی ہے، ہمیں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اپنے بزرگ و مجاہدین کے نقش قدم پر چل کر میدان میں آنا ہوگا، اور موجودہ جغرافیائی حدود توڑ کر وطن کی وحدت رفتہ کی بازیابی کے لئے اپنے بزرگوں کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا عملی اعادہ کرنا ہوگا۔

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دینی یا سیاسی یا علاقائی وغیرہ مصالح کی بنیاد پر ایک مملکت کو اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ "ہم اِدھر تم اُدھر"۔ حدیث میں مشرکوں کے سردار عامر بن طفیل کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس میں مذکور ہے کہ "خیر ثلاث خصال فقال یکون لك اهل السهل ولی اهل المدر" الحدیث، یعنی عامر بن طفیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کرنے کی پیش کش کی ان میں پہلی چیز یہ تھی کہ دیہاتی آبادی کے مالک آپ رہیں اور شہری آبادی میرے زیر ملکیت رہے الخ، اس کی اس پیش کش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی توجہ دینے کے بجائے ایک موقع پر یہ دعا فرمائی "اللهم اکفنی عامرا" (اے اللہ تو ہی عامر سے نمٹ) مختصر یہ کہ اسلام ترک وطن کی اجازت تو دیتا ہے لیکن تقسیم وطن کی نہیں۔

رہا یہ عذر کہ تقسیم ہند کا معاملہ انگریز کی ثالثی میں انجام پایا ہے، اور اس کی منظوری پر بھارت کے ذمہ دار نیتاؤں نے بھی دستخط ثبت کئے ہیں تو یہ محض لغو عذر ہے، کیونکہ بھارتی ذمہ داروں نے یہ منظوری اس لئے دی تھی کہ مسلمان خود مختاری کے ساتھ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کریں گے شرعی قوانین نافذ کریں گے، ان کا دستور اساسی کتاب وسنت پر مبنی ہوگا، شرک و بدعت کا استیصال

ان کا نصب العین ہو گا، ان کے اخلاق و کردار، تہذیب و تمدن ساری چیزیں اسلام کے سانچے میں ڈھالی جائیں گی اور اس کا خوشگوار اثر بھارت پر بھی پڑے گا، مگر صد افسوس آج تک اسلامی حکومت کا قیام تو کجا کوئی اسلامی کام تک نہیں ہو سکا بلکہ سیدھے یورپ و امریکہ کی زلف گرہ گیر کی اسیری میں سب کچھ لٹا دیا گیا، اس لئے تقسیم ہند کو باقی رکھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔

جب کوئی قوم اپنے کئے ہوئے عہد پر قائم نہ رہے تو دوسرا فریق بھی اس کی پابندی سے بری ہو جاتا ہے، یہ اصولی بات قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے، ہجرت مدینہ منورہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قبائل یہود مدینہ اور مشرکین مکہ کے مابین معاہدہ اور ان لوگوں کی خلاف ورزی کا واقعہ کسے نہیں معلوم ہے؟ ان کی عہد شکنی پر " براءة من الله ورسوله ، الآية کا نزول ہوا اور اس کے مطابق قبائل یہود کو چار ماہ کی مہلت دے کر مدینہ منورہ کو ان کے وجود سے خالی کرالیا گیا۔

ہمارے نزدیک قرآن و حدیث کی روشنی میں ہندی مسلمانوں کی مشکلات کا حل یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان قائم ہوا اسے بروئے کار لایا جائے، اور بنگلہ دیش کو پاکستان کے ساتھ ضم کیا جائے، ورنہ دو قومی نظریئے سے دستبرداری کا اعلان کیا جائے۔ اسی طرح ہندوستانی مسلمان اسلام سے اپنی وابستگی پر نظر ثانی کریں، یہ دین اس لئے نہیں آیا تھا کہ اس کے ذریعہ حکومت حاصل کی جائے اور انسانی برادری کے مابین تفریق کی جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کی تعلیمات کے ذریعہ سیرت و کردار کی تعمیر کی جائے، اور انسانی آبادی کو بھلائی کی راہ پر لگایا جائے، یہ کام جس فرد یا تنظیم یا حکومت کے ذریعہ انجام پذیر ہو گا اصل میں وہی انسانیت کا بہی خواہ ہو گا۔

●●●

رباعیات

فضا ابن فیضی

درسِ مبیں

غامض نہ ادق، میرے رسولؐ عربی
تو شارحِ حق، میرے رسولؐ عربی
روشن ہیں سب الواح وصحائف جس سے
تو ہے وہ سبق، میرے رسولؐ عربی

قرآنِ ناطق

فردوس کے سونے کا ورق، تیری ذات
وہ شامِ حرا، جس کی شفق، تیری ذات
روح القدسِ عرش نفس کے شاگرد
قرآن مقدس کا سبق، تیری ذات

نبی اُمّی

محدود ہیں، کس تنگ گلی تک، ہم لوگ
پہونچے نہ تری حرف رسی تک، ہم لوگ
دانش کدۂ "غار حرا" کے فاضل
اُمّی، تجھے کہتے ہیں ابھی تک، ہم لوگ

اُمّیت بعد نبوت

افہام بھی، تفہیم بھی، بے کار گئی
اقرار کی وہ تقدیم بھی، بے کار گئی
"اُمّی" کا یہ مطلب ہے، بالفاظ دگر
جبریلؑ کی تعلیم بھی، بے کار گئی

تلمیذِ جبریل

معیار حرا بافتۂ جبرائیلؑ
میزان نفس تافتۂ جبرائیلؑ
خاکم بدہن، کیوں تجھے ناخواندہ کہوں؟
اے شیخ سند یافتۂ جبرائیلؑ!

سلفیت

رہتا ہوں عجم میں، عربی ہوں میں بھی
ہاشم نسبی، مطلبی ہوں میں بھی
ہے فخر، کہ اسلاف سے نسبت ہے مجھے
ہم شیوۂ اصحاب نبی ہوں میں بھی

اول انعام یافتہ مقالے کا سرسری جائزہ

از محمد مستقیم سلفی، استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

کچھ عرصہ پہلے معلوم ہوا کہ "دانش کدہ" مئوناتھ بھنجن یوپی نے ایک کتاب "النبی الامی" کے نام سے شائع کی ہے، اس خبر سے بہت مسرت حاصل ہوئی کہ دانش کدہ نے اپنی ادبی وعلمی کاوشوں کو تیز کرتے ہوئے کتابوں کی نشر واشاعت کی طرف بھی قدم بڑھایا ہے، اللہ تعالی مزید توفیق عطا فرمائے، ادارہ محدث کو اس کتاب کی بہت تلاش تھی، بصد مشکل گذشتہ ماہ ایک صاحب سے عاریۃً مل سکی اور مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔

کتاب مذکور کے مطالعہ اور دوسرے ذرائع سے اس کا پس منظر جو سامنے آیا وہ یہ ہے کہ مجلہ "محدث" بابت اگست ۱۹۹۱ء میں محترم فضا ابن فیضی کے مجموعہ کلام "سر شاخ طوبیٰ" پر جناب ڈاکٹر محمد اسلم حنیف صاحب کا جو تبصرہ شائع ہوا تھا، وہ بعض ارباب دانش کدہ کے نزدیک ناقابل برداشت تھا، اس لئے پوری توانائی صرف کر کے اس کے رد وابطال کا کام جب پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا تو اس کو منظر عام پر لانے کے لئے تحریری انعامی مقابلہ کا سہارا لیا گیا اور مدارس مئو کو مقابلہ کی معین تاریخ سے صرف چار پانچ روز پہلے یہ اطلاع دی گئی کہ "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے؟" کے عنوان پر صرف طلبہ اپنے مقالے پیش کر سکتے ہیں۔

اگر یہ حقیقت ہے تو افسوس اور حیرت ہے ارباب دانش کدہ کی دیانت وامانت پر کہ مقابلہ میں شرکت کے لئے دعوت تو دی گئی ہے طلبہ کو، اور مقالہ نگار اساتذہ کو صف اول میں جگہ دے کر طلبہ کی حق تلفی کی گئی، دیکھئے ٹائیٹل کی پشت پر مقالہ نگاروں کی فہرست میں تین مقالہ نگار قاسمی اور ایک فیضی ہیں، بالخصوص اول انعام یافتہ صاحب کے بارے میں معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ آں محترم، مدرسہ دار العلوم مئو کے نامی گرامی استاد ہیں، باقی قاسمی وفیضی فضلاء کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ بھی استاذ کے منصب پر فائز ہیں یا نہیں؟ لیکن ان کے ناموں کے ساتھ قاسمی وفیضی کی صفت یہ بتا رہی ہے کہ وہ طلبہ کے زمرے سے خارج ہیں، یہ تلخ حقیقت شہادت دے رہی ہے کہ یہ مقابلہ "کلمۃ حق ارید بہا الباطل" کا منصوبہ بند مظاہرہ تھا

دوسری بات یہ کہ ہماری معلومات کے مطابق مسلمانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے مقالہ کے عنوان کی مثال ایسی رہی ہے جیسے "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول تھے؟" علماء امت کا اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ کیا رسول اللہ علیہ وسلم مدۃ العمران پڑھ (ناآشنائے نوشت وخواند) تھے، اس لئے مقالہ کا یہی عنوان مقتضاء حال کے مطابق تھا۔

جرائد و مجلات میں شائع ہونے والے مضامین کی ہر بات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا، اگر ڈاکٹر حنیف صاحب کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ امی کا معنی "گہوارۂ تربیت" ہونا چاہئے یا ان کے اور جو خیالات و استدلالات ہیں ان سب پر محدث نے مہر تصدیق نہیں ثبت کی ہے، اس لئے ادارہ محدث ان سطور کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کا دفاع کرنے کے بجائے کتاب "النبی الامی" کے اول انعام یافتہ مقالے کا ایک سرسری جائزہ لینا چاہتا ہے، کیوں کہ یہی مقالہ دانش کدہ کی جہود مبذولہ کا اصل نچوڑ ہے۔

مقالہ مذکورہ میں جن ماخذ کے حوالوں سے گفتگو کی گئی ہے ان میں زیادہ تر قرآن کے اردو تراجم و تفاسیر اور اردو کتب سیرت یا متاخرین کی عربی کتب کو حجت و دلیل بنایا گیا ہے۔ اس سطح پر مقالہ نویسی طلبہ کے لئے درست ہوسکتی ہے مگر اساتذہ اور فضلاء مدارس کی تحقیقات کے اصل مراجع براہ راست کتاب وسنت، متقدمین کی تفاسیر، شروح احادیث، کتب سیر اور کلام عرب سے تنازل کی صورت میں ان کا علمی بھرم بکھر جاتا ہے اور ان کی تحقیقات، علم کی یتیمی اور کوتاہ دستی کا فسانہ سناتی ہیں۔

ان باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اول انعام یافتہ مقالہ نگار مولانا قاسمی صاحب ہی کے تمسکات اور استدلالات کی روشنی میں چند غور طلب امور کی نشاندہی کی جارہی ہے، مولانا نے "امی" کے تین محتمل معانی کی تحقیق کرتے ہوئے پہلے معنی "ام القری کی جانب نسبت" کو قرآنی آیات اور متقدمین و متاخرین کی مستند کتب تفاسیر و سیر کے علاوہ صحف آسمانی سے بھی مدلل فرمایا ہے، اسی طرح دوسرے معنی "امت کی طرف نسبت" کو بھی صحیح ثابت کیا ہے، ان دونوں معنی پر بقول مولانا قاسمی جمیع مسلمین کا اتفاق ہے، اس کے باوجود مولانا ان دونوں معنی کو نظر انداز کرکے تیسرے مختلف فیہ معنی "ان پڑھ" پر شدت کے ساتھ اڑ گئے، حالانکہ ڈاکٹر حنیف صاحب کے اختیار کردہ معنی کی تردید کے لئے پہلے دونوں معنی غیر اختلافی ہونے کی وجہ سے زیادہ قوی دلیل ہیں، ڈاکٹر حنیف صاحب کے جواب میں مولانا قاسمی صاحب کچھ زیادہ ہی حواس باختہ ہوگئے ہیں، فرماتے ہیں، "بقیہ ساری شفقت آمیز تربیت تو عبدالمطلب اور ابوطالب کی ملی تھی، تو کیوں نہیں آپ کو عبدی اور ابی کہدیا

گیا "[1] قاسمی صاحب کو یہ بچگانی بات لکھتے ہوئے یاد نہیں رہا کہ وہ کلاس روم میں طلبہ کے سامنے نہیں بلکہ دنیا کے اہل علم ودانش کے سامنے اپنے علمی جوہر دکھا رہے ہیں، اگر اثناء درس طلبہ کے سامنے یہ دونوں الفاظ ارشاد فرماتے تو ان کا کوئی باہمت شاگرد فوراً اصلاح کر دیتا کہ عبدالمطلب کی طرف نسبت مطلبی اور ابوطالب کی طرف طالبی ہوگی جیسے عبدالرحمن میں رحمانی اور ابوالہاشم میں ہاشمی وغیرہ۔ ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں: "الذین یتبعون الرسول النبی الامی" اس آیت میں غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ "الامی" رسول اور نبی کی صفت بن کر استعمال ہوا ہے"[2] موصوف نے اس سے پہلے ص۱۷ پر مذکورہ آیت کا ترجمہ "جو اتباع کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہیں" لکھا یا نقل کیا ہے ان کو سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ "النبی الامی" دونوں "الرسول" کی صفتیں ہیں نہ کہ "الامی" الرسول اور النبی دونوں کی صفت ہے، علاوہ ازیں یہ شگوفہ بھی کچھ کم نہیں ہے، ایک مقام پر مولانا لکھتے ہیں "امام ابن تیمیہ نے صرف نبی صلعم کی امیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے" لیکن مولانا نے عبارت نقل نہ کر کے صرف ترجمہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اس میں یہ گل کھلایا ہے کہ امام ابن تیمیہ کے قول "فان امیتہ لم تکن من جھة فقد العلم والقراءة عن ظہر قلب" کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ "کیوں کہ آپ کی امیت علم وخواندگی کے مفقود ہونے کی جہت سے بالکل نہیں تھی"[3] لگتا ہے کہ "عن ظہر قلب" کے مفہوم کی طرف مولانا کے ذہن کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

مولانا نے اپنے مفروضہ "امی کے معنی ان پڑھ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل نبوت و بعد نبوت پڑھنے لکھنے سے عاری تھے" پر جن آیات سے استدلال کیا ہے ان میں پہلی چار آیتوں میں لفظ امی مذکور نہیں ہے، ان کے بعد جن دو آیتوں میں "الامی" مذکور ہے ان میں پڑھنے لکھنے سے عاری ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ پہلی چاروں آیتوں میں ماضی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور "من قبل ھذا" یا "من قبلہ" کے ساتھ مقید بھی ہیں۔

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ اگر امی کا معنی "ان پڑھ" متعین ہے تو ان چاروں آیتوں میں جن میں ان پڑھ ہونے کا ذکر ہے لفظ امی کیوں نہیں استعمال کیا گیا؟ اور اگر یہ آیات "النبی الامی" والی آیات کی تفسیر ہیں تو اس پر کیا دلیل اور قرینہ ہے؟ جب کہ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جس مقام پر کسی لفظ کی تفسیر بیان ہوتی ہے اسی لفظ کے ساتھ ہی مذکور ہوتی ہے، متعدد مقامات پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں، الحاقة ما الحاقة وما

۱ النبی الامی ص۲۷، ۲ ایضاً ص۳۶، ۳ ایضاً ص۲۱،۲۲

ادراک ما الحاقة - وما ادراک مایوم الدین - وما ادراک ما العقبة - وما ادراک ما الطارق - وما ادراک ما لیلة القدر - وما ادراک ما الحطمة - وغیرہ۔ البتہ "الآیات یفسر بعضها بعضا" کی قسم میں یہ اسلوب جاری نہیں ہے کہ مفسر آیت مفسر آیت کے متصل ہی ہو

دوسرا سوال یہ ہے کہ مولانا کے دعویٰ کے مطابق اگر چاروں آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت کے قبل وبعد ہمیشہ ان پڑھ رہنا مراد ہے تو ان میں ماضی کے صیغے مع قید "قبلہ" کیوں استعمال کئے گئے ہیں؟ چلئے اگر بالغرض مولانا کا یہ دعوی کہ "ان آیات کا ماسیق الکلام لاجلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناآشنائے نوشت وخواند ہے، نہ کہ بعد نبوت نوشت وخواند کا ثبوت"[1] تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئے گا کہ آیت اولیٰ "تلک من انباء الغیب نوحیها الیک ماکنت تعلمها انت ولاقومک من قبل ھذا" کا مطلب یہ ہو کہ غیبی خبروں کی وحی آنے کے بعد بھی آپ ان سے لاعلم رہے، دوسری آیت "ماکنت تتلو من قبلہ من کتٰب ولاتخطہ بیمینک" سے مراد یہ ہو کہ آپ وحی قرآن کے بعد بھی کتاب قرآن پڑھنے لکھنے سے عاری تھے، تیسری آیت "ماکنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان" کا معنی یہ ہوا کہ کتاب قرآن اور اللہ پر ایمان سے تاحیات واقف نہیں تھے، چوتھی آیت "قل لوشاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادرٰکم بہ" سے یہ بات ثابت ہوگی کہ آپ نے کبھی قرآن پڑھ کر نہیں سنایا، مزید یہ کہ ان چاروں آیات کا بہت سی صریح آیات سے تعارض لازم آئے گا، مثلاً "یتلو علیکم آیاتنا" "یتلو علیکم آیات اللہ" "یتلو علیهم آیاتہ" "یتلو صحفا مطھرۃ" "فاذا قرأت القرآن" ومثلها کثیر۔

امی کی تفسیر اور مفسرین

مذکورہ بالا جائزہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ قرآن کی کسی آیت سے نبی امی کا معنی "ناآشنائے نوشت وخواند یا ان پڑھ نبی" ثابت نہیں ہے، قرآن کریم میں امی، امیون اور امیین کا ذکر مختلف مقامات پر مختلف معنی میں ہوا ہے۔ اور مفسرین کی تفسیروں میں بھی شدید اختلاف ہے، ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ میں ہے (ومنهم امیون لایعلمون الکتاب) یہاں امیون سے یہود کی ایک قسم مراد ہے جو اچھی طرح لکھنا نہیں جانتی، ان پڑھ عرب مراد نہیں ہیں، چنانچہ ابن کثیر فرماتے ہیں (منهم امیون) ای من اهل الکتاب. قاله مجاهد، (والامیون) جمع امی، وهو الرجل الذی لایحسن الکتابة، قاله ابوالعالیة والربیع وقتادة وابراهیم النخعی وغیر واحد. ... ولهذا فی صفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ الامی لانہ لم یکن یحسن الکتابة"[2]

---

[1] النبی الامی ص۲۸، [2] تفسیر ابن کثیر ص۱۱۶،

یعنی مجاہد کہتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ امی ہیں، (الامیون) امی کی جمع ہے، امی اس شخص کو کہتے ہیں جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو، اس کے قائل ابو العالیہ، ربیع، قتادہ، ابراہیم نخعی اور کئی مفسرین ہیں.. نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت امی اسی لئے آئی ہے کہ آپ اچھی طرح نہیں لکھ پاتے تھے، ابن جریر طبری لکھتے ہیں، " فالذی ھو اولی بتاویل الآیة ما قالہ النخعی من ان معنی قولہ (ومنھم امیون) ومنھم من لا یحسن ان یکتب"۔ [1] یعنی مذکورہ آیت کی بہتر تفسیر وہ ہے جو ابراہیم نخعی نے بیان کیا ہے کہ (ومنھم امیون) سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: " وفیھم امیون لا یفقھون معانی الکتاب والسنة بل ربما یظنون ان ما ھم علیہ من الامانی التی ھی مجرد التلاوة ومعرفة ظاھر من القول ھو غایة الدین"۔ [2] دوسری جگہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: " فھذہ صفة من لا یفقہ کلام اللہ ویعمل بہ وانما یقتصر علی مجرد تلاوتہ... فالامی ھنا قد یقرأ حروف القرآن او غیرھا ولا یفقہ۔" [3] دونوں عبارتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں امیون سے مراد وہ لوگ ہیں جو حروف قرآن وغیرہ تو پڑھ لیتے لیکن کتاب وسنت کے معانی سمجھتے نہیں ہیں اور نہ اللہ کے کلام پر عمل کرتے ہیں بلکہ صرف اس کی تلاوت اور ظاہری باتوں کی معرفت کو اصل دین گمان کرتے ہیں۔ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں: " وقد قیل لھم امیون لانھم لم یصدقوا بام الکتاب، عن ابن عباس، وقال ابو عبیدة: ومنھم اھل الکتاب لا یعلمون الکتاب قال: عکرمة والضحاک ھم نصاری العرب، علی رضی اللہ عنہ ھم المجوس"۔ [4] یعنی اہل کتاب کو امیون کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ام الکتاب کی تصدیق نہیں کی، یہ ابن عباس سے مروی ہے، ابو عبیدہ کے نزدیک امیون وہ اہل کتاب ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے ہیں، عکرمہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ امیون سے مراد نصاری عرب ہیں، حضرت علی کا قول ہے کہ امیون، مجوس ہیں۔

سورہ آل عمران میں دو جگہوں پر " الامیین " مذکور ہے، ملاحظہ ہو: (قل للذین اوتوا الکتاب والامیین أأسلمتم؟) اس کی تفسیر میں طبری اور قرطبی فرماتے ہیں: " والامیین الذین لا کتاب لھم وھم مشرکو العرب"۔ [5] یعنی امیین وہ لوگ ہیں جن کے پاس کوئی (آسمانی) کتاب نہیں ہے، ان سے مشرکین عرب مراد ہیں، امام ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں: " فجعل

---

[1] تفسیر طبری ص ۳۷۴/۱ ۔ [2] فتاوی ص ۱۳۰/۲۵ ۔ [3] ایضا ص ۱۷/۲۵ [4] قرطبی ص ۵/۲ ،، [5] قرطبی ص ۴۵/۲ ،

الامیین مقابلین لاھل الکتاب فا لکتابی غیر الامی "[1]

آل عمران کی دوسری آیت میں " امیین " سے مراد اہل اسلام ہیں، ملاحظہ ہو، (ذلک بأنھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل) قیل ان الیھود کانوا اذا بایعوا المسلمین یقولون لیس علینا فی الامیین سبیل ای حرج فی ظلمھم "[2] یعنی یہود جب مسلمانوں سے خرید و فروخت کرتے تو کہتے کہ امیوں (مسلمانوں) پر ظلم کرنے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے، سورہ جمعہ کی آیت (ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم) کی تفسیر میں قرطبی لکھتے ہیں: " قال ابن عباس الامیون العرب کلھم من کتب منھم ومن لم یکتب، لانھم لم یکونوا اھل کتاب وقیل الامیون لایکتبون وکذلک کانت قریش، وروی منصور عن ابراھیم قال: الامی الذی یقرأ ولا یکتب "[3] یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ امیون سے مراد تمام عرب ہیں چاہے آشنائے کتابت ہوں یا نہ ہوں کیوں کہ وہ اہل کتاب نہیں تھے، ایک قول یہ ہے کہ امیون وہ لوگ ہیں جو لکھنا نہیں جانتے ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ امی وہ ہے جو پڑھنا جانتا ہو لکھنا نہ جانتا ہو، ہمارے نزدیک اس آیت میں امیین سے مراد عام مومنین ہیں، کیوں کہ سورہ آل عمران کی آیت (لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم" الآیۃ) جمعہ والی آیت مذکورہ کی مفسر ہے، اور تفسیر القرآن بالقرآن اقسام تفسیر میں سب سے اعلیٰ واولیٰ قسم ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں سے دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ وہ آیات جن میں امیین کا ذکر ہے وہ صاف بول رہی ہیں کہ ہر آیت میں امی کا ایک ہی معنی مراد نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ اس کے معنی میں مفسرین کا شدید اختلاف ہے جو ناقابل تطبیق ہے۔

فہرست معانی۔ مذکورہ مختلف معانی کی اجمالی فہرست یہ بنتی ہے،

(۱) امی : جو شخص اچھا لکھنا نہیں جانتا ــــ نخعی، ابوالعالیہ، ربیعہ، قتادہ وغیرہ

(۲) " جو پڑھنا جانتا ہو لکھنا نہ جانتا ہو ــــ "

(۳) " جو حروف قرآن وغیرہ پڑھتا ہو لیکن کتاب وسنت کے معانی نہیں سمجھتا اور نہ اس پر عمل کرتا ہے بلکہ صرف تلاوت کرنا جانتا ہے۔ ابن تیمیہ

---

[1] فتاوی ص ۱۶۸/۲۵ [2] قرطبی ص ۱۱۸/۴ [3] ایضاً ص ۹۲/۱۸

(۴) امی ۔	غیر اہل کتاب	ابن تیمیہ
(۵) "	جو اہل کتاب ام الکتاب کی تصدیق نہیں کرتے ۔	ابن عباس
(۶) "	تمام عرب چاہے کاتب ہوں یا غیر کاتب ۔	"
(۷) "	وہ اہل کتاب جو کتاب کا علم نہیں رکھتے	ابو عبیدہ
(۸) "	نصاریٰ عرب	عکرمہ، ضحاک
(۹) "	مجوس	حضرت علی
(۱۰) "	مشرکین عرب	طبری، قرطبی
(۱۱) "	مسلمین	"

مذکورہ بالا معانی میں متقدمین مفسرین کے بیان کردہ معنی " الذی لایحسن ان یکتب " اور امام ابن تیمیہ کے قول " قد یقرأ حروف القرآن وغیرھا " کی صحیح اور جامع ترجمانی محترم فضا ابن فیضی کے ایک الہامی شعر میں " امی حرف آشنا " سے بہتر اور کوئی ہونا مشکل ہے، امی حرفِ آشنا کی ترکیب سچ پوچھئے تو ایجاز بلیغ اور حسن تعبیر کی رعنائی سادگی اور پاکیزگی کا حسین مرقع ہے، شعر ملاحظہ ہو۔

عالمِ علمِ کبریا، کامل فن ارتقا　　　امی حرف آشنا، کون، محمد کریم

ڈاکٹر حنیف کے قول سورہ اقراء میں " علم بالقلم " میں قلم کا علم دینے کا واضح ثبوت موجود ہے، کے جواب میں مولانا قاسمی صاحب نے تفسیر جلالین اور فوائد عثمانی کے حوالے سے جو بات لکھی ہے وہ انتہائی مبہم ہے، بلکہ موخر الذکر حوالہ سے حضرت شاہ صاحب کا منقول قول اور اس سے پہلے مذکورہ فوائد جن کو مولانا نے اپنے خلاف مقصد ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا ہے سب کے سب ان کے خلاف جا رہے ہیں، طوالت میں نہ پڑتے ہوئے صرف شاہ صاحب کے جس قول کو پیش کیا ہے اسی کو سامنے رکھتے ہیں " حضرت نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا، فرمایا قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے، یوں بھی وہی دے گا " غور فرمائیں حضرت شاہ صاحب کا یہ قول صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر قلم کے پڑھنے لکھنے کا علم عطا فرما دیا۔

احادیث سے استدلال

مولانا قاسمی صاحب نے آیات قرآن اور ان کی تفاسیر بیان کرنے کے بعد بعض حدیثوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ان پڑھ ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن افسوس

ان میں ایک حدیث بھی موصوف کے مدعا پر دلالت نہیں کر رہی ہے، یہاں تک کہ پہلی حدیث جس میں غار حرا کا واقعہ مذکور ہے اس کے بارے میں موصوف نے خود ہی ہاتھ پاؤں ڈھیل کر دیئے ہیں۔ لکھتے ہیں: "اس واقعہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے تک کوئی تعلیم نہیں حاصل کی تھی" [۱]

رہی دوسری حدیث "انا امة امية لانكتب ولانحسب"، تو اس سے بعد نبوت ان پڑھ ہونے پر استدلال کرنا ایسا ہی ہے جیسا (لا تقربوا الصلاة) سے نماز نہ پڑھنے پر استدلال، اس حدیث کا مفہوم و مقصد فتاوی ابن تیمیہ کے حوالے سے النبی الامی کے ص ۲۲ پر بھی مختصراً مذکور ہے، وہاں دیکھ لیا جائے،

حدیث مذکور کے ضمن میں مولانا نے لکھا ہے کہ "رہا یہ سوال کہ امت عرب کی امیت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد ختم ہو گئی۔ ۔ ۔ تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت بھی ختم ہو گئی تھی؟ اور آپ نبوت کے بعد پڑھنے لکھنے والے ہو گئے تھے؟ تو اسکا اجمالی جواب یہ ہے کہ جس معنی میں علامہ ابن تیمیہ نے آپ کی امیت بیان فرمائی ہے اس معنی میں آپ کی امیت نبوت کے بعد بھی ختم نہیں ہوئی تھی اور آپ تا حیات امی رہے [۲]

واضح رہے کہ امام ابن تیمیہ نے امیت پر بحث کرتے ہوئے اس کے بہت سے معانی و اقسام بیان کئے ہیں، یہاں پر مولانا نے جس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے "آپ نہ لکھتے تھے اور نہ لکھی ہوئی چیز پڑھتے تھے" اس معنی کی بنیاد پر مولانا کا جواب مذکور روز اول کی طرح اب بھی محتاج دلیل ہے، کیوں کہ اس معنی میں بعد نبوت یا تا حیات کی کوئی قید مذکور نہیں ہے، بلکہ اس معنی پر امام ابن تیمیہ نے اس آیت: "وما كنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك" کو بطور استشہاد ذکر کیا ہے جو اس بات پر قرینہ ہے کہ معنی مذکور کا تعلق قبل نبوت سے ہے۔

اگر مولانا کا اجمالی جواب مذکور مان لیا جائے تو بہت سے سوالات و تعارضات کے بھنور میں پھنس جائیں گے مثلاً یہ کہ امت عرب کی امیت اور تھی جو بعد بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ختم ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت اور تھی جو بعد بعثت ختم نہیں ہوئی، حالانکہ یہ بات "انا امة امية" کے صریح معارض ہے، مولانا بھی خود ثابت کر چکے ہیں کہ دونوں کی امیت ایک ہے، اجمالی جواب سے پہلے والی سطور ملاحظہ فرمائیں "اس حدیث میں آپ نے اپنی امیت کے ساتھ امت عرب کو بھی شامل فرمایا ہے اور کہا کہ ہم سب لوگ امی ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں" اسی طرح ص ۱

---

[۱] النبی الامی ص ۲۱ [۲] النبی الامی ص ۲۲

لکھا ہے کہ "جس طرح وہ امی ہوئے آپ بھی امی ہوئے، اور لفظ امی کے معنی کے بارے میں تمام اہل لغت و مفسرین اصحاب سیر متفق ہیں کہ امی وہ شخص ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو" اگر دونوں کی امیت ایک مانتے ہیں تو اجمالی جواب کے کذب ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی اور بلا نظر و استدلال یہ بات اپنے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح امت عرب بعثت کے بعد پڑھنے لکھنے والی ہو گئی تھی آپ بھی پڑھنے لکھنے والے ہو گئے تھے، ورنہ پھر وہی عوامی مقولہ صادق آئے گا کہ گرو گڑ رہ گئے چیلا شکر ہو گئے۔

کتب سیرت: مولانا قاسمی صاحب نے اپنے ادعا پر اردو کتب سیرت کو کثرت سے بطور ثبوت پیش کیا ہے جب کہ ان کی استنادی حیثیت محققین کے نزدیک مسلم نہیں ہے پھر بھی مولانا نے ان کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس میں سے صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے تاکہ مولانا کی دلجوئی ہو جائے اور قارئین کو یہ اندازہ ہو سکے، کہ ان اردو کتابوں میں کتنی علمی رمق ہے، مولانا لکھتے ہیں کہ "بعد نبوت جب آپ نے قرآن مجید پیش کیا اور کفار نے شبہ ظاہر کیا کہ اس کو کوئی آدمی سکھاتا ہے... تو اللہ تعالی نے نہایت شدت کیساتھ اس خیال کی تردید فرمائی، چنانچہ ارشاد ہے ولقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر، الاٰية - ایک دوسری جگہ ہے: " وقال الذين كفروا ان هذا الا افك افتراه" الآية، علامہ سید سلیمان ندوی نے ان آیات کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ سب شبہات کئے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ ظاہر نہیں کیا کہ محمد نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں دیکھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں" [۱]

اہل علم غور فرمائیں کہ پہلی آیت کے یہ الفاظ "انهم يقولون انما يعلمه بشر" صاف بول رہے ہیں کہ کفار برملا کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے، لیکن سید صاحب اسی آیت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمد نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے الخ"

اگر قارئین اپنی ہنسی روکیں تو یہاں پر مولانا قاسمی صاحب کا ایک مزیدار چٹکلا بھی پیش کرتے چلیں۔ مولانا نے سید صاحب کا مذکور قول مکمل کر کے حاشیہ میں اس کا حوالہ یوں لکھا ہے "مشکوٰۃ ص۸۲[۲]" سید صاحب کی روح خوش ہو گئی ہو گی کہ ان کی وفات کے عرصۂ دراز کے بعد مشکوٰۃ جیسی عظیم کتاب ان کے کھاتے میں آ گئی ہے۔

---

[۱] النبی الامی ص۳۶، ۳۷ - [۲] ایضا ص۳۸

حرفِ آخر - مولانا قاسمی صاحب نے ڈاکٹر حنیف صاحب کے دوسرے دعویٰ "ان آیات میں ہر جگہ "من قبلہ" کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد نبوت لکھنے پڑھنے دونوں صفات سے متصف ہو گئے تھے" کے جواب میں یہ بھی لکھا ہے کہ "ڈاکٹر صاحب نے جو معنی بیان کیا ہے وہ انہیں کی ایجاد ہے، یا ان سے پہلے علامہ باجی نے یہ مفہوم لیا تھا مگر تمام علماء نے ان کے اس دعویٰ کی سخت مخالفت کی اور ان کو زندیق تک کہہ دیا" [1] اس کے بعد ص ۳۰ پر لکھتے ہیں۔

"علماء اندلس میں سے علامہ باجی نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر "محمد رسول اللہ" کو اپنے دست مبارک سے مٹا کر خود ہی "محمد بن عبداللہ" لکھا، نیز علامہ باجی کی سمنانی اور ابوذر نے بھی موافقت کی ہے، اور واقعہ حدیبیہ میں "کتب" کا لفظ موجود ہے، اس کا مختلف جواب دیا گیا ہے، اول یہ کہ چودہ سو برس کے کروڑوں جمہور علماء کے مقابلہ میں صرف تین آدمیوں کا قول ناقابل اعتبار ہوگا" انتہی۔

مولانا کی خدمت میں باادب عرض ہے کہ بحث وتحقیق حق میں امانت ودیانت اولین شرط ہے، اس کے بغیر ساری بحث تزویر کے دائرے میں آجاتی ہے، آپ نے کہیں یہ لکھ دیا کہ یہ معنی ڈاکٹر صاحب اور علامہ باجی کی ایجاد ہے، پھر آگے پوری شدت وغلظت کے ساتھ فرمایا کہ اس معنی کے قائل چودہ سو برس میں صرف تین آدمی ہیں، حالانکہ جس ماخذ کے حوالے سے مولانا نے یہ بڑ ہانکی ہے اسی میں یہ لکھا ہوا ہے: "فقال جماعة بجواز هذا الظاهر عليه وانه كتب بيده منهم السمناني وابو ذر والباجي." [2]

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے "وذكر ابن دحية ان جماعة من العلماء وافقوا الباجي في ذلك، منهم شيخه ابو ذر الهروي وابو الفتح النيسابوري وآخرون من علماء افريقية وغيرها" [3] امام نووی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے آگے ان تمام کی مختصر تفصیل آئے گی، قرطبی اور حافظ ابن حجر کے منقولہ اقوال بالتصریح پکار رہے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت پڑھنے لکھنے کی قائل ہے، انہیں میں یہ تینوں افاضل اور افریقہ وغیرہ کے بہت سے علماء بھی شامل ہیں، ہماری نظر سے کسی ماخذ میں یہ بات نہیں گذری کہ کسی محدث، مفسر اور سیرت نگار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ چودہ سو برس میں صرف تین علماء معنی مذکور کے قائل تھے اور باقی سارا جہان مخالف اور منکر تھا،

اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ یہ صرف تین آدمیوں کا قول ہے اس لئے ناقابل اعتبار ہے، تو کیا تین آدمیوں کے ساتھ

---

[1] النبی الامی ص ۲۷، ۲۸ - [2] قرطبی ص ۵۲ ج ۱۴ [3] فتح ص ۵۷۵ ج ۷

تا ہو تو اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے گا کہ یہ جمہور کے خلاف ہے ؟

دوسری خلاف دیانت بات یہ ہے کہ سابق ماخذ ہی میں قرطبی نے "قلت" کے لفظ سے ان تمام دلائل کو ذکر کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت پڑھنے لکھنے پر واضح ثبوت ہیں اور یہ آپ کی امیت میں قادح نہیں ہے، یہ بحث ے صفحہ پر پھیلی ہوئی ہے، اس کے بعد قرطبی نے اپنے شیخ ابو العباس احمد بن عمر کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ نے بعد بوت نوشت وخواند کے منکرین کو متنفقہ سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان لوگوں نے انکار میں اس قدر شدت اختیار کی کہ اس کے قائلین کو کفر کی طرف منسوب کر دیا، ان کو اتنا بھی شعور واحساس نہیں رہا کہ ان کا یہ طریقہ "قلت علوم"، نظریہ سے بے خبر ہونے اور تکفیر المسلمین کے بارے میں توقف نہ کرنے پر دلیل ہے ... اس کے علاوہ یہ مسئلہ قطعی بھی نہیں ہے بلکہ اخبار آحاد صحیحہ کے ظاہری الفاظ سے مستند ہے، عقل بھی کسی ان پڑھ سے اس کے وقوع کو محال نہیں کہتی اور شریعت میں بھی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے جو اس کو محال قرار دے سکے"۔[1]

افسوس کہ مولانا نے قرطبی کے تفصیلی بیان اور ان کے شیخ کے قول مذکور کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، محدثین اور شارحین حدیث کے نزدیک امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ کی تحقیقات وتشریحات بحیثیت مرجع مسلّم ہیں، اول الذکر نے قاضی عیاض کے حوالے سے بعد نبوت نوشت وخواند کے ثبوت پر بہت مدلل ومفصل بحث کی ہے اور آخر میں قاضی عیاض کا یہ دوٹوک فیصلہ بھی نقل کیا ہے، لکھتے ہیں :- " وقولہ فی الروایۃ التی ذکرناھا " ولا یحسن ان یکتب" النص انہ کتب بنفسہ والعدول الی غیرہ مجاز لاضرورۃ الیہ "۔[2]

حافظ ابن حجر نے اس مسئلہ پر تحقیقی وتفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ جب علماء اندلس علامہ باجی پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے ان کو زندیق تک کہنے لگے تو امیر اندلس نے سب کو جمع کیا، مباحثہ ہوا، علامہ باجی اپنے علمی دلائل کی قوت سے ان پر غالب رہے، چونکہ مخالفین کا اعتراض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت ایک معجزہ ہے، اگر آپ سے کتابت کا صدور اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو تسلیم کر لیا جائے تو یہ دوسرا معجزہ ہوگا جو پہلے معجزہ امیت کے معارض ہو جائے گا اور معجزات میں تعارض وتصادم جائز نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے اس کا رد ان الفاظ میں کیا ہے :" وفی دعوی ان کتابۃ اسمہ الشریف فقط علی ھذہ الصورۃ تستلزم مناقضۃ المعجزۃ وتثبت کونہ غیر امی نظر کبیر، واللہ اعلم "۔[3]

---

[1] قرطبی ص ۳۵۳/۱۳ ، [2] شرح مسلم ص ۱۰۵/۲ ، [3] فتح ص ۵۷۶/۷ ۔

مولانا نے اپنے مدعا پر صلح نامہ حدیبیہ میں لفظ "رسول اللّٰہ" کے بارے میں حضرت علی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان "ارنی مکانھا" سے بھی استدلال کیا ہے، یہ استدلال انتہائی بچکانا ہے، اہل علم بالخصوص اکابر علماء و امراء میں یہ بات شائع و ذائع ہے کہ کتابیں، مضامین اور تحریرات خود نہ پڑھ کر دوسروں سے پڑھوا کر سنتے ہیں اگر ان میں کوئی خاص چیز معلوم کرنی ہوتی ہے تو پڑھنے والے یا اپنے محرر و شاگرد سے کہتے ہیں کہ اس تحریر میں فلاں چیز کہاں لکھی ہوئی ہے ذرا ہمیں دکھاؤ، کیا اکابر علماء، امراء اور سلاطین کے اس دستور کو اس امر پر دلیل بنایا جائے گا کہ یہ لوگ نہ پڑھ لکھ سکتے ہیں اور نہ حروف ہی پہچانتے ہیں؟ مولانا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہی بات لکھی ہے، اور قرطبی کے قول سے تائید پیش کی ہے، بیشک قرطبی نے اخیر بحث میں اپنا فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حرف بھی نہیں لکھا اور نہ ہجا کیا، ہمیں سخت افسوس ہے کہ مولانا نے تفسیر قرطبی میں فریقین کے مذکورہ دعاوی و دلائل کو یکسر نظر انداز کر کے قرطبی کے بے دلیل قول کو اپنے لئے حجت بنا لیا ہے، اگر ذرا اپنے خفتہ ذہن کو کسرہ کی حرکت بھی دیئے ہوتے تو ان کے سامنے یہ بات عیاں ہو گئی ہوتی کہ جو قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو وہی آج بھی محفوظ ہے، اس کی ۲۹ سورتیں حروف تہجی سے شروع ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پڑھتے اور پڑھ کر لوگوں کو سناتے بھی پھر صحابہ بھی اسی طرح پڑھتے اور لکھتے تھے، قرطبی نے بھی ایک حدیث کے حوالے سے اسی قسم کا ایک اعتراض پیش کر کے جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے، ملاحظہ ہو "فان قیل: فقد تھجی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین ذکر الدجال فقال: مکتوب بین عینیہ ک اف ر" وقلتم ان المعجزۃ قائمۃ فی کونہ امیا... فکیف ھذا؟ فالجواب ما نص علیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حدیث حذیفۃ... "یقرأہ کل مومن کاتب وغیر کاتب" فقد نص فی ذلک علی غیر الکاتب ممن یکون امیا" (قرطبی ص ۳۵۳/۱۳)

غور فرمائیں کہ اعتراض یہ ہے کہ جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجا نہیں کیا، حدیث کے بالکل خلاف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے "ک اف ر" کا ہجا کیا ہے پھر بھی آپ کی امیت کا معجزہ برقرار ہے، اس کے جواب میں ہجا کرنے کی بات گول کر کے قرطبی نے یہ کہا کہ حذیفہ کی حدیث میں "یقرأہ کل مومن کاتب وغیر کاتب۔" اس امر پر نص ہے کہ غیر کاتب امی ہوتا ہے، حالانکہ حدیث میں امی کا کوئی ذکر نہیں ہے، قرطبی نے اپنے اس جواب سے گویا یہ تسلیم کر لیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم امی ہوتے ہوئے ہجا کئے ہیں اور امی شخص ہجا کر کے پڑھ سکتا ہے۔ ... اول انعام یافتہ مقالہ کا یہ سرسری جائزہ عالی مرتبت جج حضرات کے انصاف اور علمی بلوغت کی داد کے طور پر ادنیٰ سا علمی جائزہ (انعام) ہے، امید ہے قبول فرمائیں گے۔ ...

سلسلۂ تراجم علماءِ اہل حدیث بنارس

مولانا محمد یونس مدنی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

(۵)

مولانا حکیم حیات اللہ بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء ✤ وفات ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

مولانا حکیم حیات اللہ بن رمضان بن صفی اللہ بنارسیؒ۔

آپ بنارس شمالی کے محلہ دوسی پورہ کے ایک متوسط گھرانے میں تقریباً ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما پائی، محلہ کے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ کو عربی وفارسی تعلیم کے لئے شاہی مسجد گیان واپی میں داخل کر دیا گیا اور تقریبا ۱۸۸۰ء میں آپ تعلیم سے فارغ ہوئے ۱۸۸۲ء میں مولانا محمد سعید بنارسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۰۴ء) بنارس تشریف لا چکے تھے، آپ کی تبلیغی سرگرمیاں جاری تھیں، لوگ کتاب وسنت سے قریب ہو رہے تھے، تقلیدِ جامد کا طلسم ٹوٹ رہا تھا، حسن اتفاق کہ آپ کی ملاقات محدث بنارسیؒ سے ہوگئی اور ان کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے آپ کے اندر کتاب وسنت کا ذوق پیدا ہو گیا، آپ مولانا سے بخاری شریف کا درس لینے لگے آپ کے والد بزرگوار کو قطعا یہ پسند نہیں تھا کہ آپ محدث بنارسی کی صحبت میں بیٹھیں یا حدیث کا درس سنیں اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اور آپ کے والد حنفی تھے اور آپ کے والد کو اس بات کا خوف تھا کہ محدث بنارسیؒ کی صحبت میں رہنے سے کہیں یہ اہل حدیث نہ ہو جائے، لیکن رکاوٹوں اور بندشوں کے باوجود آپ محدث بنارسیؒ سے حدیث کا درس لیتے رہے، آپ نے بخاری شریف کی جلد کو توڑ دیا اور جب کاروبار کے لئے

چوک جانے لگتے تو دو ورق اپنی صدری یا اپنی چادر میں چھپا لیتے اور کمپنی گارڈن میداگن میں جاکر بخاری شریف کا درس لیا کرتے، دھیرے دھیرے آپ مستقل طور پر مولانا محمد سعید محدث بنارسیؒ کے گھر جانے لگے اور انہیں سے بخاری شریف پڑھی اور اہل حدیث ہوگئے۔

فراغت کے بعد کاروبار میں لگ گئے لیکن تبلیغ سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہے، تبلیغی جذبہ آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اخلاص کا یہ عالم تھا کہ انجام کی پرواہ کئے بغیر جہاں چاہتے چلے جاتے اور خوب تبلیغ کرتے اور لوگوں کو کتاب وسنت کا پیغام سناتے۔

آپ سنت کے شیدائی اور بدعت کے سخت مخالف تھے، مقامی طور پر آپ مستقل مسجد بڑھیا دائی[1] کے خطیب تھے، اور آپ نے اسی مسجد میں پندرہ[15] شعبان کی شب میں تبلیغی پروگرام شروع کیا جو آج تک جاری ہے، ہر جمعرات کو بڑی بازار میں کبیر مختار کے میدان میں کھڑے ہو جاتے اور گھنٹوں تقریر کرتے رہتے، بڑھیا دائی کی مسجد میں جمعہ پڑھانے کے بعد نیچی باغ گھنٹہ گھر چلے جاتے اور سڑک پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگتے، کچھ دنوں تک آپ نے عیدگاہ اہل حدیث شکر تالاب کی امامت بھی کی، ۱۸۹۱ء میں آپ نے بڑھیا دائی مسجد کی توسیع کرائی جس میں رئیس بنارس حاجی حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ کا بھی بھرپور تعاون شامل رہا۔ (بروایت حاجی ڈاکٹر محمود صاحب ساکن دوسی پورہ)

"اہل حدیث امرتسر" میں قاری احمد سعیدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ بنارس کے مشہور اور پرانے واعظ اور والد ماجد مولانا محمد سعید محدث بنارسیؒ کے اولین تلامذہ میں سے تھے، اشاعت توحید وسنت کے لئے اپنی زندگی گویا وقف کر چکے تھے، اور تمام عمر اس کی تبلیغ میں رہے۔"

(اہل حدیث امرتسر، مجریہ ۶ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

---

[1] مسجد بڑھیا دائی کی وجہ تسمیہ: مولانا حیات اللہ صاحبؒ کے خاندان میں ایک خاتون تھیں جو رشتے میں مولانا کی دادی ہوتی تھیں، انتہائی نیک اور خدمت گذار تھیں اسی وجہ سے ان کو بڑھیا دائی کا لقب ملا، اس نیک خاتون نے اپنی گاڑھی کمائی سے ایک زمین خریدی تھی جس پر مسجد تعمیر ہوئی جس کو اس بوڑھی خاتون کی طرف منسوب کر کے مسجد بڑھیا دائی کہا جانے لگا۔

قاری صاحب مرحوم کے مذکورہ بیان سے مولانا کے اخلاص، اور جذبۂ اشاعت دین کا پتہ لگتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دین کی اشاعت، توحید کا بول بالا اور مذہب حقہ کی ترویج کا کس قدر شوق اور جذبہ تھا۔

آپ کے تبلیغی جذبے کا یہ عالم تھا کہ اپنے دوست حاجی حسن کو ساتھ لے لیتے اور بنارس سے باہر چلے جاتے، آپ عام طور سے مرزا پور، جون پور، بینی پور، گھوسیا، لوھتہ، بجرڈیہہ وغیرہ میں سے کسی ایک جگہ چلے جاتے، اور گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کرتے اور تبلیغ شروع کر دیتے۔

ماسٹر عبدالحمید جون پوری حفظہ اللہ (سابق مدرس جامعہ رحمانیہ بنارس) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ " آپ اکثر وبیشتر جون پور کے مختلف علاقوں میں تشریف لاتے تھے، تبلیغ کے بڑے شوقین تھے، شیریں بیان واعظ تھے، قرآن وسنت کی روشنی میں تقریر کیا کرتے تھے، تقریریں بڑی تاثیر ہوا کرتی تھی، دوران تقریر سکوت وسناٹا ہوتا اور پورے مجمع پر چھا جاتے، خود اپنا پیسہ خرچ کرتے بلکہ بسا اوقات لوگوں میں شیرینی بھی اپنے ہی پیسے سے تقسیم کرتے۔"

ماسٹر صاحب کا کہنا ہے کہ جون پور کے مختلف گاؤں اور دیہات میں اہلحدیثیت مولانا محمد سعید محدث بنارسیؒ اور مولانا حیات اللہ بنارسیؒ کی تبلیغی کوششوں سے پھیلی ہے۔

۱۔ رہٹی، ۲۔ پوریوں، ۳۔ کوٹھواں، ۴۔ مخدوم پور، ۵۔ پالی، ۶۔ چراری، ۷۔ بدلہ پور، ۸۔ شدنی، ۹۔ اونچنی کلاں، کراکت وغیرہ میں آج جو اہل حدیث نظر آرہے ہیں انھیں بزرگوں کی تبلیغی کوششوں کا ثمرہ ہے، جب تک آپ حیات تھے اپنے مختلف ساتھیوں کے ساتھ تبلیغ کی غرض سے برابر آتے رہے۔

ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ جون پور رہٹی میں مدرسہ کا نام مکتب اسلامیہ تھا ماسٹر اشرف جونپوریؒ نے بمبئی سے لکھا کہ مدرسہ کا نام بدل دیا جائے اور اپنی پسند کے چند نام بھی بھیجے لیکن میں نے سوچا کہ مولانا حیات اللہؒ نے مدرسہ کو فروغ دیا ہے اور اس کی ترقی کے لئے کام کیا ہے، اس لئے میں نے ان کے نام پر مدرسہ کا نام چشمۂ حیات رکھ دیا۔

بجرڈیہہ کے حاجی محمد زکریا صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ بجرڈیہہ میں سب بریلوی تھے، اہلحدیثوں

کا کوئی وجود نہ تھا لیکن مولانا محمد سعید محدث بنارسیؒ اور مولانا حیات اللہؒ کی تبلیغی کوششوں سے لوگ اہلحدیث ہوئے اور اب توماشاء اللہ اہل حدیثوں کی تعداد برابر بڑھتی جارہی ہے اور اس وقت بجرڈیہہ میں جماعت کی پانچ مسجدیں ہیں ۔

موصوف کی تصانیف میں دو کتابوں کا پتہ چلتا ہے " ثبوت رفع الیدین من فعل نبی الثقلین " پندرہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے جو سلیمانی پریس مچھودری سے شائع ہوا ہے ۔ دوسرا کتابچہ " قرأت خلف الامام " کے موضوع پر ہے اور مسودے کی شکل میں موجود ہے ۔

مولانا حیات اللہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے مخلص ، بے لوث اور دیندار تھے ، کتاب وسنت کی تبلیغ کے لئے خود کو وقف کردیا تھا ۔ آپ نے ۱۹۲۴ء میں حج کیا ۱۹۳۸ء کے اوائل میں فالج کا حملہ ہوا ۔ علاج ومعالجہ کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوا ۔ " مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی " آخر وقت موعود آپہونچا اور اکتوبر ۱۹۳۹ء میں بعمر ۸۰ سال دار فانی سے دار بقاء کو سدھار گئے ، آپ کی نماز جنازہ مناظر اسلام مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسیؒ نے پڑھائی ، اور اپنے خاندانی قبرستان مقبرہ دوسی پورہ میں مدفون ہیں

مرحوم نے ۲ لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں ، لڑکوں میں ڈاکٹر حاجی احمد اور ڈاکٹر حاجی محمود ہیں جو دوسی پورہ اپنے آبائی مکان میں مطب چلا رہے ہیں اور ثانی الذکر بڑھیا دائی کی مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں ۔ • • •

بقیہ صفحہ ۴۴ کا :

زمرۂ سوم : (دس پارے)

پہلا انعام مبلغ ۱۰۰۰ روپے	حوصلہ افزائی کیلئے مزید تین انعام فی کس
دوسرا انعام مبلغ ۵۰۰ روپے	۲۰۰ روپے
تیسرا انعام مبلغ ۲۵۰ روپے	

زمرۂ اول میں پہلا ، دوسرا اور تیسرا درجہ پانے والے حضرات کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی جانب سے خادم حرمین شریفین کی ہدایت کے مطابق وزارت مذہبی امور اوقاف ودعوۃ ارشاد کے زیر اہتمام مکہ مکرمہ میں از ۱۴ر مارچ ۱۹۹۵ء تا ۲۲ر مارچ ۱۹۹۵ء کے دوران منعقد

باقی صفحہ ۴۲ پر

عبدالسلام ابوہریرہ سلفی رجامعہ سلفیہ بنارس

رُویَت ہلال کا مسئلہ

اللہ رب العالمین نے جس وقت اس دنیا کی تخلیق کی، تو اسی وقت اس پر رہنے والوں کے لئے ایک ضابطۂ حیات متعین کیا کہ زندگی کیسے گذاری جائے؟ ان تمام چیزوں کے بارے میں "ھدی للناس" کے ذریعہ مفصل ہدایات دیں، اور اس کا نام دین اسلام رکھا اور اس دین کی تکمیل آخری کتاب قرآن مجید کے ذریعہ فرمائی، قرآن کریم یقیناً کتاب ہدایت ہے اور دلوں کی تمام روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ جب ایک عقل سلیم رکھنے والا انسان قرآن مجید و احادیث نبویہ کی ایک ایک جملوں پر تفکر و تدبر کر کے کائنات کی کھلی نشانیوں میں غور و فکر کرتا ہے تو رب العزت کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اور اس کی زبان سے بے ساختہ یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ قرآن مجید و احادیث نبویہ کے ہوتے ہوئے اب کسی کے لئے اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اپنے ذاتی فکر اور رائے سے کوئی فیصلہ کرے، بلکہ جب کسی بات یا کسی فتویٰ میں اختلاف ہو تو کتاب و سنّت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

" فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و أحسن تاویلا۔" (النساء: ۵۹) یعنی جب کسی بات میں یا کسی مسئلہ میں تم لوگوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو یعنی نصوص کتاب و سنّت میں اسکا حل تلاش کرو۔

انہی اختلافی مسائل میں سے سب اہم، حل طلب اور قابل توجہ مسئلہ رویت ھلال کا ہے جو سالہا سال ہر شہر و دیہات میں موضوع بحث بنا رہتا ہے۔ کہ تار، ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبروں پر عید الفطر یا عید الاضحیٰ یا دیگر شرعی امور کا انحصار ازروئے شرع درست ہے یا نہیں۔؟

یہاں اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بیان کر دینا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ شریعت مطہرہ کی اس بارے

میں اصل تعلیم کیا ہے؟ اسلام جس کے مخاطب پوری کائنات کے افراد ہیں اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، کہ شریعت کے وہ احکام جن کا تعلق خاص وقت سے ہے ان کے لیے معیار سورج کے طلوع وغروب، اور مہینوں سے وابستہ امور کے لئے چاند کی رویت کو مدار حکم قرار دیا، چاند کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "یسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس والحج" (البقرة: ۱۸۹)

اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں امام شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۱۸۹ پر لکھتے ہیں: "عن ابن عباس رض فی قوله تعالیٰ: "یسئلونك عن الاهلة الخ" قال نزلت فی معاذ بن جبل و ثعلبة بن عنمة: وهما رجلان من الانصار، قالا: یا رسول الله وما بال الهلال یبدو ویطلع دقیقا مثل الخیط ثم یزید حتی یعظم ویستوی، ثم لایزال ینقص ویدق حتی یعود کما کان لایکون علی حال واحد؟

ترجمہ: یہ آیت مبارکہ معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عنمہ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ دونوں حضرات خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاند کا کیا حال ہے؟ کہ بہت باریک دھاگے کی طرح طلوع ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے یہاں تک کہ درجۂ کمال کو پہونچ جاتا ہے، پھر اس کمال کے بعد برابر کم ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ جیسا باریک تھا پلٹ کر ویسا ہی باریک ہو جاتا ہے اور ایک حال پر نہیں رہتا، تو ان دونوں انصاری صحابی کے سوال کے جواب کے طور پر آیت مقدسہ کا نزول ہوا۔

اور تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۵ میں اس آیت کے تحت یہ منقول ہے کہ لوگوں نے سوال کیا، اے اللہ کے رسول ؐ "لم خلقت الاهلة" چاند کیوں پیدا کیا گیا آخر اس کے تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے مقصد تخلیق کو واضح کر دیا گیا کہ "هي مواقيت للناس" کہ لوگ اپنے حج، روزے، افطار، ماہواری نہ آنے والی عورتوں کی عدتوں کے اوقات اور وعدہ پورا کرنے کا مقررہ وقت اور اس کے علاوہ دوسرے وہ احکام جان لیں جو چاند سے متعلق ہیں۔

اور مجمع الزوائد للہیثمی ج ۳ ص ۱۴۵ میں مسند احمد بن حنبل اور الطبرانی فی الکبیر کے حوالے سے چاند کے متعلق یہ روایت منقول ہے، "عن طلق بن علیؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله عزوجل جعل هذه الاهلة مواقیت للناس، صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان غم علیکم فاتموا العدة" یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چاند کو لوگوں کے اوقات معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے، تو جب تم چاند دیکھو

تو روزہ رکھو اور جب اس کو (دوسرے مہینے) دیکھو لو تو افطار کرو، پس اگر تم پر بدلی چھائی ہو تو تیس دنوں کا شمار پورا کرو۔

گویا احکم الحاکمین اور خالق کائنات کی جانب سے چاند کی تخلیق انسانوں کے لئے ایک نظام الاوقات ہے جس پر دینی امور کا انحصار ہے۔

صحیح بخاری ج ۱ ص۲۵۶ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ" یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے روزہ نہ رکھو تاآنکہ چاند نہ دیکھ لو اور افطار نہ کرو تاآنکہ چاند نہ دیکھ لو اور اگر بدلی کی وجہ سے تمہیں چاند نظر نہ آئے تو تم اس کا ٹھیک اندازہ قائم کرو۔

"فاقدروا لہ" کے متعلق حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۴ ص۱۲۱ میں لکھتے ہیں: "فاحتمل ان یکون المراد التفرقۃ بین حکم الصحو والغیم، فیکون التعلیق علی الرؤیۃ متعلقاً بالصحو، واما الغیم فلہ حکم آخر، ویحتمل أن لا تفرقۃ ویکون الثانی موکدا للاول۔" اس بات کا احتمال ہے کہ "فاقدروا لہ" سے مراد بدلی اور بغیر بدلی کے حکم میں تفریق کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں جبکہ آسمان بالکل صاف ہو تو رویت پر معلق ہوگا اور بدلی کا حکم دوسرا ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرق کرنا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں دوسرا پہلے کیلئے تاکید ہو جائیگا۔

اور ج ۴ ص۱۲۳ پر "فلا تصوموا حتی تروہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لیس المراد تعلیق الصوم بالرویۃ فی حق کل احد، بل المراد بذلک رویۃ بعضھم وھو من یثبت بہ ذلک إما واحد علی رأی الجمھور واثنان علی رأی آخرین" یعنی اس حدیث نبوی کا مقصد یہ نہیں کہ ہر شخص چاند دیکھے تبھی روزہ رکھے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قابل اعتبار لوگوں کی رویت پر بھی روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ جمہور کی رائے کے مطابق ایک آدمی کا دیکھنا کافی ہے اور دوسرے لوگوں کی رائے کے مطابق دو آدمیوں کا دیکھنا کافی ہے۔ اور اس کے علاوہ اس معنی کی متعدد روایات معتبر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ مثلاً: "فان غم علیکم فصوموا ثلاثین یوما" وفی روایۃ "فان غم علیکم فاکملوا العدۃ" وفی روایۃ "فان اغمی علیکم الشھر فعدوا ثلاثین" وفی روایۃ "فان غبی علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین۔"

جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روزہ کا دارومدار تیس شعبان کی تکمیل ہے یا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا یا چاند دیکھ کر افطار کرنا ہے اس لئے امت مسلمہ کو کسی پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ دوربین و دیگر آلات سے

دیکھنے کی ضرورت ہے، بلکہ جب چاند انتیس ۲۹ کو نظر نہ آئے تو روزہ رکھیں تیس ۳۰ پورا کرنے کے بعد اگلا دن اس کے لئے خود ہی متعین ہے۔

ان تمام روایات میں روزہ رکھنے یا عید منانے کا دارومدار چاند کی رویت پر رکھا گیا ہے۔ یعنی چاند کا افق میں موجود ہونا مدار حکم نہیں، کیونکہ "أغمی علیکم" "غبی علیکم" سے بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ چاند افق پر موجود ہے لیکن کسی علت کی بنا پر نظر نہیں آرہا ہے تو تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ تیس ۳۰ کی گنتی پوری کیجائے۔

اختلاف مطالع

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کے کسی خطہ میں چاند نظر آگیا تو اس رویت کا اعتبار دنیا کے ہر خطے کے لوگوں پر ہوگا یا نہیں

اس کے متعلق علامہ محی الدین نووی شارح مسلم صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۸ پر رقمطراز ہیں: "والصحیح عند اصحابنا ان الرؤیة لاتعم الناس بل تختص بمن قرب علی مسافة لاتقصر فیها الصلاة وقیل ان اتفق المطلع لزمهم یعنی ہمارے اصحاب (شوافع) کے یہاں یہی صحیح بات ہے کہ ایک جگہ کی رویت ہلال تمام لوگوں کے لئے عام نہیں ہے، بلکہ اتنی دور تک اس کا حکم ہوگا جہاں تک جانے میں نماز قصر نہ کرنا پڑے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مطلع متحد ہو تو وہاں کے رہنے والوں پر لازم ہوگا۔

یہاں حضرت کریب والی روایت کا ذکر کر دینا میں مناسب سمجھتا ہوں جو کہ متعدد کتب حدیث میں مروی ہے کہ "عن کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثته الی معاویة بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتها واستهل علیّ رمضان وانا بالشام فرأیت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی آخر الشهر فسألنی عبد الله بن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رأیتم الهلال فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال انت رأیت الهلال لیلة الجمعة فقلت نعم، ورآه الناس وصاموا وصام معاویة فقال لکنا رأیناه لیلة السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلاثین یوما او نراه، فقلت اولا نکتفی برؤیة معاویة وصیامه فقال لا هکذا امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم۔" (مسلم ج ۱ ص ۳۴۸)

ترجمہ: حضرت کریب سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت الحارث نے انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملک شام بھیجا حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں شام پہونچا اور ان کا کام کر لیا، اور میں وہیں تھا کہ رمضان کا چاند ہو گیا میں نے بھی چاند دیکھا جمعہ کی رات میں، پھر رمضان کے آخر میں مدینہ آیا تو مجھ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر چاند کا تذکرہ کیا اور کہا کہ تم نے چاند کب دیکھا ہے؟ میں نے کہا، ہم نے جمعہ کی رات میں دیکھا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ تو

بھی چاند دیکھا ہے؟ میں نے کہا ہاں! اور لوگوں نے بھی دیکھا ہے، اور سب نے روزہ رکھا اور حضرت معاویہ نے بھی روزہ رکھا، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تو سینچر کی رات میں دیکھا ہے، اس لئے ہم لوگ اس وقت تک روزہ رکھیں گے، جب تک کہ تیس پورے نہ ہو جائیں، یا چاند دیکھ لیں، تو میں نے کہا کہ کیا آپ حضرت معاویہ کے چاند دیکھنے اور روزہ رکھنے کو کافی نہیں سمجھتے، انھوں نے فرمایا نہیں، ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی حکم دیا ہے۔

حضرت کریب والی روایت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ایک شہر کی روٴیت ہر شہر والوں کے لئے کافی نہیں اور حبر الامت صحابی جلیل حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا کہنا "ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ یہ اس بات کی بیّن ثبوت ہے کہ یہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا شام کی روٴیت کا اعتبار مدینہ والوں کے لئے نہ کرنا یہ ساری باتیں اس کی واضح دلیل ہیں کہ روٴیت ہلال کے مسئلہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں اس طرح باب باندھا ہے "باب بیان ان لکل بلد روٴیتھم وانھم اذا راوٴا الھلال ببلد لا یثبت حکمہ لما بعد عنھم" (مسلم ج ا ص۳۴۸) اور امام ابوداوٴد نے اپنی سنن میں "باب اذا رأی الھلال فی بلد قبل الآخرین بلیلۃ" (ابوداوٴد ج ا ص۳۱۹) اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں "باب ماجاء لکل اھل بلد روٴیتھم" (ترمذی ج ا ص۸۷) اور امام نسائی نے اپنی سنن میں "اختلاف اھل الآفاق فی الروٴیۃ" (السنن النسائی مع تعلیقات ج ۴ ص۱۰۱) کا باب منعقد کیا ہے۔

محدث کبیر علامہ عبید اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ اپنی شہرہٴ آفاق کتاب: "مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" ج ۶ ص۴۲۸ میں شام اور مدینہ کے درمیان کی مسافت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "والشام فی جھۃ الشمالیۃ من المدینۃ مائلا الی المشرق وبینھما قریب من سبع مائۃ میل" یعنی شام مدینہ سے شمال مشرق میں واقع ہے اور ان دونوں کے درمیان تقریباً سات سو میل کا فاصلہ ہے۔

اور ج ۶ ص۴۲۹ میں اختلاف مطالع کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وینبغی ان یرجع لذلك الی علم الھیئۃ الجدیدۃ ویعتمد علی الجغرافیا الحدیثۃ، وقد قالوا ان کان الھلال علی بلد علی ارتفاع ثمان درجات من الأفق عند غروب الشمس..... فاذا حصلت روٴیۃ الھلال فی بلد وتثبت یکون تحقق الروٴیۃ فی البلاد

الواقعة فی المغرب من ذلك البلد من مسلمات علم الھیئة وقد ظھر بھذا أن الھلال اذا رؤی فی بلد عربی ینبغی ان تعتبر ھذہ الرؤیة الی خمس مائة میل وستین میلا فی جھة المشرق من ذلك البلد واما فی البلاد الغربیة منه فتعتبر مطلقا ای من غیر تقیید بمسافة بعینة ۔"

یعنی جدید علوم کے ماہرین کہتے ہیں کہ غروب آفتاب کے وقت اگر کسی جگہ چاند افق سے آٹھ درجہ بلند ہو تو وہاں رویت ہو گی، آٹھ درجہ بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب کے وقت چاند اتنا بلند ہو کہ غروب آفتاب کے تینتیس (۳۲) منٹ کے بعد چاند کا غروب پایا جائے تو اس جگہ سے پانچ سو ساٹھ میل کی دوری تک مشرق کی طرف ہر جگہ ہلال کی رویت ہو گی بشرطیکہ مطلع بالکل صاف ہو ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں چاند نظر آگیا تو اس کا اعتبار مشرق میں پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) میل تک ہو گا اور مغرب میں کسی متعین مسافت کی قید لگائے بغیر کافی دور تک رویت کا اعتبار ہو گا۔

ریڈیو کی خبر کا حکم

ریڈیو خبر کے طور پر یہ بیان کر دیتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا یا نظر آیا یا دیکھا گیا، خواہ ایک جگہ کے بارے میں رویت کی اطلاع دی جا رہی ہو یا کئی جگہ کے بارے میں، اس صورت میں ریڈیو کی خبر کا اعتبار کر کے اس کی بنیاد پر کسی دوسری جگہ رویت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا نہ افطار کرنا جائز ہے اور نہ روزہ رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ھلال شوال اور ھلال رمضان کے لئے بھی شہادت کا حکم دیا ہے خبر پر نہیں، اس سلسلے میں کتب حدیث کے اندر متعدد حدیثیں موجود ہیں لیکن میں صرف دو حدیثوں کا ذکر کر دینا کافی سمجھتا ہوں ۔

" عن ابن عمرؓ قال: ترائی الناس الھلال فأخبرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی رأیتہ فصام وأمر الناس بصیامه ۔"

(ابوداؤد مع عون المعبود ج ۲ ص ۲۷۶) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگ چاند دیکھنے اور دکھانے لگے تو میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے خود روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کو علامہ ناصر الدین البانی اپنی کتاب "صحیح سنن ابی داؤد" ج ۲ ص ۴۴ میں صحیح قرار دیا ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر آدمی کا اسلام اور اسکی عدالت اور ثقاہت پہلے سے معلوم ہو تو ھلال رمضان میں اس کی خبر کافی ہو جائے گی۔

اور ھلال شوال یعنی عید کے لئے دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے "عن ربعی بن حراش عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان، فقدم اعرابیان فشھدا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاھلا الھلال امس عشیۃ فأمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس ان یفطروا" (ابوداؤد ۱/۳۲۰)

ترجمہ: ربعی بن حراش صحابہ رض میں سے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رمضان کے آخری دن کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہو گیا تو دو اعرابی (بدوی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انھوں نے گواہی دی کہ ہم لوگوں نے چاند (گذشتہ) شام کو دیکھا ہے اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ روزہ افطار کریں، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے (صحیح سنن ابی داؤد ج ۲ ص۴۴۹)

ان مذکورہ دونوں حدیثوں سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ شہادت کے بغیر ھلال شوال اور ھلال رمضان کی رویت کا اعتبار کرکے روزہ رکھنا یا عید منانا جائز نہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ شہادت دینے والے حضرات کے اوصاف حمیدہ میں سے عدالت وثقاہت کا ہونا ضروری ہے، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شہادت میں شاہد کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اب یہ ذرا ہم ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچیں کہ ریڈیو کی خبر ان مذکورہ شرطوں سے موافقت کرتی ہے یا مخالفت تو یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ریڈیو کی خبر مذکورہ شرطوں سے موافقت نہیں کرتی، بلکہ مخالفت کرتی ہے، کیونکہ ریڈیو کے کارکنان تمام کے تمام الا ماشاء اللہ غیر مسلم ہی ہوتے ہیں حالانکہ خبر وشہادت دونوں میں اسلام کی شرط لگائی گئی ہے۔ اور بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمان ہی نے اعلان کیا ہے تو اعلان کرنے والے کی عدالت وثقاہت کیسے معلوم ہو کہ یہ آدمی عادل اور ثقہ ہے۔

علامہ شوکانی اپنی کتاب نیل الاوطار ج ۵ ص۲۴۳ میں رقمطراز ہیں: "والفقھاء انہ لایکفی الواحد فی ھلال شوال وحکی عن ابی ثور انہ یقبل وقال النووی فی شرح مسلم لاتجوز شھادۃ عدل علی ھلال شوال عند جمیع العلماء الا ابا ثور فجوزہ بعدل۔" تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ہلال شوال یعنی عید منانے کے لئے صرف ایک عادل کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی، لیکن ابوثور کہتے ہیں کہ قبول کی جائے گی۔ اور علامہ نووی کا شرح مسلم میں یہ قول منقول ہے کہ تمام علماء کے نزدیک ہلال شوال کی رویت پر ایک عادل کی شہادت جائز نہیں، لیکن صرف ابوثور کا کہنا ہے کہ ھلال شوال کی رویت پر ایک عادل کی شہادت جائز ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب عام رویت نہ ہو تو بغیر شہادت کے رویت معتبر نہیں، رمضان کے لئے

ایک اور شوال کے لئے دو شہادت معتبر ہوگی۔

محدث عظیم مولانا عبید اللہ مبارکپوری رح کے نزدیک بھی ریڈیو کی خبر مطلقاً قابل قبول نہیں، بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ صوم وصلاۃ یعنی عید منانا درست ہوگا، شیخ مرحوم اپنی کتاب "رمضان المبارک کے فضائل و احکام" صفحہ پر رقمطراز ہیں "ریڈیو کے جس اعلان پر صوم یا افطار کا حکم دیا جائے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ تفصیلی ہو اور ذمہ دار علماء کی جماعت کی طرف سے ہو یا کم از کم اس جماعت کی ذمہ داری کے حوالہ سے ہو کہ انھوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مثلاً کوئی متدین مسلمان ریڈیو اسٹیشن سے یہ اعلان کرے کہ ہمارے شہر کے فلاں ذمہ دار رویت ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت یا امیر شریعت یا مفتی نے شرعی ثبوت کے بعد یہ اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح کی صراحت وتفصیل کے ساتھ اعلان پر صوم اور افطار یعنی عید منانا درست ہوگا۔

...... مگر واضح رہے کہ ریڈیو کی خبر سن کر ہر شخص کو بطور خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ مشتہر ہو جانے والی خبر کی شرعی حیثیت سمجھ سکے، اس لئے سننے والوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس معاملہ میں بھی اپنے یہاں کے ذمہ دار علماء کی طرف رجوع کریں اور ان کے فیصلہ پر عمل کریں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

بقیہ صفحہ ۳۴ کا:

ہونے والے سترہویں عالمی مقابلہ قرآن کریم کے لئے نامزد کیا جائے گا۔

جس میں مناسک عمرہ کی ادائیگی اور حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوں گے۔

مکہ مکرمہ اور حرمین شریفین میں ایک ہفتہ کے قیام کی میزبانی وزارتِ مذہبی امور، اوقاف ودعوت وارشاد سعودی عرب کی طرف سے ہوگی اور مذکورہ وزارت آمد ورفت کے ٹکٹ بھی پیش کرے گی۔

نہایت ضروری بات: مقابلہ میں شرکت کی شرائط اور اس سے متعلق ضروری معلومات کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں:

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، اہل حدیث منزل

۴۱۱۶ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی ۶

اعلان داخلہ

برائے درجات فضیلت و تخصص

جامعہ سلفیہ نے معروف و مستند مدارس اہل حدیث کے اساتذہ کے متعدد اجتماعات کے بعد تدریسی کورس آٹھ سال کر کے مزید دو سال کا ایک کورس " تخصص " کے نام سے شروع کیا تھا۔

اب تعلیمی سال ۱۴۱۶ - ۱۴۱۵ھ سے مذکورہ نظام میں قدرے تبدیلی عمل میں آئی ہے، یعنی :

۱- عالمیت کے بعد فضیلت کا مرحلہ شروع کیا جا رہا ہے جس میں صحیحین کا درس ہوگا۔

۲- مذکورہ مرحلہ کی تکمیل کے بعد تخصص کا دو سالہ مرحلہ بھی ان شاء اللہ برقرار رہے گا۔

دونوں مرحلوں میں داخلہ کے لئے درخواستوں کا شعبان کے اختتام تک دفتر جامعہ میں پہونچنا ضروری ہے۔

۳- الحمد للہ جامعہ میں مدارس اسلامیہ کے فارغین کے لئے تدریب الدعاۃ والمعلمین کا ایک سالہ کورس بھی جاری ہے، اس کے لئے بھی درخواست بھیجنے کا وقت اختتام شعبان ہے۔

(دفتر جامعہ سلفیہ، بنارس)

بابُ الفتاویٰ

سوال : میت کو مرحوم ومغفور کہنا درست ہے یا نہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں ؟

جواب : واضح ہو کہ فوت شدہ کو مرحوم ومغفور یا انہی جیسے دوسرے اوصاف کے ساتھ متصف کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ فوت شدہ شخص جنتی ہے، جب کہ احکام اسلام اور مسائل عقیدہ سے واقفیت وتعلق رکھنے والے کسی بھی شخص سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ بات (یعنی کسی کے جنتی ہونے کی خبر) ایسے امور غیبیہ میں سے ہے جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں اس کے جنتی یا جہنمی ہونے کی شہادت وگواہی دینا جائز نہیں سوائے اس کے جس کے بارے میں قرآن کریم کی نص موجود ہو، "سیصلی نارا ذات لھب"، جیسے ابولہب ہے۔ اور پھر جس کے بارے میں جنتی ہونے کی خبر وشہادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جیسے صحابہ میں عشرۂ مبشرہ وغیرہم ہیں۔

اور مروجہ الفاظ کا استعمال معنوی طور پر اس بات کی گواہی ہوتا ہے کہ فلاں شخص مغفور (بخشا ہوا) یا مرحوم (رحم کیا گیا) ہے، لہذا ان کے بجائے یوں کہنا چاہیئے "غفر اللہ لہ"، (اللہ اس کی مغفرت اور بخشش کرے) یا "رحمہ اللہ" (اللہ اس پر رحم فرمائے) یا اس جیسے دوسرے دعائیہ کلمات کہے جائیں۔

(مجلہ البحوث الاسلامیہ، رجب، شعبان، رمضان، شوال ۱۴۰۹ھ دار الافتا، الریاض)

سوال : عقیقہ کرنے کا مسنون وقت کون سا ہے اگر وقت مسنونہ میں نہ کر سکیں تو بعد میں کر سکتے ہیں یا نہیں مفصل جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں ؟

جواب : عقیقہ کے مسنون اور متعین وقت کے سلسلہ میں حدیث نبوی ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب رضؓ سے روایت ہے : "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل غلام مرتھن بعقیقتہ تذبح عنہ یوم سابعہ ویحلق ویسمی" (المستدرک ۴/۲۳۷) اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے: "عق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن والحسین یوم السابع وسماھا" (رواہ الحاکم فی المستدرک ۴/۲۳۷) یہ دونوں روایتیں اور اس کے علاوہ اس معنی کی دوسری روایتیں ساتویں دن عقیقہ کرنے کو متعین قرار دیتی ہیں اور اس کے علاوہ ۱۴ اور ۲۱ کی جو روایتیں

آتی ہیں مثلاً حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: "ولیکن ذاک یوم السابع فان لم یکن ففی اربعة عشر فان لم یکن ففی احدی وعشرین" (المستدرک ۴/۲۳۸) یعنی اگر ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو چودہویں دن کرو اور اگر اس دن بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں دن کرو ۔ اس حدیث کی سند کے سلسلے میں علامہ البانی "ارواء الغلیل فی تخریج منار السبیل ۴/۳۹۶ میں لکھتے ہیں: "وعلی ھذا فظاھر الاسناد الصحة ولکن له عندی علتان" بظاہر اس کی سند صحیح ہے لیکن میرے نزدیک اس میں دو علتیں ہیں الاولیٰ: الانقطاع بین عطاء وام کرز "عطاء اور ام کرز کے درمیان انقطاع ہے۔ والاخری: الشذوذ والادراج "اس میں شذوذ وادراج ہے۔ اور علامہ ابن حزم اپنی کتاب "المحلی ۸/۳۲۳ میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں "قلنا: ھذا لا یصح، لانه من روایة عبد الملک بن ابی سلیمان العرزمی ثم لوکان صحیحا لما کانت فیه حجة، لانه عمن دون النبی صلی اللہ علیه وسلم ۔"

اولاً یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس لئے کہ عبد الملک بن ابی سلیمان عرزمی کی روایت سے ہے لیکن اگر صحیح بھی ہو تو اس میں حجت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ سے مروی نہیں ۔ لہٰذا اصل عقیقہ ساتویں دن ہی مشروع ہے اس کے بعد عقیقہ مشروع ومسنون نہیں البتہ بچہ کو رہن سے چھڑانے کے لئے بعد میں بھی عقیقہ کے نام پر عقیقہ کے جانور ذبح کر دیئے جائیں تو ٹھیک ہے، ہاں خیال رہے کہ ساتویں دن وہ جانور ذبح کئے جائیں۔

سوال : عیدین کی نماز میں تکبیر زوائد کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے، مدلل جواب دیں ؟

جواب : عیدین کی نماز میں تکبیر زوائد کے وقت رفع الیدین کرنے کے سلسلہ میں علامہ عبید اللہ مبارکپوری "مرعاة المفاتیح ۵/۵۴ میں رقمطراز ہیں کہ حق اور صحیح بات یہ ہے کہ کسی صریح یا مرفوع حدیث سے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے البتہ بعض لوگوں نے عموم سے استدلال کرکے استحباب کا حکم لگایا ہے، اور ابن قدامہ "المغنی" ۲/۳۸۱ میں لکھتے ہیں کہ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اور یہی عطاء، اوزاعی، ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب ۔

حررہٗ: عبد السلام ابوہریرہ سلفی

الجواب صحیح: محمد رئیس ندوی، جامعہ سلفیہ

ہماری مطبوعات

نام کتاب　:　سکھ مذہب

نام مصنف　:　پروفیسر محمد رفیق خان رح

صفحات　:　ص ۱۸۸

ناشر　:　دارالتالیف والترجمہ، بنارس

ہندوستان ہمیشہ سے مختلف مذاہب، گوناگوں ثقافتوں اور رنگارنگ تہذیبوں کا گہوارہ اور مرکز رہا ہے، اسکی سرزمین نے ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنے دامن میں نہ صرف جگہ دی ہے بلکہ پھلنے پھولنے کے مواقع بھی فراہم کئے ہیں، تاریخ عالم میں اس حیثیت سے ہندوستان کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ آج بھی ہم اس کی سرزمین پر ثقافت کا تنوع، تہذیبوں کی رنگارنگی اور مختلف نظریات کے حامل افراد اور شخصیات کو دیکھ رہے ہیں۔ بدھ مذہب، جین مذہب، اسلام، برہمن ازم، سکھ مذہب اور نہ جانے کتنے مذاہب سے وابستہ لوگ اس سرزمین پر بستے اور اپنے اپنے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں۔

انھیں مذکورہ مذاہب میں سے "سکھ مذہب" بھی ہے، جس نے پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں اسی سرزمین سے جنم لیا، اس کے بانی گرونانک جی تھے۔ زیر تبصرہ کتاب میں مصنف نے اسی مذہبی فرقہ کو متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب عرض ناشر، دیباچہ اور تعارف کے علاوہ دو باب، ایک خاتمہ اور ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتدا میں سکھ مذہب کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے، کن حالات اور کن اسباب کی بنا پر سکھ مذہب کا وجود ہوا اس کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ باب اول میں گروؤں سے پہلے کے صوفی سنتوں کے حالات ذکر کئے گئے ہیں مثلاً کبیر داس، شیخ فرید، رامانند اور دوسرے وشنو بھگت وغیرہ، جس سے سکھ مذہب کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

باب دوم میں سکھ مذہب کے عقائد کے مطابق ان کے دس گروؤں کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں، وقتاً فوقتاً ان کے مذہبی معاملات میں جو تبدیلی اور تغیر رونما ہوا اس پر مصنف نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان ادوار میں سکھوں نے جو جنگیں لڑیں اور سیاسی اعتبار سے ان ادوار کی حکومتوں سے جس طرح مقابلہ کیا اس کا بھی تذکرہ ہے۔

انگریزی حکومت نے سکھوں سے ایک خاص طرح کی ہمدردی دکھانی شروع کی تھی، ان کے دور میں سکھ مذہب جن حالات سے دوچار ہوا اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مختلف اوقات میں سکھوں نے بہت سی تحریکیں چلائیں، بے شمار تنظیمیں، ٹرسٹی بورڈ اور سوسائٹیاں قائم کیں، مصنف نے ان تمام تحریکات وتنظیمات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

تہذیبی زندگی کا ایک اہم حصہ مذہبی عقائد ہوتے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں ہر تہذیب وتمدن کی بنیاد کسی مذہبی روایت پر ہوتی ہے۔ سکھ مذہب کے بھی چند بنیادی عقائد ہیں، مثلاً خدا، ابدیت، اچھائی و برائی، انسانی فرائض وغیرہ، اس پر مصنف نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان کی مقدس کتاب "آدی گرو گرنتھ" کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔

"سکھوں میں سیاسی جماعتیں اور ان کے رجحانات" کے عنوان کے تحت سکھوں کے سیاسی حالات اور ان کی سیاسی پارٹیوں کا تذکرہ ہے سکھوں کی ایک مشہور تحریک "خالصتان تحریک" کے نام سے موسوم ہے، کتاب کا ضمیمہ اسی تحریک کے تعارف وتاریخ پر مشتمل ہے۔

خلاصہ یہ کہ زیر تبصرہ کتاب سکھ مذہب اور سکھ فرقہ کے تعارف پر مشتمل ہے، مصنف نے سکھ مذہب کو اسی حیثیت سے روشناس کرنے کی کوشش کی ہے جس حیثیت میں وہ آج ہے، یہی وجہ ہے کہ عقائد اور ایمان پر عقلی یا تاریخی اعتبار سے کوئی تنقید نہیں کی ہے۔ مصنف نے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ سکھ حضرات جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ مکمل طور پر انھیں کے خیالات ونظریات کے مطابق سامنے آجائے۔

۱۹۸۴ء میں جب اندرا گاندھی کا قتل ہوا تو سکھ مذہب مختلف آزمائشوں سے دوچار ہوا، بنابریں بہت سے افراد کے دلوں میں اس مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، اسی مقصد کو سامنے رکھ کر مصنف نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، دوسری طرف ایسی کتابیں جو دوسرے مذاہب سے متعارف کرا سکیں اردو زبان میں بہت کم تھیں، اسلئے بنارس کے ادارہ "دار التالیف والترجمہ" نے عالمی مذاہب کا معروضی تعارف اردو زبان میں پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا، یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کتاب کا اسلوب سنجیدہ اور متوازن ہے۔ ہمیں امید ہے کہ کتاب قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے اس میں مفید ثابت ہوگی۔

محفوظ الرحمان مشتاق احمد سلفی
لائبریرین
جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس

کُلُ ہند مقابلہ تجوید و حفظ قرآن کریم

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے بنیادی اصول اور اغراض و مقاصد کا محور امت کو کتاب و سنت سے وابستہ کرنا اور مسلمانوں میں اس پر عمل کی روح بیدار کرنا ہے تاکہ مسلمان وحی الٰہی کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل پیرا ہوکر اپنی عظمتِ رفتہ کو پا سکیں اور دین و دنیا میں سرخرو ہوسکیں۔

اس بنیادی مقصد کو لے کر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے ایک ملک گیر مقابلہ تجوید وحفظ قرآن کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ مقابلہ قرأت دہلی میں منعقد ہوگا۔ ۲۸ - ۲۹ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
یکم و دو جنوری ۱۹۹۵ء ۔ بروز اتوار، پیر۔

مقام : بچوں کا گھر۔ دریا گنج، نئی دھلی ۲

انعامات کی تفصیل :

زمرۂ اوّل : (قرآن کریم مکمل)

پہلا انعام مبلغ ۳۰۰۰ روپے
دوسرا انعام مبلغ ۲۰۰۰ روپے
تیسرا انعام مبلغ ۱۰۰۰ روپے

حوصلہ افزائی کیلئے مزید تین انعام فی کس ۵۰۰ روپے

زمرۂ دوم : (بیس پارے)

پہلا انعام مبلغ ۲۰۰۰ روپے
دوسرا انعام مبلغ ۱۵۰۰ روپے
تیسرا انعام مبلغ ۷۵۰ روپے

حوصلہ افزائی کیلئے مزید تین انعام فی کس ۳۰۰ روپے

باقی صـ ۳۴ ←

DECEMBER 1994 VOL. XII - NO. [illegible]

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINF

Phone : 91 - 542 - 320958 / 322116 Fax : 91 - 542 - 323980

مکتبہ سلفیہ (بنارس) کی تازہ ترین پیش کش

مقالاتِ طیبہ

مجموعہ مقالات سیرت کانفرنس جامعہ سلفیہ بنارس

ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ

مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، وارانسی

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Editted by: A. W. Hijazi.
Printed at Salafia Press, Varanasi.